بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المومن (40)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

حٰمٓ ①	تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ	مِنَ اللّٰہِ	الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ②
-	اِس کتاب کا اتارا جانا	اللہ (کی طرف) سے ہے	جو بالادست ہے جو جاننے والا ہے

غَافِرِ الذَّنۡۢبِ	وَقَابِلِ التَّوۡبِ	شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ	ذِی الطَّوۡلِ
جو گناہ کو بخشنے والا ہے	اور جو توبہ کو قبول کرنے والا ہے	جو سزا دینے کا سخت ہے	جو جود و کرم والا ہے

لَاۤ اِلٰہَ	اِلَّا ہُوَ	اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ③	مَا یُجَادِلُ	فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ	اِلَّا الَّذِیۡنَ
کوئی الٰہ نہیں ہے	مگر وہ	اس کی طرف ہی لوٹنا ہے	کٹ حجتی نہیں کرتے	اللہ کی آیات میں	سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے

کَفَرُوۡا	فَلَا یَغُرُرۡکَ	تَقَلُّبُہُمۡ	فِی الۡبِلَادِ ④	کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ
ناشکری کی	پس چاہیے کہ دھوکہ نہ دے آپ ؐ کو	ان لوگوں کا گھومنا پھرنا	شہروں میں	جھٹلایا ان سے پہلے

قَوۡمُ نُوۡحٍ	وَّالۡاَحۡزَابُ	مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ۪	وَہَمَّتۡ	کُلُّ اُمَّۃٍۢ
نوح ؑ کی قوم نے	اور مضبوط جتھوں نے	ان کے بعد سے	اور ارادہ کیا	ہر ایک امت نے

بِرَسُوۡلِہِمۡ	لِیَاۡخُذُوۡہُ	وَجٰدَلُوۡا	بِالۡبَاطِلِ
اپنے رسول کے بارے میں	کہ وہ پکڑیں اس (رسول) کو	اور کٹ حجتی کریں	باطل کے ذریعہ

لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ	الۡحَقَّ	فَاَخَذۡتُہُمۡ ۫	فَکَیۡفَ کَانَ	عِقَابِ ⑤	وَکَذٰلِکَ
تا کہ وہ رد کریں اس سے	حق کو	تو میں نے پکڑا ان لوگوں کو	تو کیسا تھا	میرا سزا دینا	اور اس طرح

حَقَّتۡ	کَلِمَتُ رَبِّکَ	عَلَی الَّذِیۡنَ	کَفَرُوۡۤا	اَنَّہُمۡ	اَصۡحٰبُ النَّارِ ⑥
ثابت ہوا	آپ ؐ کے رب کا فرمان	ان لوگوں پر جنہوں نے	ناشکری کی	کہ یہ لوگ	آگ والے ہیں

نوٹ: 1

یہاں سے (یعنی سورۃ المؤمن) سے سورۃ احقاف تک سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ ان کو حوامیم کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ حوامیم دیباج القرآن ہیں۔ دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد اس سے زینت ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے قرآن کا خلاصہ حوامیم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شروع دن میں آیۃ الکرسی اور سورہ مومن کی پہلی تین آیتیں پڑھ لے وہ اس دن ہر برائی اور تکلیف سے محفوظ رہے گا۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2 کٹ حجی کا مطلب ہے الٹے سیدھے اعتراضات جڑنا۔ سیاق وسباق سے الگ کر کے کوئی ایک لفظ یا فقرہ لے اڑنا اور [illegible] طرح طرح کے نکتے پیدا کر کے شبہات والزامات کی عمارتیں کھڑی کرنا۔ کلام کے اصل مدعا کو نظر انداز کر کے اس کو غلط معنی پہنانا تا کہ آدمی نہ خود بات کو سمجھے نہ دوسروں کو سمجھنے دے۔ یہ طرز اختلاف صرف وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کا اختلاف بدنیتی پر مبنی ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (7 تا 9)

ترجمہ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ	الْعَرْشَ	وَمَنْ	حَوْلَهٗ	يُسَبِّحُوْنَ
وہ جو اٹھاتے ہیں	عرش کو	اور وہ (بھی) جو	اس (عرش) کے اردگرد ہیں	وہ سب تسبیح کرتے ہیں

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ	وَيُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ	وَيَسْتَغْفِرُوْنَ	لِلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا ۚ
اپنے رب کی حمد کے ساتھ	اور ایمان رکھتے ہیں	اس (رب) پر	اور مغفرت مانگتے ہیں	ان کے لیے جو	ایمان لائے

رَبَّنَا	وَسِعْتَ	كُلَّ شَيْءٍ	رَّحْمَةً	وَّعِلْمًا	فَاغْفِرْ
(اور دعا کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب	تو وسیع ہوا	ہر چیز پر	بلحاظ رحمت کے	اور بلحاظ علم کے	پس تو بخش دے

لِلَّذِيْنَ	تَابُوْا	وَاتَّبَعُوْا	سَبِيْلَكَ	وَقِهِمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷
ان کو جنہوں نے	توبہ کی	اور پیروی کی	تیرے راستے کی	اور تو بچا ان کو	دوزخ کے عذاب سے

رَبَّنَا	وَاَدْخِلْهُمْ	جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ	وَعَدْتَّهُمْ	وَمَنْ
اے ہمارے رب	اور تو داخل کر ان کو	عدن کے ان باغات میں جن کا	تو نے وعدہ کیا ان سے	اور اس کو (بھی داخل کر) جو

صَلَحَ	مِنْ اٰبَآئِهِمْ	وَاَزْوَاجِهِمْ	وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ	اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
نیک ہوا	ان کے آباء اجداد میں سے	اور ان کی بیویوں میں سے	اور ان کی اولادوں میں سے	بیشک تو ہی بالادست ہے

الْحَكِيْمُ ۝۸	قِهِمُ	السَّيِّاٰتِ ؕ	وَمَنْ	تَقِ	السَّيِّاٰتِ
حکمت والا ہے	اور تو بچا ان کو	برائیوں سے	اور جس کو	تو بچائے گا	برائیوں (کے انجام) سے

يَوْمَئِذٍ	فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ	وَذٰلِكَ	هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ ع
اُس دن	تو تو نے رحم کیا ہے اس پر	اور یہ	ہی شاندار کامیابی ہے

نوٹ: 1 حاملانِ عرش فرشتے اب چار ہیں اور قیامت کے روز آٹھ ہو جائیں گے اور عرش کے گرد کتنے فرشتے ہیں ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کو کرّوبی کہا جاتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ (معارف القرآن)۔ یہ جو فرمایا گیا کہ یہ ملائکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کا رشتہ ہی وہ اصل رشتہ ہے جس کی وجہ سے عرش

سے عرش کے قریب رہنے والے فرشتوں کو زمین پر بسنے والے ان خاکی انسانوں سے دلچسپی پیدا ہوئی جو انہی کی طرح اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔ فرشتے دعا اور سفارش تو برابر کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی دعا اور سفارش ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی بدعقیدگی اور بدعملی سے توبہ کر کے اللہ کے راستے کے پیرو بن جائیں۔ نہ کہ ان لوگوں کے لیے جو اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کی مخالفت کریں۔ (تدبر القرآن)۔

آیت نمبر (10 تا 12)

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	یُنَادَوۡنَ	لَمَقۡتُ اللّٰہِ	اَکۡبَرُ
بیشک جن لوگوں نے کفر کیا	ان کو پکارا جائے گا (اور کہا جائے گا)	یقیناً اللہ کا بیزار ہونا	زیادہ بڑا ہے

مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ	اَنۡفُسَکُمۡ	اِذۡ	تُدۡعَوۡنَ	اِلَی الۡاِیۡمَانِ	فَتَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾
تمہارے بیزار ہونے سے	اپنی جانوں سے	(یہ اس لیے کہ) جب	تم لوگوں کو بلایا جاتا تھا	ایمان لانے کی طرف	تو تم لوگ انکار کرتے تھے

قَالُوۡا	رَبَّنَاۤ	اَمَتَّنَا	اثۡنَتَیۡنِ	وَ اَحۡیَیۡتَنَا	اثۡنَتَیۡنِ
وہ لوگ کہیں گے	اے ہمارے رب	تو نے موت دی ہم کو	دو (موتیں)	اور تو نے زندگی دی ہم کو	دو (زندگیاں)

فَاعۡتَرَفۡنَا	بِذُنُوۡبِنَا	فَهَلۡ اِلٰی خُرُوۡجٍ	مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۱۱﴾	ذٰلِکُمۡ بِاَنَّهٗۤ
پس ہم نے اعتراف کیا	اپنے گناہوں کا	تو کیا نکلنے کی طرف	کوئی بھی راستہ ہے	یہ بسبب اس حقیقت کے کہ

اِذَا	دُعِیَ اللّٰہُ	وَحۡدَهٗ	کَفَرۡتُمۡ ۚ	وَ اِنۡ یُّشۡرَکۡ بِهٖ
جب کبھی	پکارا گیا اللہ کو	بلحاظ اس کے واحد ہونے کے	تو تم لوگوں نے انکار کیا	اور اگر شریک کیا جاتا تھا اس کے ساتھ

تُؤۡمِنُوۡا ؕ	فَالۡحُکۡمُ	لِلّٰہِ	الۡعَلِیِّ	الۡکَبِیۡرِ ﴿۱۲﴾
تو تم لوگ ایمان لاتے	تو (اب) حکم دینا	اللہ ہی کے لیے ہے	جو بلند ہے	جو بڑا ہے

نوٹ: 1 دو بار موت سے ایک تو وہ حالتِ موت مراد ہے جو اس دنیا میں وجود پذیر ہونے سے پہلے انسان پر طاری ہوتی ہے اور دوسری وہ موت ہے جس سے ہر زندہ کو لازماً دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح زندگی ایک تو وہ ہے جو اس دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور دوسری وہ جو قیامت میں حاصل ہوگی۔ (تدبر قرآن)

آیت نمبر (13 تا 20)

ء ز ف

(س) اَزَفَا قریب ہونا۔ ﴿اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ ۚ ۝﴾ (53/النجم: 57) ''قریب ہوئی قریب ہونے والی۔''
اٰزِفَةٌ قریب ہونے والی۔ مراد ہے قیامت زیر مطالعہ آیت۔ 18۔

ل د ی

x	x	فعل استعمال نہیں ہوتا۔
لَدَیْ		لَدُنْ کی طرح یہ بھی ظرف ہے اور دونوں قریب المعنی ہیں اردو میں عام طور پر دونوں کا ترجمہ ''پاس'' کر دیتے ہیں جیسے لَدُنَّا (ہمارے پاس)۔ لَدَیْنَا (ہمارے پاس)۔ لیکن لَدُنْ میں کسی چیز کا کسی کے قبضہ یا تصرف میں ہونے کا مفہوم ہوتا ہے۔ جبکہ لَدَیْ میں کسی چیز کا کسی کے قریب یا نزدیک ہونے کا مفہوم ہوتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔18۔

ترکیب

(آیت۔15) فَعِیْلٌ کے وزن پر آنے والی اکثر صفات میں اسم الفاعل کا مفہوم ہوتا ہے جبکہ کچھ صفات میں اسم المفعول کا مفہوم ہوتا ہے جیسے رَحِیْمٌ وغیرہ۔ کبھی یہ الفاظ اسم الفاعل یا اسم المفعول کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی مجرد صفت کے مفہوم میں۔ عام طور پر عبارت کے سیاق وسباق سے اس کی تمیز کر لی جاتی ہے لیکن یہاں رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ کے دونوں طرح ترجمے ممکن ہیں اور کئے بھی گئے ہیں۔ رَفِیْعُ کو اگر اسم الفاعل مانیں تو ترجمہ ہوگا درجات کا بلند کرنے والا اور اگر رَفِیْعُ مجرد صفت مانیں تو ترجمہ ہوگا درجات کا بلند یعنی بلند درجات والا۔ دونوں ترجمے درست ہیں۔ یہاں پر اَلرُّوْحَ حضرت جبریلؑ کے لیے نہیں بلکہ وحی کے لیے آیا ہے۔ (دیکھیں آیت 2/87، مادہ ''روح'')۔ اَلتَّلَاقِ دراصل لَقِیَ سے باب تفاعل کا مصدر تَلَاقٍ ہے۔ اس پر لام تعریف داخل ہوا تو قاف کی تنوین ختم ہوگئی۔ (آیت۔16) لَا یَخْفٰی کا فاعل شَیْءٌ ہے۔ سادہ جملہ اس طرح ہوتا۔ لَا یَخْفٰی شَیْءٌ مِّنْهُمْ عَلَی اللّٰهِ (آیت۔18)۔ اَنْقُلُوْبُ مبتدا ہے اور نَدَی الْحَنَاجِرِ اس کی خبر ہے جبکہ کَاظِمِیْنَ حال ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لیکن یہ قلوب کا حال نہیں ہے ورنہ کَاظِمَةٌ آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصحاب القلوب کا حال ہے۔ آیت۔20)۔ یَدْعُوْنَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے اور اَلَّذِیْنَ اس کا مفعول مقدم ہے۔

ترجمہ

هُوَ	الَّذِیْ	یُرِیْكُمْ	اٰیٰتِهٖ	وَیُنَزِّلُ لَكُمْ	مِّنَ السَّمَآءِ
وہ	وہ ہے جو	دکھاتا ہے تم لوگوں کو	اپنی نشانیاں	اور وہ بتدریج اتارتا رہتا ہے تمہارے لیے	آسمان سے

رِزْقًا ؕ	وَمَا یَتَذَكَّرُ	اِلَّا مَنْ	یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾	فَادْعُوا اللّٰهَ
کچھ رزق	اور نصیحت حاصل نہیں کرتا	مگر وہ جو	متوجہ ہوتا ہے	پس تم لوگ پکارو اللہ کو

مُخْلِصِیْنَ	لَهُ الدِّیْنَ	وَلَوْ كَرِهَ	الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾	رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ
ملاوٹ سے پاک کرنے والے ہوتے ہوئے	اس کے لیے نظام حیات کو	اور اگرچہ کراہیت کریں	کافر لوگ	(وہ) درجات کا بلند کرنے والا ہے

ذُو الْعَرْشِ ۚ	یُلْقِی	الرُّوْحَ	مِنْ اَمْرِهٖ	عَلٰی مَنْ	یَّشَآءُ
جو عرش والا ہے	وہ ڈالتا (یعنی اتارتا ہے)	(دین وایمان کی) روح کو	اپنے حکم سے	اس پر جس پر	وہ چاہتا ہے

مِنْ عِبَادِهٖ	لِیُنْذِرَ	یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ﴿۱۵﴾	یَوْمَ هُمْ	بٰرِزُوْنَ ۚ	لَا یَخْفٰی
اپنے بندوں میں سے	تاکہ وہ خبردار کرے (لوگوں کو)	ملاقات کرنے کے دن سے	جس دن سب لوگ	بے نقاب ہونے والے ہیں	پوشیدہ نہیں ہوگی

عَلَى اللّٰهِ	مِنْهُمْ	شَيْءٌ ؕ	لِمَنِ	الْمُلْكُ	الْيَوْمَ ؕ	لِلّٰهِ
اللہ پر	ان لوگوں میں سے	کوئی چیز	کس کے لیے ہے	بادشاہت	اس دن	اللہ کے لیے ہے

الْوَاحِدِ	الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾	اَلْيَوْمَ تُجْزٰى	كُلُّ نَفْسٍ	بِمَا كَسَبَتْ ؕ
جو واحد ہے	جو زبردست ہے	اس دن بدلہ دیا جائے گا	ہر جان کو	وہ جو اس نے کمائی کی

لَا ظُلْمَ	الْيَوْمَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾	وَاَنْذِرْهُمْ
کسی طرح سے کوئی بھی ظلم نہیں ہوگا	اس دن	یقیناً اللہ	حساب لینے کا تیز ہے	اور آپ خبردار کر دیں ان لوگوں کو

يَوْمَ الْاٰزِفَةِ	اِذِ الْقُلُوْبُ	لَدَى الْحَنَاجِرِ	كٰظِمِيْنَ ۘ
قریب ہونے والی (قیامت) کے دن سے	جب دل	گلوں کے قریب ہوں گے	غم وغصہ پینے والے ہوتے ہوئے

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ	مِنْ حَمِيْمٍ	وَّلَا شَفِيْعٍ
نہیں ہوگا ظلم کرنے والوں کے لیے	کوئی بھی ایسا گرمجوش دوست	اور نہ کوئی بھی ایسا سفارش کرنے والا

يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ ؕ	يَعْلَمُ	خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ	وَمَا	تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾
جس کی تابعداری کی جاتی ہو	وہ جانتا ہے	آنکھوں کی خیانت کرنے والی (چوری) کو	اور اس کو جو	چھپاتے ہیں سینے

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ	بِالْحَقِّ ؕ	وَالَّذِيْنَ	يَدْعُوْنَ	مِنْ دُوْنِهٖ
اور اللہ فیصلہ کرے گا	حق کے ساتھ	اور جن لوگوں کو	یہ لوگ پکارتے ہیں	اس کے علاوہ

لَا يَقْضُوْنَ	بِشَيْءٍ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	هُوَ السَّمِيْعُ	الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع
وہ لوگ فیصلہ نہیں کرتے	کسی چیز کا	بیشک اللہ	ہی سننے والا ہے	دیکھنے والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔15۔ میں الروح سے مراد وحی ہے۔ وحی کو روح سے تعبیر کرنے کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح روح سے جسم کو زندگی حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے انسان کی عقل اور اس کے دل کو زندگی، حرارت اور روشنی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مسیحؑ نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔ اس وحی کی کیفیت و ماہیت ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس کو وہی سمجھتا ہے جو اس کو نازل کرتا ہے یا پھر وہ سمجھتا ہے جس کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کلام میں یہ بات لانے سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ خدا کی بارگاہ تک کسی جن و بشر کی رسائی نہیں ہے کہ وہ اس کے غیب سے واقف ہو سکے۔ اس کی مرضیات جاننے کا واحد ذریعہ صرف وہ وحی ہے جو وہ اپنے بندوں میں سے اس پر نازل فرماتا ہے جس کو وہ کارِ خاص (یعنی نبوت و رسالت) کے لیے انتخاب فرماتا ہے۔ اس لیے مشرکین نے اپنے زعم کے مطابق غیب کے جاننے کے جو ذرایع ایجاد کر رکھے ہیں وہ بالکل لایعنی ہیں۔ اللہ کی پسند و ناپسند جاننے کا ذریعہ بس وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (21 تا 27)

ترجمہ

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا	فِی الۡاَرۡضِ	فَیَنۡظُرُوۡا	کَیۡفَ کَانَ	عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ
اور کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں	زمین میں	نتیجتاً وہ دیکھتے	کیسا تھا	ان لوگوں کا انجام جو

کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ	کَانُوۡا ہُمۡ	اَشَدَّ مِنۡہُمۡ	قُوَّۃً
تھے ان سے پہلے	وہ لوگ تھے	ان لوگوں سے زیادہ شدید	بلحاظ قوت کے

وَّ اٰثَارًا	فِی الۡاَرۡضِ	فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ	بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ	وَ مَا کَانَ لَہُمۡ
اور بلحاظ نشانات (چھوڑنے) کے	زمین میں	پھر پکڑا ان کو اللہ نے	بسبب ان کے گناہوں کے	اور نہیں ہے ان کے لئے

مِّنَ اللّٰہِ	مِنۡ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾	ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ	کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ	رُسُلُہُمۡ
اللہ سے (ان کو)	کوئی بھی بچانے والا	یہ اس لئے کہ	آتے تھے ان کے پاس	ان کے رسول

بِالۡبَیِّنٰتِ	فَکَفَرُوۡا	فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ ؕ	اِنَّہٗ قَوِیٌّ	شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۲﴾
واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو انہوں نے انکار کیا	پھر پکڑا ان کو اللہ نے	بیشک وہ قوی ہے	سزا دینے کا سخت ہے

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا	مُوۡسٰی	بِاٰیٰتِنَا	وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۳﴾
اور بیشک ہم بھیج چکے	موسیٰؑ کو	اپنی نشانیوں کے ساتھ	اور واضح دلیل کے ساتھ

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ قَارُوۡنَ	فَقَالُوۡا	سٰحِرٌ کَذَّابٌ ﴿۲۴﴾	فَلَمَّا جَآءَہُمۡ
فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف	تو ان لوگوں نے کہا	جادوگر ہے پکا جھوٹا ہے	تو جب وہ (موسیٰؑ) آئے ان کے پاس

بِالۡحَقِّ مِنۡ عِنۡدِنَا	قَالُوا	اقۡتُلُوۡۤا	اَبۡنَآءَ الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا مَعَہٗ
ہمارے پاس سے حق کے ساتھ	تو انہوں نے کہا	تم لوگ قتل کرو	ان کے بیٹوں کو جو	ایمان لائے انؑ کے ساتھ

وَاسۡتَحۡیُوۡا	نِسَآءَہُمۡ ؕ	وَ مَا کَیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ	اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾
اور زندہ رکھو	ان کے عورتوں کو	اور نہیں ہے کافروں کی چالبازی	مگر بھٹکنے میں

وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ	ذَرُوۡنِیۡۤ	اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی	وَ لۡیَدۡعُ	رَبَّہٗ ۚ	اِنِّیۡۤ اَخَافُ
اور کہا فرعون نے	تم لوگ چھوڑو مجھ کو	تو میں قتل کروں موسیٰؑ کو	اور چاہیے کہ وہ پکارلے	اپنے رب کو	بیشک میں ڈرتا ہوں

اَنۡ یُّبَدِّلَ	دِیۡنَکُمۡ	اَوۡ اَنۡ یُّظۡہِرَ	فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴿۲۶﴾	وَ قَالَ مُوۡسٰی
کہ وہ تبدیل کردے	تمہارے نظام حیات کو	یا یہ کہ وہ ظاہر کرے	زمین میں نظم کی خرابی کو	اور کہا موسیٰؑ نے

اِنِّیۡ عُذۡتُ	بِرَبِّیۡ	وَ رَبِّکُمۡ	مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ	لَّا یُؤۡمِنُ	بِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع
کہ میں نے پناہ لی	اپنے رب کی	اور تمہارے رب کی	ہر ایسے تکبر کرنے والے سے جو	ایمان نہیں رکھتا	حساب کے دن پر

نوٹ: 1

اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ سے مراد تمدنی تعمیراتی ترقیوں کے اثار ہیں (جنہیں آثار قدیمہ کہا جاتا ہے)۔ دنیا میں انہی آثار کو ہمیشہ قوموں کی عظمت و شوکت کی دلیل سمجھا گیا ہے۔ لیکن قرآن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگر قوم ایمان سے عاری ہو تو یہ آثار اس کے زوال کی نشانی ہیں اور بالآخر یہی ان کی قومی وجود کے لئے مقبروں کی صورت میں تبدیل ہو کر رہتے ہیں۔ (تدبر قرآن)

آیت نمبر ۲۸/۴۰ تا ۳۵

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ	مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	یَكْتُمُ	اِیْمَانَهٗۤ
اور کہا ایک ایسے مومن مرد نے جو	آل فرعون میں سے تھا	وہ چھپاتا تھا	اپنے ایمان کو

اَتَقْتُلُوْنَ	رَجُلًا	اَنْ یَّقُوْلَ	رَبِّیَ	اللّٰهُ	وَ	قَدْ جَآءَكُمْ
کیا تم لوگ قتل کرو گے	ایک شخص کو	کہ وہ کہتا ہے	میرا رب	اللہ ہے	حالانکہ	وہ آیا ہے تمہارے پاس

بِالْبَیِّنٰتِ	مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ	وَاِنْ یَّكُ	كَاذِبًا	فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ
روشن (نشانیوں) کے ساتھ	تمہارے رب (کی طرف) سے	اور اگر وہ ہوگا	جھوٹا	تو اس پر ہی ہے اس کا جھوٹ

وَاِنْ یَّكُ	صَادِقًا	یُّصِبْكُمْ	بَعْضُ الَّذِیْ	یَعِدُكُمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ
اور اگر وہ ہوگا	سچا	تو آ لگے گا تم کو	اس کا کچھ جو	وہ وعدہ کرتا ہے تم سے	بیشک اللہ

لَا یَهْدِیْ	مَنْ هُوَ	مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾	یٰقَوْمِ	لَكُمُ	الْمُلْكُ
رہنمائی نہیں کرتا	اس کی جو ہے	حد سے بڑھنے والا پکا جھوٹا	اے میری قوم	تمہاری ہی ہے	بادشاہت

الْیَوْمَ	ظٰهِرِیْنَ	فِی الْاَرْضِ ۫	فَمَنْ یَّنْصُرُنَا	مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ
آج کے دن	غالب ہونے والے ہوتے ہوئے	زمین میں	تو کون مدد کرے گا ہماری	اللہ سختی سے

اِنْ جَآءَنَا ؕ	قَالَ فِرْعَوْنُ	مَاۤ اُرِیْكُمْ	اِلَّا مَاۤ	اَرٰی
اگر وہ آئی ہمارے پاس	فرعون نے کہا	میں نہیں سمجھاتا کہ تم لوگوں کو	سوائے اس کے جو	میں سمجھتا ہوں

وَمَاۤ اَهْدِیْكُمْ	اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾	وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ
اور میں رہنمائی نہیں کرتا تمہاری	مگر بھلائی کے راستے کی	اور کہا اس نے جو ایمان لایا

یٰقَوْمِ	اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ	مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾	مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ
اے میری قوم	کہ میں ڈرتا ہوں تم پر	مضبوط جتھوں کے دن کی مانند سے	نوحؑ کی قوم کی حالت کی مانند

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ	وَالَّذِیْنَ	مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ	وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ	ظُلْمًا
اور عاد اور ثمود کی	اور ان کی (حالت کی مانند) جو	ان کے بعد ہوئے	اور اللہ ارادہ نہیں کرتا	کسی ظلم کا

لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾	وَيٰقَوْمِ	اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ	يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾	يَوْمَ تُوَلُّوْنَ
بندوں کے لیے	اور اے میری قوم	بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر	چیخ پکار کے دن سے	جس دن تم لوگ بھاگ کھڑے ہوگے

مُدْبِرِيْنَ ۚ	مَا لَكُمْ	مِّنَ اللّٰهِ	مِنْ عَاصِمٍ ۚ	وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
پیٹھ دینے والے ہوتے ہوئے	تمہارے لیے نہیں ہوگا	اللہ سے	کوئی بھی بچانے والا	اور جس کو بھٹکا دیتا ہے اللہ

فَمَا لَهٗ	مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾	وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ	مِنْ قَبْلُ
تو نہیں ہوتا اس کے لیے	کوئی بھی ہدایت دینے والا	اور بیشک آچکے ہیں تمہارے پاس یوسفؑ	اس سے پہلے

بِالْبَيِّنٰتِ	فَمَا زِلْتُمْ	فِيْ شَكٍّ	مِّمَّا	جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ	حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ
کھلی (نشانیوں) کے ساتھ	پھر تم لوگ ہمیشہ رہے	ایک شک میں	اس سے جو	وہ لائے تمہارے پاس	یہاں تک کہ جب وہ ہلاک ہوئے

قُلْتُمْ	لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ	مِنْۢ بَعْدِهٖ	رَسُوْلًا ؕ	كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
تو تم لوگوں نے کہا	ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ	ان کے بعد	کوئی رسول	اس طرح بھٹکاتا ہے اللہ

مَنْ هُوَ	مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ ﴿٣٤﴾	اِلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ
اس کو جو ہے	حد سے بڑھنے والا شبہ میں پڑھنے والا	جو لوگ کٹ حجتی کرتے ہیں	اللہ کی آیتوں میں

بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ	اَتٰىهُمْ ؕ	كَبُرَ	مَقْتًا	عِنْدَ اللّٰهِ	وَعِنْدَ الَّذِيْنَ
کسی ایسی دلیل کے بغیر	جو پہنچی ان کو	(یہ بات) بڑی ہے	بلحاظ بیزاری کے	اللہ کے نزدیک	اور ان کے نزدیک جو

اٰمَنُوْا ؕ	كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ	عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾
ایمان لائے	اس طرح ٹھپہ لگا دیتا ہے اللہ	کسی بھی شبہ کرنے والے تکبر کرنے والے کے دل کے کل پر

نوٹ: 1

یہاں سے (آیت۔28 تا 46) ایک بندۂ مومن کی بات شروع ہو رہی ہے جو تھے تو شاہی خاندان سے لیکن حق پسند اور خدا ترس آدمی تھے۔ مدین سے واپسی کے بعد حضرت موسیٰؑ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو یہ ان کی دعوت پر ایمان لائے لیکن اپنے ایمان کو انہوں نے ایک عرصہ تک پوشیدہ رکھا۔ انہوں نے غالباً یہ محسوس کیا کہ اس دور میں ایمان کو پوشیدہ رکھ کر حضرت موسیٰؑ اور ان کی دعوت کی جو خدمت وہ کر سکتے ہیں وہ خدمت اعلانیہ نہیں کر سکتے۔ (تدبر قرآن)۔ یہاں یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ گفتگو کے آغاز میں انہوں نے کھل کر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ ابتداء وہ اسی طرح کلام کرتے رہے کہ وہ بھی فرعون ہی کے گروہ کے ایک آدمی ہیں اور محض اپنی قوم کی بھلائی کے لیے بات کر رہے ہیں مگر جب فرعون اور اس کے درباری کسی طرح راہ راست پر آتے نظر نہ آئے تو آخر میں انہوں نے اپنے ایمان کا راز فاش کر دیا جیسا کہ پانچویں رکوع میں ان کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (36 تا 46)

ف و ض

x x ثلاثی مجرد سے فعل نہیں استعمال ہوتا۔

(تفعیل) تَفْوِیْضًا کوئی معاملہ کسی کے سپرد کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 44۔

ترجمہ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ	يٰهَامٰنُ	ابْنِ لِيْ	صَرْحًا	لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ
اور فرعون نے کہا	اے ہامان	تو تعمیر کر میرے لیے	ایک بلند عمارت	شاید میں پہنچوں

الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾	اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ	فَاَطَّلِعَ	اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى	وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ
اس سیڑھی تک	جو آسمانوں کی سیڑھی ہے	نتیجۃً میں جھانکوں	موسیٰؑ کے الٰہ کی طرف	اور بیشک میں یقیناً خیال کرتا ہوں اس کو

كَاذِبًا ؕ	وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ	لِفِرْعَوْنَ	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	وَصُدَّ	عَنِ السَّبِيْلِ ؕ
جھوٹا	اور اس طرح خوشنما کیا گیا	فرعون کے لیے	اس کے عمل کی برائی کو	اور وہ روک دیا گیا	راستے سے

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ	اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾	وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ	يٰقَوْمِ	اتَّبِعُوْنِ
اور نہیں تھی فرعون کی چالبازی	مگر ہلاکت میں	اور کہا اس نے جو ایمان لایا	اے میری قوم	تم لوگ پیروی کرو میری

اَهْدِكُمْ	سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾	يٰقَوْمِ	اِنَّمَا	هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۫
تو میں رہنمائی کروں گا تمہاری	بھلائی کے راستے کی	اے میری قوم	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	یہ دنیوی زندگی ایک سامان ہے (برتنے کا)

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ	هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾	مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً	فَلَا يُجْزٰٓى
اور یقیناً آخرت	ہی ٹھہرنے کا گھر ہے	جس نے عمل کیا برائی کا	تو اس کو بدلہ نہیں دیا جائے گا

اِلَّا مِثْلَهَا ۚ	وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا	مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى	وَهُوَ
مگر اس کے جیسا	اور جس نے عمل کیا نیکی کا	مرد یا عورت میں سے	اس حال میں کہ وہ

مُؤْمِنٌ	فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ	الْجَنَّةَ	يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا	بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾
مومن ہو	تو یہ لوگ داخل ہوں گے	جنت میں	ان کو رزق دیا جائے گا اس میں	کسی حساب کے بغیر

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ	اَدْعُوْكُمْ	اِلَى النَّجٰوةِ	وَتَدْعُوْنَنِيْٓ	اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ ؕ
اور اے میری قوم مجھے کیا!	میں تو بلاتا ہوں تم کو	نجات کی طرف	اس حال میں کہ تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو	آگ کی طرف

تَدْعُوْنَنِيْ	لِاَكْفُرَ	بِاللّٰهِ	وَاُشْرِكَ بِهٖ	مَا	لَيْسَ لِيْ
تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو	کہ میں ناشکری کروں	اللہ کی	اور شریک کروں اس کے ساتھ	اس کو	نہیں ہے میرے لیے

بِهٖ	عِلْمٌ ۙ	وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ	اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾	لَا جَرَمَ
جس کے بارے میں	کوئی علم	حالانکہ میں بلاتا ہوں تم کو	بالادست بہت بخشنے والے کی طرف	کوئی شک نہیں

اَنَّمَا	تَدْعُوْنَنِيْٓ	اِلَيْهِ	لَيْسَ لَهٗ	دَعْوَةٌ	فِي الدُّنْيَا	وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ
کہ وہ	تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو	جس کی طرف	نہیں ہے اس کے لیے	کوئی دعوت	دنیا میں	اور نہ آخرت میں

وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ	اِلَى اللّٰهِ	وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ	هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾	فَسَتَذْكُرُوْنَ
اور یہ کہ ہماری لوٹانے کی جگہ	اللہ کی طرف ہے	اور یہ کہ حد سے بڑھنے والے	ہی آگ والے ہیں	تو تم لوگ یاد کرو گے

مَآ اَقُوْلُ	لَكُمْ ؕ	وَ اُفَوِّضُ	اَمْرِيْٓ	اِلَى اللّٰهِ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ
اس کو جو میں کہتا ہوں	تم سے	اور میں سپرد کرتا ہوں	اپنا معاملہ	اللہ کی طرف	بیشک اللہ دیکھنے والا ہے

بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾	فَوَقٰىهُ اللّٰهُ	سَيِّاٰتِ مَا	مَكَرُوْا	وَحَاقَ	بِاٰلِ فِرْعَوْنَ
بندوں کو	تو بچایا اس کو اللہ نے	اس کی برائیوں سے جو	انہوں نے خفیہ تدبیر کی	اور گھیرے میں لیا	فرعون کے پیروکاروں کو

سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ ۚ	اَلنَّارُ	يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا	غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ
عذاب کی برائی نے	جو آگ ہے	وہ لوگ پیش کیے جاتے ہیں اس پر	صبح وشام

وَيَوْمَ	تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ قف	اَدْخِلُوْٓا	اٰلَ فِرْعَوْنَ	اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾
اور جس دن	قائم ہوگی وہ گھڑی (قیامت)	(کہا جائے گا) داخل کرو	فرعونیوں کو	عذاب کے زیادہ شدید میں

نوٹ: 1

آیت۔46۔ اُس عذاب برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں یہاں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت آنے سے پہلے آلِ فرعون کو دیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح وشام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں۔ پھر جب قیامت آجائے گی تو انہیں اسی دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور یہ معاملہ صرف فرعونیوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تمام مجرموں کو موت کی ساعت سے لے کر قیامت تک وہ انجام بد نظر آتا رہتا ہے جو ان کا انتظار کر رہا ہے اور تمام نیک لوگوں کو وہ نیک انجام دکھایا جاتا ہے جو اللہ نے ان کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی مرتا ہے اُسے صبح وشام اس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی رہتی ہے، خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اس وقت جائے گا جب اللہ تجھے قیامت کے روز دوبارہ اٹھا کر اپنے حضور بلائے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (47 تا 55)

ترجمہ

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ	فِي النَّارِ	فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا	لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا
اور جب وہ لوگ آپس میں تکرار کریں گے	آگ میں	تو کہیں گے کمزور لوگ	ان لوگوں سے جو بڑے بنے

اِنَّا كُنَّا	لَكُمْ تَبَعًا	فَهَلْ اَنْتُمْ	مُّغْنُوْنَ عَنَّا	نَصِيْبًا	مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾
کہ ہم (تو) تھے	تمہارے تابع	تو کیا تم لوگ	بے نیاز کرنے والے ہو ہم کو	کسی حصے سے	آگ میں سے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا	اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ	اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ	بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾
کہیں گے وہ لوگ جو بڑے بنے	کہ ہم سب کے سب اس میں ہیں	بیشک اللہ فیصلہ کر چکا ہے	بندوں کے درمیان

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ	لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ	ادْعُوْا رَبَّكُمْ	يُخَفِّفْ عَنَّا
اور کہیں گے وہ لوگ جو آگ میں ہوں گے	جہنم کے داروغوں سے	تم لوگ پکارو اپنے رب کو	وہ ہلکا کر دے ہم سے

يَوْمًا	مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾	قَالُوْٓا	اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ	رُسُلُكُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ ؕ
کسی دن	اس عذاب میں سے	وہ کہیں گے	کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس	تمہارے رسول	واضح (نشانیوں) کے ساتھ

قَالُوْا بَلٰى	ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ	وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ	اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع
وہ کہیں گے کیوں نہیں	(داروغے) کہیں گے پھر تم لوگ پکارو	اور نہیں ہوتی کافروں کی پکار	مگر بھٹکنے میں

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	وَيَوْمَ يَقُوْمُ	الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ لا
بیشک ہم یقیناً مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی	اور ان کی جو ایمان لائے	اس دنیوی زندگی میں	اور جس دن کھڑے ہوں گے	گواہی دینے والے

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ	الظّٰلِمِيْنَ	مَعْذِرَتُهُمْ	وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ	وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
جس دن نفع نہیں دے گا	ظالموں کو	ان کا معذرت پیش کرنا	اور ان کے لیے لعنت ہے	اور ان کے لیے اُس (آخری) گھر کی برائی ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى	الْهُدٰى	وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ لا
اور بیشک ہم دے چکے موسیٰ ؑ کو	وہ ہدایت نامہ	اور ہم نے وارث بنایا بنی اسرائیل کو	اس کتاب کا

هُدًى وَّذِكْرٰى	لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾	فَاصْبِرْ	اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
ہدایت اور نصیحت ہوتے ہوئے	خالص عقل والوں کے لیے	پس آپ ؐ ثابت قدم رہیں	بیشک اللہ کا وعدہ پکا ہے

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ	وَسَبِّحْ	بِحَمْدِ رَبِّكَ	بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾
اور آپ ؐ مغفرت چاہیں اپنی (کمالِ صبر میں) کمی بیشی کی	اور آپ ؐ تسبیح کریں	اپنے رب کی حمد کے ساتھ	شام کو اور صبح کو

نوٹ: 1

آیت۔ 51۔ میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور مؤمنین کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مدد کرے گا۔ [illegible] ہے کہ یہ مدد مخالفین اور دشمنوں سے مقابلہ کے لیے ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق تو اس کا وقوع ظاہر ہے۔ مگر بعض انبیاء علیہم السلام جیسے یحییٰؑ اور زکریاؑ اور شعیبؑ وغیرہ کو قوم نے شہید کر دیا۔ بعض کو وطن چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کرنا پڑی۔ ان کے متعلق شبہ ہوسکتا ہے۔ ابن کثیرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نصرت سے مراد انتصار یعنی دشمنوں سے انتقام لینا ہے، خواہ ان کی موجودگی میں ان ہی کے ہاتھوں سے ہو یا ان کی وفات کے بعد۔ یہ معنی تمام انبیاء و مومنین پر بلا کسی استثناء کے صادق ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے انبیاء کو قتل کیا، وہ لوگ کیسے کیسے عذابوں میں گرفتار کر کے رسوا کیے گئے، اس سے تاریخ لبریز ہے۔ (معارف القرآن)۔

اس نصرت کے معنی لازماً یہی نہیں ہیں کہ ہر زمانے میں اللہ کے ہر نبی اور اس کے پیروؤں کو سیاسی غلبہ ہی حاصل ہو۔ اس غلبہ کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے ایک سیاسی غلبہ بھی ہے۔ جہاں اس نوعیت کا غلبہ اللہ کے نبیوں کو حاصل نہیں ہوا، وہاں بھی ان کا اخلاقی تفوق ثابت ہو کر رہا ہے۔ جن قوموں نے ان کی دی ہوئی ہدایت کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ آخر کار برباد ہو کر رہیں۔ جہالت اور گمراہی کے جو فلسفے بھی لوگوں نے گھڑے اور زندگی میں جو بھی غلط اطوار زبردستی رائج کیے گئے، وہ سب کچھ مدت تک زور دکھانے کے بعد آخر کار اپنی موت آپ مر گئے۔ مگر جن حقائق کو ہزار ہا برس سے اللہ کے نبی صداقت کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں وہ آج بھی اٹل ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص: ۳۱۳)

نوٹ: 2

آیت۔ 55 میں جس سیاق و سباق میں لِذَنۡۢبِكَ کا لفظ آیا ہے، اس پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام پر ذَنۡۢبٌ سے مراد صبر میں کمی کی وہ کیفیت ہے جو شدید مخالفت کے اس ماحول میں خاص طور سے اپنے ساتھیوں کی مظلومی دیکھ دیکھ کر، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیدا ہو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ کوئی معجزہ ایسا دکھا دیا جائے جس سے کفار قائل ہو جائیں اور مخالفت کا یہ طوفان ٹھنڈا ہو جائے۔ یہ خواہش بجائے خود کوئی گناہ نہ تھی جس پر کسی توبہ و استغفار کی حاجت ہوتی، لیکن جس مقامِ بلند پر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز فرمایا تھا اس کے لحاظ سے صبر میں یہ تھوڑی سی کمی بھی اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ سے فروتر نظر آئی، اس لیے ارشاد ہوا کہ اس کمزوری پر اپنے رب سے معافی مانگو اور چٹان کی طرح اپنے مؤقف پر ڈٹے رہو۔ (تفہیم القران)۔

یہاں ایک تدبیر بھی ارشاد ہوئی ہے اُس صبر و استقامت کے حصول کی جو اُس وعدے کے ظہور کے لیے لازمی شرط ہے جس کا ذکر آیت۔ 51۔ میں آیا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ اپنے رب سے استغفار اور اس کی حمد و تسبیح کرتے رہو۔ یہ بات اس کے محل میں واضح ہو چکی ہے کہ حصول استقامت کے لیے کامیابی کا وسیلہ استغفار اور نماز ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ اس طرح کے خطابات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شخصاً مخاطب نہیں ہوتے بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جو لوگ خطاب کی اس نوعیت اور اس کی بلاغت سے اچھی طرح آشنا نہیں ہوتے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ذَنۡۢبٌ کے لفظ کی نسبت سے وحشت ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (56 تا 60)

ترجمہ

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ	فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ	بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ	اَتٰىهُمۡ ۙ
بیشک جو لوگ کٹ حجتی کرتے ہیں	اللہ کی نشانیوں میں	کسی ایسی دلیل کے بغیر جو	پہنچی ان کے پاس

اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ	اِلَّا كِبْرٌ	مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ	فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ
نہیں ہے ان کے سینوں میں	مگر ایک بڑائی	نہیں ہیں وہ اس کو پہنچنے والے	تو آپ پناہ مانگیں اللہ کی

اِنَّهٗ	هُوَ السَّمِیْعُ	الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾	لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اَكْبَرُ
بیشک وہ	ہی سننے والا ہے	دیکھنے والا ہے	یقیناً زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنا	زیادہ بڑا ہے

مِنْ خَلْقِ النَّاسِ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾	وَمَا یَسْتَوِی
لوگوں کو پیدا کرنے سے	اور لیکن لوگوں کے اکثر	جانتے نہیں ہیں	اور برابر نہیں ہوتا

الْاَعْمٰی	وَالْبَصِیْرُ ۙ	وَالَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اندھا	اور بصارت والا	اور (نہ) وہ لوگ جو	ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے

وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ	قَلِیْلًا مَّا	تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾	اِنَّ السَّاعَةَ	لَاٰتِیَةٌ
اور نہ ہی بُرا کرنے والا	بہت ہی تھوڑی سی	تم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہو	بیشک وہ گھڑی (قیامت)	یقیناً آنے والی ہے

لَّا رَیْبَ فِیْهَا	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾	وَقَالَ رَبُّكُمُ
کوئی بھی شک نہیں ہے اس میں	اور لیکن لوگوں کی اکثریت	ایمان نہیں لاتی	اور کہا تم لوگوں کے رب نے

ادْعُوْنِیْٓ	اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ	اِنَّ الَّذِیْنَ	یَسْتَكْبِرُوْنَ
تم لوگ پکارو مجھ کو	میں جواب دوں گا تم لوگوں کو	یقیناً جو لوگ	بڑے بنتے ہیں

عَنْ عِبَادَتِیْ	سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ	دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ ع
میری عبادت سے	وہ لوگ داخل ہوں گے جہنم میں	حقیر ہونے والے ہوتے ہوئے

نوٹ: 1

آیت۔57 میں امکان آخرت کی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان عقل سے کام لے تو اس کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائنات بنائی ہے اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ اس سے آگے آیت۔58۔ میں وجوب آخرت کی دلیل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ آخرت ہونی چاہیے۔ اس کا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔ کوئی معقول آدمی اس بات کو کیسے مان سکتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اندھوں کی طرح جیتے ہیں اور اپنے بُرے اخلاق و اعمال سے زمین کو فساد سے بھر دیتے ہیں وہ کوئی بُرا انجام نہ دیکھیں اور جو لوگ دنیا میں آنکھیں کھول کر چلتے ہیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں وہ کوئی اچھا نتیجہ دیکھنے سے محروم رہ جائیں۔ یہ بات اگر صریحاً عقل اور انصاف کے خلاف ہے تو پھر انکارِ آخرت کا عقیدہ بھی عقل اور انصاف کے خلاف ہی ہونا چاہیے۔

پھر آگے آیت۔59۔ میں وقوع آخرت کا قطعی حکم لگا دیا گیا۔ کیونکہ عقلی استدلال سے جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ بس اسی قدر ہے

کہ آخرت ہوسکتی ہے اور اس کو ہونا چاہیے۔ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ آخرت یقیناً ہوگی اور ہو کر رہے گی، یہ صرف اس ہستی کے کہنے کی بات ہے جسے معلوم ہے کہ آخرت ہوگی اور وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قیاس و استدلال کے بجائے خالص علم پر کسی نظامِ حیات (یعنی دین) کی بنیاد اگر قائم ہوسکتی ہے تو وہ صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی سے ہوسکتی ہے۔ (تفہیم القران)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 60۔ کی روح کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ آدمی دعا صرف اس ہستی سے مانگتا ہے جس کو وہ سمیع و بصیر اور فوق الفطری اقتدار (Supernatural Powers) کا مالک سمجھتا ہے۔ دعا مانگنے کا محرک دراصل آدمی کا یہ اندرونی احساس ہوتا ہے کہ عالم اسباب کے تحت فطری ذرائع اور وسائل اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں اس لیے کسی فوق الفطری اقتدار کی مالک ہستی سے رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ اس ہستی کو آدمی بن دیکھے، ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حال میں پکارتا ہے، بآواز بلند بھی، چپکے چپکے بھی اور دل ہی دل میں بھی۔ یہ اس عقیدے کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ ہستی اس کو ہر جگہ ہر حال میں دیکھ رہی ہے۔ اس کے دل کی بات بھی سن رہی ہے اور اس کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ اسے پکارنے والا جہاں بھی ہو وہ اس کی مدد کو پہنچ سکتی ہے۔ دعا کی اس حقیقت کو جان لینے کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی اور ہستی کو مدد کے لیے پکارتا ہے وہ درحقیقت قطعی اور خالص شرک کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ وہ اس ہستی کے اندر ان صفات کا اعتقاد رکھتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی صفات ہیں۔

دوسری بات یہ ذہن نشین کریں کہ پہلے فقرے میں جس چیز کو دعا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو دوسرے فقرے میں عبادت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا عین عبادت ہے۔ پھر دعا نہ مانگنے والوں کے لیے فرمایا کہ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا سے منہ موڑنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی تکبر میں مبتلاء ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر وہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے جو بہت سے ذہنوں میں اکثر الجھن پیدا کرتا ہے۔ کچھ لوگ دعا کے معاملے میں اس طرح سوچتے ہیں کہ جب تقدیر کی برائی اور بھلائی اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی حکمت و مصلحت سے جو فیصلہ کر چکا وہی ہونا ہے تو پھر ہمارے دعا مانگنے کا حاصل کیا ہے۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے اور اس باطل خیال میں مبتلا رہتے ہوئے اگر آدمی دعا مانگے بھی تو اس کی دعا میں کوئی روح باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس غلط فہمی کو دو طریقوں سے رفع کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں فرما رہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضا اور تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیے ہوں۔ بندے تو بلاشبہ اللہ کے فیصلوں کو ٹالنے یا بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اللہ تعالیٰ خود یہ طاقت ضرور رکھتا ہے کہ کسی بندے کی دعائیں سن کر وہ اپنا فیصلہ بدل دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دعا خواہ قبول ہو یا نہ ہو، بہر حال ایک بہت بڑے فائدے سے وہ کسی صورت میں بھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دعا بجائے خود عبادت ہے جس کے اجر سے بندہ کسی حال میں بھی محروم نہ رہے گا، قطع نظر اس سے کہ وہ چیز اس کو عطا کی جائے یا نہ کی جائے جس کے لیے اس نے دعا کی تھی۔

نبی ﷺ کے ارشادات میں ہمیں ان مضامین کی وضاحت مل جاتی ہے۔ (یہاں ہم صرف چند احادیث نقل کر رہے ہیں۔ مرتب) حضور ﷺ نے فرمایا قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دعا یعنی اللہ کے فیصلے کو بدل دینے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ مگر اللہ خود اپنا فیصلہ بدل سکتا ہے جب بندہ اس سے دعا مانگے۔

۲۔ ایک مسلمان جب بھی کوئی دعا مانگتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں قبول فرماتا ہے۔ یا تو اس کی وہ دعا اسی دنیا میں قبول کر لی جاتی ہے یا اسے آخرت میں اجر دینے کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے یا اسی درجہ کی کسی آفت کو اس پر آنے سے روک دیا جاتا ہے۔

۳۔ دعا بہر حال نافع ہے ان بلاؤں کے معاملہ میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں اور ان کے معاملہ میں بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ پس اے بندگانِ خدا تم ضرور دعا مانگا کرو۔

۴۔ تم میں سے ہر شخص کو اپنی ہر حاجت خدا سے مانگنی چاہیے۔ حتیٰ کہ اس کی جوتی کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے تو خدا سے دعا کرے۔ اس لیے کہ کسی بھی معاملہ میں ہماری کوئی تدبیر خدا کی توفیق و تائید کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تدبیر کے ساتھ دعا بھی ضروری ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج ۴، ص 418 تا 422 سے ماخوذ)

آیت نمبر (61 تا 68)

ترجمہ

اَللّٰهُ الَّذِیْ	جَعَلَ لَكُمُ	الَّیْلَ	لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ	وَالنَّهَارَ	مُبْصِرًا ؕ
اللہ وہ ہے جس نے	بنایا تمہارے لیے	رات کو	تا کہ تم لوگ سکون حاصل کرو اس میں	اور (بنایا) دن کو	بینا کرنے والا

اِنَّ اللّٰهَ	لَذُوْ فَضْلٍ	عَلَى النَّاسِ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
بیشک اللہ	یقیناً (بڑے) فضل والا ہے	لوگوں پر	اور لیکن لوگوں کی اکثریت	شکر نہیں کرتی	یہ اللہ

رَبُّكُمْ	خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫	لَاۤ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ ۚ	فَاَنّٰى	تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
تم لوگوں کا پرورش کرنے والا ہے	جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے	کوئی الٰہ نہیں ہے	مگر وہ	تو کہاں سے	تم لوگ پھیر دیئے جاتے ہو

كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ	الَّذِیْنَ	كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾	اَللّٰهُ الَّذِیْ
اس طرح پھیر دیا جاتا ہے	ان لوگوں کو جو	اللہ کی نشانیوں کا جانتے بوجھتے انکار کیا کرتے تھے	اللہ وہ ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ	الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ	السَّمَآءَ بِنَآءً	وَّ صَوَّرَكُمْ	فَاَحْسَنَ
بنایا تمہارے لیے	زمین کو قرار	اور آسمان کو بلندی	اور اس نے شکل دی تم لوگوں کو	پھر اس نے حسن دیا

صُوَرَكُمْ	وَ رَزَقَكُمْ	مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	رَبُّكُمْ ۚ
تمہاری صورتوں کو	اور اس نے روزی دی تمہیں	پاکیزہ (چیزوں) میں سے	یہ اللہ	تمہارا پروردگار ہے

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ	رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾	هُوَ الْحَیُّ	لَاۤ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ
تو بابرکت ہوا اللہ	جو تمام جہانوں کا رب ہے	وہ ہی (حقیقتاً) زندہ ہے	کوئی اِلٰہ نہیں ہے	مگر وہ

فَادْعُوْهُ	مُخْلِصِيْنَ	لَهُ الدِّيْنَ ؕ	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾
تو تم لوگ پکارو اس کو	خالص کرنے والے ہوتے ہوئے	اس کے لیے دین کو	تمام شکر و سپاس اللہ کے لیے ہے	جو تمام جہانوں کا رب ہے

قُلْ	اِنِّیْ نُهِیْتُ	اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ	تَدْعُوْنَ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	لَمَّا
آپ کہہ دیجیے	کہ مجھ کو منع کیا گیا	کہ میں بندگی کروں ان کی جن کو	تم لوگ پکارتے ہو	اللہ کے علاوہ	جب (کہ)

جَآءَنِیَ	الْبَیِّنٰتُ	مِنْ رَّبِّیْ ۫	وَاُمِرْتُ	اَنْ اُسْلِمَ	لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾
آئیں میرے پاس	واضح (نشانیاں)	میرے رب سے	اور مجھ کو حکم دیا گیا	کہ میں تابعداری کروں	تمام جہانوں کے رب کی

هُوَ الَّذِیْ	خَلَقَكُمْ	مِّنْ تُرَابٍ	ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ	ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
وہ، وہ ہے جس نے	پیدا کیا تم لوگوں کو	ایک مٹی سے	پھر ایک بوند سے	پھر ایک لوتھڑے سے

ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ	طِفْلًا	ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا	اَشُدَّكُمْ	ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا
پھر وہ نکالتا ہے تم کو	ایک بچے (کی صورت دیتے ہوئے)	تا کہ پھر تم لوگ پہنچو	اپنی پختگی کو	تا کہ پھر تم لوگ ہو جاؤ

شُیُوْخًا ۚ	وَمِنْكُمْ مَّنْ	یُّتَوَفّٰی	مِنْ قَبْلُ	وَلِتَبْلُغُوْٓا	اَجَلًا مُّسَمًّی
بوڑھے	اور تم میں وہ بھی ہے جس کو	وفات دی جاتی ہے	اس سے پہلے	اور تا کہ تم لوگ پہنچو	ایک معین مدت کو

وَّ لَعَلَّكُمْ	تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾	هُوَ الَّذِیْ	یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ	فَاِذَا قَضٰٓی
اور شاید کہ تم لوگ	عقل استعمال کرو	وہ، وہ ہے جو	زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے	تو جب بھی وہ فیصلہ کرتا ہے

اَمْرًا	فَاِنَّمَا	یَقُوْلُ لَهٗ	كُنْ	فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع
کسی کام کا	تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	وہ کہتا ہے اس سے	تو ہو جا	تو وہ ہو جاتا ہے

نوٹ: 1

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہے جن کے لیے کٹر سے کٹر مشرک بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ان کے دیوی دیوتا یا بزرگ و اولیاء میں سے کوئی یہ کام کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کا منطقی تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے صرف اسی کو پکارا جائے اور صرف اسی سے مانگا جائے۔ اس حقیقت کو مانتے ہوئے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو وہی پکارے گا جس کی عقل الٹی پھیر دی گئی ہو۔ (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماخوذ)

آیت نمبر (69 تا 78)

س ل س ل

(رباعی)

سَلْسَلَةً ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنا۔

سِلْسِلَةٌ ج سَلَاسِلُ۔ زنجیر۔ ﴿ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ (69/الحاقۃ:32) ''ایک ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر بازو ہیں۔'' اور زیر مطالعہ آیت۔ 71

س ج ر

(ن) سَجَرًا تنور میں ایندھن ڈال کے اسے گرم کرنا۔ (۱) ڈالنا۔ جھونکنا۔ (۲) بھڑکانا۔ جوش دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔72۔

مَسْجُوْر اسم المفعول ہے۔ جوش دیا ہوا۔ ﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴾ (52/الطور:6) ''قسم ہے جوش دیئے ہوئے سمندر کی۔''

(تفعیل) تَسْجِيْرًا خوب بھڑکانا۔ خوب جوش دینا۔ ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۙ﴾ (81/التکویر:6) ''اور جب سمندروں کو خوب جوش دیا جائے گا۔''

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ	اِلَى الَّذِيْنَ	يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ	اَنّٰى
کیا آپؐ نے غور نہیں کیا	ان کی طرف جو	مناظرہ کرتے ہیں	اللہ کی آیات میں	(کہ) کہاں سے

يُصْرَفُوْنَ ۙ﴿۶۹﴾	الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	بِالْكِتٰبِ	وَبِمَآ	اَرْسَلْنَا بِهٖ
وہ لوگ ہٹائے جاتے ہیں	جنہوں نے جھٹلایا	اس کتاب کو	اور اس کو	ہم نے بھیجا جس کے ساتھ

رُسُلَنَا ۙ	فَسَوْفَ	يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾	اِذِ الْاَغْلٰلُ	فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ
اپنے رسولوں کو	تو عنقریب	وہ لوگ جان لیں گے	جب طوق	ان کی گردنوں میں ہوں گے

وَالسَّلٰسِلُ ؕ	يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾	فِي الْحَمِيْمِ ۙ	ثُمَّ فِي النَّارِ	يُسْجَرُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾
اور زنجیریں	وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے	گرم (پانی) میں	پھر آگ میں	جھونکے جائیں گے

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ	اَيْنَ	مَا	كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۷۳﴾	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
پھر کہا جائے گا ان سے	کہاں ہے	وہ جس کو	تم لوگ شریک کیا کرتے تھے	اللہ کے سوا

قَالُوْا	ضَلُّوْا	عَنَّا	بَلْ لَّمْ نَكُنْ	نَّدْعُوْا	مِنْ قَبْلُ	شَيْـًٔا ؕ
وہ لوگ کہیں گے	وہ سب بھٹک گئے (گم ہو گئے)	ہم سے	بلکہ ہم تھے ہی نہیں	(کہ) ہم پکارتے تھے	اس سے پہلے	کسی چیز کو

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ	الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷۴﴾	ذٰلِكُمْ	بِمَا	كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ
اسی طرح بھٹکا دیتا ہے اللہ	کافروں کو	یہ	اس سبب سے ہے جو	تم لوگ شاداں پھرا کرتے تھے

فِي الْاَرْضِ	بِغَيْرِ الْحَقِّ	وَبِمَا	كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۚ﴿۷۵﴾	اُدْخُلُوْٓا
زمین میں	حق کے بغیر	اور اس سبب سے ہے جو	تم لوگ اٹھلایا کرتے تھے	تم سب داخل ہو

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ	فَبِئْسَ	مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾	فَاصْبِرْ
جہنم کے دروازوں میں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	تو کیا ہی بُری ہے	بڑا بننے والوں کی قیام گاہ	تو آپؐ ڈٹے رہیں

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	حَقٌّ ۚ	فَاِمَّا	نُرِيَنَّكَ	بَعْضَ الَّذِيْ	نَعِدُهُمْ
یقیناً اللہ کا وعدہ	بڑا سچا ہے	پھر اگر	ہم دکھا ہی دیں آپ کو	اس کا کچھ جس سے	ہم ڈراتے ہیں ان کو

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	فَاِلَيْنَا	يُرْجَعُوْنَ ۝	وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا	رُسُلًا
یا ہم وفات ہی دیں آپ کو	تو ہماری طرف ہی	یہ سب لوٹائے جائیں گے	اور بیشک ہم بھیج چکے	کچھ رسول

مِّنْ قَبْلِكَ	مِنْهُمْ مَّنْ	قَصَصْنَا عَلَيْكَ	وَمِنْهُمْ مَّنْ	لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ
آپ ؐ سے پہلے	ان میں وہ بھی ہیں جن کو	ہم نے بیان آپ ؐ پر	اور ان میں وہ بھی ہیں جن کو	ہم نے نہیں بیان کیا آپ ؐ پر

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ	اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ	اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ	فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
اور نہیں تھا کسی رسول کے لیے	کہ وہ لائے کوئی نشانی (معجزہ)	مگر اللہ کی اجازت سے	پھر جب آئے گا اللہ کا حکم

قُضِيَ بِالْحَقِّ	وَخَسِرَ	هُنَالِكَ	الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ع
تو فیصلہ کیا جائے گا حق کے ساتھ	اور گھاٹے میں رہیں گے	وہاں	باطل کرنے والے

نوٹ: 1

آیت۔75 میں تَفْرَحُوْن کے معنیٰ ہیں خوش ہونا۔مسرور ہونا۔جبکہ تَمْرَحُوْنَ کے معنیٰ ہیں اترانا۔فخر وغرور میں مبتلا ہونا۔مرح تو مطلقاً حرام ہے اور فرح میں یہ تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر گناہوں پر خوش ہونا، یہ تو ناجائز ہے۔اور فَرِحَ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا، یہ جائز بلکہ مستحب ہے۔اس آیت میں مَرِحَ کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی گئی کیونکہ یہ مطلقاً سبب عذاب ہے جبکہ فَرِحَ کے ساتھ بغیر الحق کی قید لگا کر بتا دیا کہ ناحق اور ناجائز لذتوں پر خوش ہونا حرام ہے اور حق و جائز نعمتوں پر بطور شکر کے خوش ہونا عبادت اور ثواب ہے۔(معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔77۔میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ ان کی حرکتوں پر صبر کرو۔جس عذاب کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے، اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ لازماً ظاہر میں آکر رہے گا، یا تو تمہاری زندگی میں ہی اس کا کچھ حصہ ظہور میں آئے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو بالآخر انہیں ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے تو ہم آخرت میں ان کو اس کا مزا چکھائیں گے۔(تدبر قرآن)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ اس کے منتظر تھے کہ کافروں کو عذاب ملے۔کافروں کے عذاب کا انتظار شانِ رحمۃ للعالمین کے منافی ہے۔لیکن جب مجرموں کو سزا دینے سے مقصد مظلوموں کو تسلی دینا ہو تو مجرموں کو سزا دینا شفقت و رحمت کے منافی نہیں ہے۔(معارف القرآن)۔

آیت نمبر (79 تا 85)

ترجمہ

اَللّٰهُ الَّذِيْ	جَعَلَ لَكُمُ	الْاَنْعَامَ	لِتَرْكَبُوْا	مِنْهَا
اللہ وہ ہے جس نے	بنائے تمہارے لیے	چوپائے	تاکہ تم لوگ سواری کرو	ان میں سے (بعض پر)

وَمِنْهَا	تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾	وَلَكُمْ فِيْهَا	مَنَافِعُ	وَلِتَبْلُغُوْا
اوران (ہی) میں سے	تم لوگ کھاتے ہو	اورتمہارے لیے ان میں	کچھ فائدے ہیں	اور تا کہ تم لوگ پہنچو

عَلَيْهَا	حَاجَةً	فِيْ صُدُوْرِكُمْ	وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ
ان پر (سوار ہوکر)	کسی ایسی ضرورت کو جو	تمہارے سینوں میں ہے	اوران پر اور کشتیوں پر

تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾	وَيُرِيْكُمْ	اٰيٰتِهٖ ۚ	فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ	تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾
تم لوگ سوار کیے جاتے ہو	اور وہ دکھاتا ہے تم لوگوں کو	اپنی نشانیاں	تو اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا	تم لوگ انکار کروگے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا	فِي الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ كَانَ	عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
تو کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں	زمین میں	نتیجتاً وہ دیکھتے	کیسا تھا	ان لوگوں کا انجام جو	ان سے پہلے تھے

كَانُوْٓا	اَكْثَرَ	مِنْهُمْ	وَاَشَدَّ	قُوَّةً	وَّاٰثَارًا	فِي الْاَرْضِ
وہ لوگ تھے	تعداد میں زیادہ	ان لوگوں سے	اور زیادہ سخت	بلحاظ قوت کے	اور بلحاظ نشانات (چھوڑنے کے)	زمین میں

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾	فَلَمَّا	جَآءَتْهُمْ
تو کام نہ آئی ان کے	وہ جو	وہ لوگ کمائی کرتے تھے	پھر جب	آئے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ	بِالْبَيِّنٰتِ	فَرِحُوْا	بِمَا	عِنْدَهُمْ	مِّنَ الْعِلْمِ	وَحَاقَ	بِهِمْ
ان کے رسول	واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو وہ لوگ شاداں رہے	اس کے ساتھ جو	ان کے پاس تھا	علم میں سے	اور گھیر لیا	ان کو

مَّا	كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾	فَلَمَّا رَاَوْا	بَاْسَنَا	قَالُوْٓا
اس نے	یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے جس کا	پھر جب انہوں نے دیکھا	ہماری سختی کو	تو انہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	وَحْدَهٗ	وَكَفَرْنَا بِمَا	كُنَّا بِهٖ	مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾	فَلَمْ يَكُ
ہم ایمان لائے اللہ پر	اس کے واحد ہوتے ہوئے	اور ہم نے انکار کیا اس کا	ہم تھے جسے	شریک کرنے والے	پھر ہوا ہی نہیں (کہ)

يَنْفَعُهُمْ	اِيْمَانُهُمْ	لَمَّا رَاَوْا	بَاْسَنَا ؕ	سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ
فائدہ دے ان کو	ان کا ایمان	جب انہوں نے دیکھا	ہماری سختی کو	(آپؐ پائیں گے) اللہ کی اس سنت کو جو

قَدْ خَلَتْ	فِيْ عِبَادِهٖ ۚ	وَخَسِرَ	هُنَالِكَ	الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع
گزری ہے	اس کے بندوں میں	اور گھاٹے میں رہے	وہاں	کافر لوگ

نوٹ: 1 آیت۔83۔ میں کافروں کا اپنے علم پر خوش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے فلسفے اور سائنس، اپنے قانون، اپنے دنیوی علوم اور اپنے پیشواؤں کے گھڑے ہوئے مذہبی افسانوں (Mythology) وغیرہ کو ہی انہوں نے اصل سمجھا اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علم کو ہیچ کر اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ (تفہیم القرآن)۔

ان کے علم سے مراد دنیا کی تجارت صنعت وغیرہ کا علم ہے جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے اور قرآن کریم نے ان کے اس علم کا ذکر سورۂ روم کی آیت۔ 7۔ میں اس طرح کیا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس سے منافع حاصل کرنے کو تو کچھ جانتے سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں کی راحت وکلفت دائمی ہے، اس سے بالکل جاہل وغافل ہیں۔ اس آیت میں بھی علم ظاہر دنیا کا مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر ہیں اس لیے اپنے اسی ظاہری ہنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (معارف القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ حٰمٓ السجدۃ (41)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترجمہ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾	تَنۡزِیۡلٌ	مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۚ﴿۲﴾	کِتٰبٌ	فُصِّلَتۡ
۔	(یہ تدریجاً) اتارنا ہے	رحمان رحیم (کی طرف) سے	(یہ) ایک ایسی کتاب ہے	کھول کھول کر بتائی گئیں

اٰیٰتُہٗ	قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا	لِّقَوۡمٍ	یَّعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾	بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ
جس کی آیتیں	عربی قرآن ہوتے ہوئے	ایسے لوگوں کے لیے جو	علم رکھتے ہیں	بشارت دینے والی اور خبردار کرنے والی ہوتے ہوئے

فَاَعۡرَضَ	اَکۡثَرُہُمۡ	فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾	وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا	فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ
پھر اعراض کیا	ان کے اکثر نے	نتیجتاً وہ لوگ سنتے نہیں ہیں	اور انہوں نے کہا ہمارے دل	غلافوں میں ہیں

مِّمَّا	تَدۡعُوۡنَاۤ	اِلَیۡہِ	وَفِیۡۤ اٰذَانِنَا	وَقۡرٌ	وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ
اس سے	آپؐ بلاتے ہیں ہم کو	جس کی طرف	اور ہمارے کانوں میں	کچھ گرانی ہے	اور ہمارے درمیان اور آپؐ کے درمیان

حِجَابٌ	فَاعۡمَلۡ	اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۵﴾	قُلۡ اِنَّمَاۤ	اَنَا بَشَرٌ
ایک حجاب ہے	تو آپ عمل کریں	بیشک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں	آپؐ کہیے کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	میں ایک بشر ہوں

مِّثۡلُکُمۡ	یُوۡحٰۤی اِلَیَّ	اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ	اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ	فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا
تم لوگوں کے جیسا	(ہاں) وحی کی جاتی ہے میری طرف	کہ تم لوگوں کا اِلٰہ تو بس	ایک ہی اِلٰہ ہے	تو تم لوگ سیدھے رہو

اِلَیۡہِ	وَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ	وَوَیۡلٌ	لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾	الَّذِیۡنَ	لَا یُؤۡتُوۡنَ
اس کی طرف	اور مغفرت طلب کرو اس سے	اور تباہی ہے	شرک کرنے والوں کے لیے	(یہ) وہ لوگ ہیں جو	نہیں پہنچاتے

الزَّكٰوةَ	وَهُمْ	بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
زکوٰۃ	اور یہ لوگ	آخرت کا ہی انکار کرنے والے ہیں	بیشک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ اَجْرٌ	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ ع
اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	ان کے لیے اجر ہے	نہ منقطع ہونے والا

نوٹ: 1

کفار نے جو اپنے دلوں پر پردے، کانوں میں بوجھ وغیرہ کا اقرار کیا، اس سے ظاہر ہے یہ تو مراد نہ تھا کہ ان میں عقل نہیں یا بہرے ہیں، بلکہ یہ ایک قسم کا استہزاء و تمسخر تھا۔ مگر اس استہزاء کا جو جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کیا گیا وہ یہ تھا کہ ان کے مقابلہ میں کوئی تشدد کی بات نہ کریں بلکہ اپنی تواضع کا اظہار کریں کہ میں خدا نہیں کہ ہر کام کا مالک و مختار ہوں بلکہ تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اس کا ہے کہ مجھے میرے رب نے وحی بھیج کر ہدایت کی اور میں بھی تمہیں یہی وصیت کرتا ہوں کہ اپنا رخ عبادت و طاعت میں صرف ایک اللہ کی طرف کرلو اور پچھلے گناہوں سے توبہ کرلو۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (9 تا 14)

د	خ	ن

(س) دَخَنًا آگ کا دھواں اٹھانا۔

دُخَانٌ اسم ذات ہے۔ دھواں۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11۔

ترجمہ

قُلْ اَئِنَّكُمْ	لَتَكْفُرُوْنَ	بِالَّذِيْ	خَلَقَ الْاَرْضَ	فِيْ يَوْمَيْنِ
آپؐ کہیے کیا واقعی تم لوگ	قطعی ناشکری کرتے ہو	اُس (ہستی) کی جس نے	پیدا کیا زمین کو	دو دنوں میں

وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ	اَنْدَادًا ؕ	ذٰلِكَ	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ ج	وَجَعَلَ فِيْهَا
اور بناتے ہو اس کے لیے	کچھ ہم پلہ	وہ	تمام جہانوں کا رب ہے	اور اس نے بنائے اس میں

رَوَاسِيَ	مِنْ فَوْقِهَا	وَبٰرَكَ فِيْهَا	وَقَدَّرَ فِيْهَآ	اَقْوَاتَهَا	فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ
کچھ پہاڑ	اس کے اوپر سے	اور اس نے برکت دی اس میں	اور اس نے مقدر کیں اس میں	اس کی روزیاں	چار دنوں میں

سَوَآءً	لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰	ثُمَّ اسْتَوٰٓى	اِلَى السَّمَآءِ	وَهِيَ	دُخَانٌ
برابر (ضرورت کے مطابق) ہوتے ہوئے	مانگنے والوں کے لیے	پھر وہ متوجہ ہوا	آسمان کی طرف	اس حال میں کہ وہ	دھواں تھا

فَقَالَ لَهَا	وَلِلْاَرْضِ	ائْتِيَا	طَوْعًا	اَوْ كَرْهًا ؕ
تو اس نے کہا اس (آسمان) سے	اور زمین سے	تم دونوں آؤ	فرمانبردار ہوتے ہوئے	یا ناپسند کرتے ہوئے

قَالَتَآ	اَتَيْنَا	طَآئِعِيْنَ ۝۱۱	فَقَضٰىهُنَّ	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
ان دونوں نے کہا	ہم دونوں آ گئے	فرمانبردار ہونے والے ہوتے ہوئے	تو اس نے بنایا ان کو	سات آسمان

فِيْ يَوْمَيْنِ	وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ	اَمْرَهَا ؕ	وَزَيَّنَّا
دنوں میں	اور اس نے وحی کیا ہر آسمان میں	اس کا حکم	اور ہم نے زینت دی

السَّمَآءَ الدُّنْيَا	بِمَصَابِيْحَ ۖ	وَحِفْظًا ؕ	ذٰلِكَ	تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾
دنیوی آسمان کو	چراغوں سے	اور محفوظ کیا ہوا	یہ	علیم بالادست (ہستی) کا طے شدہ امر ہے

فَاِنْ اَعْرَضُوْا	فَقُلْ	اَنْذَرْتُكُمْ	صٰعِقَةً	مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾
پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں	تو آپ کہہ دیں	میں نے خبردار کر دیا تمہیں	ایک کڑک (عذاب) سے	ثمود اور عاد کے عذاب جیسے سے

اِذْ جَآءَتْهُمُ	الرُّسُلُ	مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ	وَمِنْ خَلْفِهِمْ
جب آئے ان کے پاس	رسول	ان کے آگے سے	اور ان کے پیچھے سے

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا اللّٰهَ ؕ	قَالُوْا	لَوْ شَآءَ رَبُّنَا	لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
کہ تم لوگ بندگی مت کرو	مگر اللہ کی	انہوں نے کہا	اگر چاہتا ہمارا رب	تو وہ ضرور اتارتا کچھ فرشتے

فَاِنَّا بِمَآ	اُرْسِلْتُمْ بِهٖ	كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
تو بیشک ہم اس چیز سے	تم لوگ بھیجے گئے جس کے ساتھ	انکار کرنے والے ہیں

نوٹ: 1

آیت۔10۔ میں فرمایا کہ زمین میں برکتیں رکھیں۔ یہ اسی برکت کا کرشمہ ہے کہ یہ ہر قسم کی نباتات اگاتی ہے جن کے پھل اور پھول انسان اور دوسری مخلوقات کے کام آتے ہیں۔ یہ اسی کا فیض ہے کہ ایک دانہ انسان بوتا ہے اور زمین سینکڑوں دانوں کی شکل میں اس کا حاصل اس کو واپس کرتی ہے۔ ایک گٹھلی یا ایک قلم آدمی زمین میں لگاتا ہے اور ایک مدتِ دراز تک اس کا پھل وہ اور اس کی اولادیں کھاتی رہتی ہیں۔ یہ اسی برکت کا ثمرہ ہے کہ انسان اپنی سائنس کے ذریعے سے اس کے جتنے پرت الٹتا جاتا ہے اتنے ہی اس کے اندر سے خزانے پر خزانے نکلتے آ رہے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

اسی آیت۔10۔ میں آگے فرمایا ''یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔'' اس مقام کی تفسیر میں مفسرین کو یہ زحمت پیش آئی ہے۔ کہ اگر زمین کی تخلیق کے دو دن اور اس میں پہاڑ جمانے، برکتیں رکھنے اور سامان خوارک پیدا کرنے کے چار دن تسلیم کیے جائیں تو آگے آسمانوں کی پیدائش دو دنوں میں ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اسے ملا کر آٹھ دن بن جاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اسی بنا پر قریب قریب تمام مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ چار دن زمین کی تخلیق کے دو دن سمیت ہیں یعنی دو دن تخلیق زمین کے اور دو دن زمین کے اندر باقی چیزوں کی پیدائش کے ہیں۔ اس طرح جملہ چار دنوں میں زمین اپنے سروسامان سمیت مکمل ہو گئی۔ لیکن یہ بات قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کے خلاف ہے۔ زمین کی تخلیق کے دو دن دراصل ان دو دنوں سے الگ نہیں ہیں جن میں بحیثیت مجموعی پوری کائنات بنی ہے۔ آگے کی آیات میں زمین اور آسمان، دونوں کی تخلیق کا یکجا ذکر کیا گیا ہے اور پھر بتایا گیا ہے کہ اللہ نے دو دنوں میں سات آسمان بنا دیئے۔ ان سات آسمانوں سے پوری کائنات مراد ہے جن کا ایک جز ہماری یہ زمین بھی ہے۔ پھر جب کائنات کے دوسرے بے شمار ستاروں اور سیاروں کی طرح یہ زمین بھی ان دنوں میں مجرد ایک کرے کی شکل اختیار کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذی حیات مخلوقات کے لیے تیار

کرنا شروع کیا اور چاردنوں میں وہ سروسامان پیدا کر دیا جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے ستاروں اور سیاروں میں ان چار دنوں کے اندر کیا کچھ ترقیاتی کام کیے گئے، ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کیونکہ نزول قرآن کے دور کا انسان تو درکنار، اس زمانے کا آدمی بھی ان معلومات کو ہضم کرنے کی استعداد نہیں رکھتا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر، مختصر و مفصل، قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا، یہ غالباً صرف تین آیتوں میں آیا ہے۔ ایک حم سجدہ کی یہ آیات، دوسری سورہ بقرہ کی آیت۔ 29۔ اور تیسری سورہ نازعات کی آیات۔ 27۔ 33۔ سورہ بقرہ اور حم سجدہ کی آیات سے زمین کی تخلیق کا آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور سورۂ نازعات کی آیات سے زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے فرمایا سب آیات پر غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دھویں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کیے گئے پھر آسمان کے سیال مادۂ خانیہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے سب آیتیں اس تقدیر پر منطبق ہو جاویں گی۔ (بیان القرآن سورہ بقرہ۔ رکوع۔ ۳۔ منقول از معارف قرآن)۔

آیت نمبر (15 تا 18)

ن	ح	س

(ف)

نَحَسًا (۱) افقِ آسمان کا سرخ ہو کر دھوئیں کی طرح ہو جانا۔ (اسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا تھا)۔
(۲) نامبارک ہونا۔ منحوس ہونا۔

نَحْسٌ اسم ذات ہے۔ منحوسیت۔ نحوست۔ ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ (54/القمر:19) ''بیشک ہم نے بھیجا ان پر ایک تیز ہوا ایک دائمی نحوست کے دن میں۔''

نُحَاسٌ اسم ذات ہے۔ چنگاری۔ دھواں۔ ﴿ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ ﴾ (55/الرحمٰن:35) ''چھوڑے جائیں گے تم دونوں پر شعلے آگ میں سے اور دھوئیں والے۔''

نَحِسٌ صفت ہے۔ نامبارک۔ منحوس۔ زیر مطالعہ آیت۔ 16

ترجمہ

فَاَمَّا عَادٌ	فَاسْتَكْبَرُوْا	فِي الْاَرْضِ	بِغَيْرِ الْحَقِّ	وَقَالُوْا
پس وہ جو عاد تھے	تو وہ بڑے بنے	زمین میں	حق کے بغیر	اور انہوں نے کہا

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا	قُوَّةً ؕ	اَوَ لَمْ يَرَوْا	اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ	خَلَقَهُمْ
کون زیادہ سخت ہے ہم سے	بلحاظ قوت کے	اور کیا انہوں نے غور ہی نہیں کیا	کہ وہ اللہ جس نے	پیدا کیا ان کو

هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ	قُوَّةً ؕ	وَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾	فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ
وہ زیادہ سخت ہے ان سے	بلحاظ قوت کے	اور وہ ہماری نشانیوں کا جانتے بوجھتے انکار کرتے تھے	تو ہم نے بھیجا ان پر

رِيۡحًا صَرۡصَرًا	فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ	لِّنُذِيۡقَهُمۡ	عَذَابَ الۡخِزۡىِ
ایک تند و تیز ہوا کو	منحوس دنوں میں	تاکہ ہم چکھائیں ان کو	رسوائی کا عذاب

فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ	وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ	اَخۡزٰى	وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾
دنیوی زندگی میں	اور یقیناً آخرت کا عذاب	سب سے زیادہ رسوا کن ہے	اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی

وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ	فَهَدَيۡنٰهُمۡ	فَاسۡتَحَبُّوا	الۡعَمٰى	عَلَى الۡهُدٰى
اور وہ جو ثمود تھے	تو ہم نے راہ سجھائی ان کو	پھر انہوں نے پسند کیا	اندھا ہونے کو	ہدایت پر

فَاَخَذَتۡهُمۡ	صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ	بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ۚ
تو پکڑا ان کو	ذلت والے عذاب کی کڑک نے	بسبب اس کے جو وہ لوگ کمائی کرتے تھے

وَنَجَّيۡنَا	الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا	وَ كَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾ ع
اور ہم نے رہائی دی	ان لوگوں کو جو ایمان لائے	اور وہ جو تقویٰ اختیار کرتے تھے

نوٹ:1 یہاں اسلوب بیان سے واضح ہے کہ عاد اور ثمود کا ذکر محض بطور مثال ہوا ہے۔ مقصود ان تمام قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جو رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ ان قوموں پر جو عذاب آیا وہ شمال کی بادِ تند، ژالہ باری اور ہولناک رعد و برق کا مجموعہ تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کی تعبیر مختلف الفاظ سے ہوئی ہے۔ یہاں کسی ایک نمایاں وصف کا ذکر کر کے مقصود اس کے تمام لوازم کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 اصول اسلام اور احادیث سے ثابت ہے کہ کوئی دن یا رات اپنی ذات میں منحوس نہیں ہوتا۔ قوم عاد پر طوفانِ باد کے ایام کو نحسات فرمانے کا حال یہ ہے کہ یہ دن ان کی بداعمالیوں کے سبب سے ان کے حق میں منحوس ہو گئے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دن سب کے لیے منحوس ہوں (معارف القرآن)۔ اس لیے اس آیت سے دنوں کے نحس ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (19 تا 25)

ق	ی	ض

(ض) قَيۡضًا ایک چیز کو دوسری کے بدلے میں لینا۔

(تفعیل) تَقۡيِيۡضًا غالب و مستولی کرنا۔ مسلط کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔25۔

ترجمہ

وَيَوْمَ يُحْشَرُ	اَعْدَآءُ اللّٰهِ	اِلَى النَّارِ	فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾
اور جس دن اکٹھا کیے جائیں گے	اللہ کے دشمن	آگ کی طرف	پھر ان کی صفت بندی کی جائے گی

حَتّٰٓى اِذَا مَا	جَآءُوْهَا	شَهِدَ عَلَيْهِمْ	سَمْعُهُمْ	وَاَبْصَارُهُمْ
یہاں تک کہ جب	وہ سب آئیں گے اس (آگ) کے پاس	تو گواہی دیں گی ان کے خلاف	ان کی سماعت	اور ان کی بصارت

وَجُلُوْدُهُمْ	بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾	وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ	لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ
اور ان کی کھالیں	بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے	اور وہ سب کہیں گے اپنی کھالوں سے	کیوں گواہی دی تم نے ہمارے خلاف

قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا	اللّٰهُ الَّذِيْٓ	اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ	وَّهُوَ	خَلَقَكُمْ
وہ کہیں گی ہمیں گویائی دی	اس اللہ نے جس نے	گویائی دی ہر چیز کو	اور وہ ہی ہے	جس نے پیدا کیا تم کو

اَوَّلَ مَرَّةٍ	وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾	وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ	اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ
پہلی مرتبہ	اور اس کی طرف ہی تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	اور تم لوگ پردہ نہیں کرتے تھے	کہ گواہی دیں گی تمہارے خلاف

سَمْعُكُمْ	وَلَآ اَبْصَارُكُمْ	وَلَا جُلُوْدُكُمْ	وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ	اَنَّ اللّٰهَ
تمہاری سماعت	اور نہ ہی تمہاری بصارت	اور نہ ہی تمہاری کھالیں	اور لیکن تم نے گمان کیا	کہ اللہ

لَا يَعْلَمُ	كَثِيْرًا مِّمَّا	تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾	وَذٰلِكُمْ	ظَنُّكُمُ الَّذِيْ	ظَنَنْتُمْ
نہیں جانتا	اس میں سے اکثر کو جو	تم لوگ کرتے ہو	اور یہ	تمہارا وہ گمان ہے جو	تم لوگوں نے گمان کیا

بِرَبِّكُمْ	اَرْدٰىكُمْ	فَاَصْبَحْتُمْ	مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾	فَاِنْ يَّصْبِرُوْا
اپنے رب کے بارے میں	اس (گمان) نے ہلاک کیا تم کو	تو تم لوگ ہو گئے	خسارہ پانے والوں میں سے	پس اگر وہ لوگ صبر کریں (یا نہ کریں)

فَالنَّارُ	مَثْوًى لَّهُمْ ۚ	وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا	فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾
پھر آگ	ٹھکانہ ہے ان کے لیے	اور اگر وہ لوگ رضامندی چاہیں گے	تو وہ نہیں ہوں گے راضی کیے ہوؤں میں سے

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ	قُرَنَآءَ	فَزَيَّنُوْا لَهُمْ	مَّا
اور ہم نے تعینات کیے ان کے لیے	کچھ ساتھی	تو انہوں نے زینت دی ان کے لیے	اس کو جو

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ	وَمَا خَلْفَهُمْ	وَحَقَّ عَلَيْهِمُ	الْقَوْلُ	فِيْٓ اُمَمٍ
ان کے آگے ہے	اور اس کو جو ان کے پیچھے ہے	اور ثابت ہوئی ان پر	وہ بات (جو)	ایسی امتوں میں ہوئی جو

قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ	اِنَّهُمْ كَانُوْا	خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ع
گزر چکی ہیں	ان سے پہلے	جنوں اور انسانوں میں سے	بیشک وہ لوگ تھے	خسارہ پانے والے

نوٹ: 1

آیت۔20۔منجملہ ان بہت سی آیات کے ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم آخرت محض ایک روحانی عالم نہیں ہوگا بلکہ انسان وہاں دوبارہ اسی طرح جسم و روح کے ساتھ زندہ کیے جائیں گے جس طرح وہ اب اس دنیا میں ہیں۔ان کو جسم بھی وہی دیا جائے گا جس میں اب وہ رہتے ہیں۔اور وہ انہی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن کے اندر رہ کر وہ دنیا میں کام کر چکے تھے۔ظاہر ہے کہ انسان کے اعضاء وہاں اسی صورت میں گواہی دے سکتے ہیں جبکہ وہ وہی اعضاء ہوں جن سے اس نے اپنی پہلی زندگی میں جرم کا ارتکاب کیا تھا۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (26 تا 29)

ترجمہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لَا تَسْمَعُوْا	لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ	وَالْغَوْا فِيْهِ
اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	تم لوگ مت سنو	اس قرآن کو	اور غل غپاڑہ کرو اس میں

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾	فَلَنُذِيْقَنَّ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
شاید تم لوگ غالب ہو جاؤ	تو ہم لازماً چکھائیں گے	ان کو جنہوں نے کفر کیا	ایک شدید عذاب

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ	اَسْوَاَ الَّذِيْ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾	ذٰلِكَ	جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ
اور ہم لازماً بدلہ دیں گے ان کو	اس کا بدترین جو	وہ عمل کرتے تھے	یہ	اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے

النَّارُ ۚ	لَهُمْ فِيْهَا	دَارُ الْخُلْدِ ؕ	جَزَآءً	بِمَا	كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾
جو آگ	ان کے لیے ہے اس میں	ہمیشگی کا گھر ہے	بدلہ ہوتے ہوئے	بسبب اس کے جو	ہماری نشانیوں کا جانتے بوجھتے انکار کرتے تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	رَبَّنَآ	اَرِنَا	الَّذَيْنِ	اَضَلّٰنَا	مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	اے ہمارے رب	تو دکھا ہمیں	ان دونوں کو جنہوں نے	گمراہ کیا ہم کو	جنوں اور انسانوں میں سے

نَجْعَلْهُمَا	تَحْتَ اَقْدَامِنَا	لِيَكُوْنَا	مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾
ہم ڈالیں گے ان دونوں کو	اپنے پیروں تلے	تا کہ وہ ہو جائیں	پست ترین لوگوں میں سے

نوٹ: 1

اس دنیا میں انسان اپنے اعمال کے اثرات و نتائج کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔انسان کا ہر عمل،خواہ وہ نیک ہو یا بد،اپنے اندر متعدی اثرات رکھتا ہے۔اپنی اس صفت کے سبب سے بعض حالات میں انسان کی ایک چھوٹی سی نیکی بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔اسی طرح ایک رائی کے دانے جیسی برائی آہستہ آہستہ ایک خوفناک جنگل بن جاتی ہے۔اسی حقیقت کی طرف آیت۔27۔میں ارشاد فرمایا کہ ابھی ان نادانوں کو اندازہ نہیں ہے کہ قرآن سے لوگوں کو روک کر اور اس میں گھپلا پیدا کر کے یہ اپنے لیے کیسی بس بھری فصل تیار کر رہے ہیں۔جب اس کا پورا حاصل ان کے سامنے آئے گا تب وہ اس کا بدترین پہلو (اَسْوَاَ) دیکھیں گے اور اس وقت انہیں اندازہ ہوگا کہ اپنی تباہی کا کیا سامان کر کے وہ آئے ہیں۔(تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (30 تا 36)

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا	رَبُّنَا	اللّٰهُ	ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا	تَتَنَزَّلُ عَلَیۡهِمُ
بیشک جنہوں نے کہا	ہمارا رب	اللہ ہے	پھر قائم رہے (اس پر)	تواترتے ہیں ان پر

الۡمَلٰٓئِکَةُ	اَلَّا تَخَافُوۡا	وَلَا تَحۡزَنُوۡا	وَاَبۡشِرُوۡا	بِالۡجَنَّةِ الَّتِیۡ
فرشتے	کہ تم لوگ خوف مت کرو	اور غمگین مت ہو	اور بشارت حاصل کرو	اس جنت کی جس کا

کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾	نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ	فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ ۚ
تم سے وعدہ کیا جاتا تھا	ہم ہیں تمہارے کارساز	دنیوی زندگی میں اور آخرت میں (بھی)

وَلَکُمۡ فِیۡهَا	مَا	تَشۡتَهِیۡۤ	اَنۡفُسُکُمۡ	وَلَکُمۡ فِیۡهَا
اور تمہارے لیے ہے اس (جنت) میں	وہ جو	خواہش کریں گے	تمہارے جی	اور تمہارے لیے ہے اس میں

مَا تَدَّعُوۡنَ ﴿۳۱﴾ ؕ	نُزُلًا	مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ ع	وَمَنۡ اَحۡسَنُ
وہ جو تم لوگ مانگو گے	ابتدائی مہمان نوازی ہوتے ہوئے	بخشنے والے رحم کرنے والے (کی طرف) سے	اور کون زیادہ اچھا ہے

قَوۡلًا	مِّمَّنۡ	دَعَاۤ اِلَی اللّٰهِ	وَعَمِلَ صَالِحًا	وَّقَالَ اِنَّنِیۡ
بلحاظ بات کرنے کے	اس سے جس نے	دعوت دی اللہ کی طرف	اور عمل کیا نیکی کا	اور کہا کہ میں

مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۳﴾	وَلَا تَسۡتَوِی	الۡحَسَنَةُ	وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ	اِدۡفَعۡ
فرمانبرداروں میں سے ہوں	اور برابر نہیں ہوتی	بھلائی	اور نہ ہی برائی	تو دفع کر (برائی کو)

بِالَّتِیۡ هِیَ	اَحۡسَنُ	فَاِذَا	الَّذِیۡ	بَیۡنَکَ	وَبَیۡنَهٗ	عَدَاوَةٌ
اس سے جو کہ وہی	سب سے اچھی ہو	نتیجتاً تب ہی	وہ (کہ)	تیرے درمیان	اور جس کے درمیان	عداوت ہے

کَاَنَّهٗ	وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾	وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ	اِلَّا الَّذِیۡنَ	صَبَرُوۡا ۚ
(ایسا ہوگا) جیسے کہ وہ	گرم جوش دوست ہے	اور نہیں دی جاتی یہ (صفت)	مگر ان لوگوں کو جو	ثابت قدم رہے

وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ	اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾	وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ	مِنَ الشَّیۡطٰنِ
اور نہیں دی جاتی یہ (صفت)	مگر نصیبے والوں کو	اور اگر اُکسائے ہی تجھ کو	شیطان (کی طرف) سے

نَزۡغٌ	فَاسۡتَعِذۡ	بِاللّٰهِ ؕ	اِنَّهٗ	هُوَ السَّمِیۡعُ	الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾
کوئی اکساہٹ	تو پناہ میں آؤ	اللہ کی	یقیناً وہ	ہی سننے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ: 1 محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے سلسلۂ دروس قرآن ''منتخب نصاب'' میں ان آیات کا درس بھی شامل ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان آیات میں مقام ولایت کا بیان ہے۔ ان کی اس بات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے مذکورہ آیات کے اس پہلو کی وضاحت، اس کے صغریٰ کبریٰ کے ساتھ، جینے کا سلیقہ کورس کے آخری سبق ''مقام ولایت'' میں کی گئی ہے۔ طلباء اس سبق کو دوبارہ دیکھ لیں۔

نوٹ: 2 استقامت کا یہ مفہوم کہ ایمان و توحید پر قائم رہے، اس کو چھوڑے نہیں۔ یہ تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو، اس سے اِدھر اُدھر راہِ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔ حضرت علیؓ نے اس کی تعریف ادائے فرائض سے فرمائی ہے۔ اس لیے علماء نے فرمایا کہ استقامت تو ایک لفظ مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 3 بعض مفسرین نے فرشتوں کے نزول کو موت کے وقت، یا قبر یا میدان حشر کے لیے مخصوص سمجھا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ حضرت ثابت بنانیؒ نے فرمایا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جس وقت اپنی قبر سے اٹھے گا تو دو فرشتے، جو دنیا میں اسی کے ساتھ رہا کرتے تھے، وہ ملیں گے اور اس کو کہیں گے کہ تم خوف وغم نہ کرو بلکہ جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ان کا کلام سن کر مومن کو اطمینان ہو جائے گا۔ (معارف القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے الفاظ سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ (مرتب) ابوحیانؒ نے بحر محیط میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہوں کہ مومنین پر فرشتوں کا نزول ہر روز ہوتا ہے جس کے آثار و برکات ان کے اعمال میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ مشاہدہ اور ان کے کلام کا سننا، یہ انہیں مواقع پر ہوگا۔ (یعنی موت کے وقت قبر اور میدان حشر میں) (معارف القرآن)۔

نوٹ: 4 آیت۔33 میں مومنین کاملین کا دوسرا حصۂ احوال ہے کہ وہ خود اپنے ایمان و عمل پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)۔ لیکن کسی خاص مسلک یا فرقہ کی دعوت اس مسلک یا فرقہ کی دعوت ہوگی، وہ دعوت الی اللہ نہیں ہے۔ (ڈاکٹر اسرار احمد)۔ پھر اگلی آیت میں دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کی برائی کو بھلے طریقے سے دفع کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ نہ لینا اور معاف کر دینا تو عملِ حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔ (معارف القران)۔ یہ نسخہ ہے تو بڑا کارگر مگر اسے استعمال کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑا عزم، بڑا حوصلہ اور بڑی قوت برداشت درکار ہے۔ وقتی طور پر ایک آدمی کسی بدی کے مقابلے میں نیکی برت سکتا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ لیکن بدی کا مقابلہ نیکی اور وہ بھی اعلیٰ درجے کی نیکی سے کرتے چلے جانا اور کبھی ایک مرتبہ بھی ضبط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دینا، کسی معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (37 تا 40)

ترجمہ

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ	الَّيْلُ وَالنَّهَارُ	وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ	لَا تَسْجُدُوْا
اور اس کی نشانیوں ہی میں سے ہیں	رات اور دن	اور سورج اور چاند	تم لوگ سجدہ مت کرو

لِلشَّمْسِ	وَلَا لِلْقَمَرِ	وَاسْجُدُوْا	لِلّٰهِ الَّذِیْ	خَلَقَهُنَّ ﴿۳۷﴾
سورج کو	اور نہ ہی چاند کو	اور تم لوگ سجدہ کرو	اس اللہ کو جس نے	پیدا کیا ان کو

اِنْ كُنْتُمْ	اِيَّاهُ	تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾	فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا	فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
اگر تم لوگ	اس کی ہی	بندگی کرتے ہو	پھر اگر وہ لوگ بڑائی دکھائیں	تو جو لوگ آپؐ کے رکے پاس ہیں

يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ	بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ	وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ	وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
وہ تسبیح کرتے ہیں اس کی	رات اور دن	اس حال میں کہ وہ اکتاتے نہیں ہیں	اور اس کی نشانیوں ہی میں سے ہے

اَنَّكَ تَرَى	الْاَرْضَ	خَاشِعَةً	فَاِذَآ اَنْزَلْنَا	عَلَيْهَا الْمَآءَ
کہ آپؐ دیکھتے ہیں	زمین کو	فروتنی کرنے والی حالت میں (بنجر)	پھر جب ہم اتارتے ہیں	اس پر پانی

اهْتَزَّتْ	وَرَبَتْ ؕ	اِنَّ الَّذِیْٓ	اَحْيَاهَا	لَمُحْیِ	الْمَوْتٰى ؕ
تو وہ لہلہاتی ہے	اور ابھرتی ہے	بیشک وہ جس نے	زندہ کیا اس (زمین) کو	یقیناً زندہ کرنے والا ہے	مردوں کو

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ	فِيْٓ اٰيٰتِنَا
بیشک وہ ہر چیز پر	ہر حال میں قدرت رکھنے والا ہے	بیشک جو لوگ کجروی اختیار کرتے ہیں	ہماری آیتوں میں

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ	اَفَمَنْ	يُّلْقٰى	فِی النَّارِ	خَيْرٌ	اَمْ مَّنْ	يَّاْتِیْٓ
وہ پوشیدہ نہیں ہوتے ہم سے	تو کیا وہ جو	ڈالا گیا	آگ میں	بہتر ہے	یا وہ جو	آئے گا

اٰمِنًا	يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ	اِعْمَلُوْا	مَا شِئْتُمْ ۙ	اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾
امن میں ہونے والا ہوتے ہوئے	قیامت کے دن	تم لوگ عمل کرو	جو تم چاہو	بیشک وہ اس کو جو تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا ہے

نوٹ: 1

سورۂ کے شروع میں آیات 9 تا 12 میں آسمان وزمین کی پیدائش سے توحید ومعاد پر جو استدلال کیا ہے، زیر مطالعہ آیت۔37۔ اسی سے متعلق ہے۔ درمیان میں جو مطالب تنبیہ وتذکیر یا تسکین وتسلی کی نوعیت کے آ گئے ہیں وہ اسی مدّعا کے تحت ہیں، اس لیے ان کے سبب سے کوئی بُعد پیدا نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا جو خدا آسمان وزمین کا خالق ہے، اسی خدا کی نشانیوں میں سے یہ رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں۔ (تدبر قرآن)۔ سورج اور چاند سے پہلے رات اور دن کا ذکر اس امر پر متنبہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ رات کو سورج کا چھپنا اور چاند کا نکل آنا اور دن کو چاند کا چھپنا اور سورج کا نکل آنا صاف طور پر یہ دلالت کر رہا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی خدا یا خدا کا مظہر نہیں ہیں بلکہ دونوں ہی مجبور ولاچار بندے ہیں جو خدا کے قانون میں بندھے ہوئے گردش کر رہے ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (41 تا 46)

ترجمہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	بِالذِّکۡرِ	لَمَّا جَآءَهُمۡ ۚ	وَاِنَّهٗ
بیشک جنہوں نے انکار کیا	اس نصیحت (قرآن) کا	جب وہ آئی ان کے پاس	حالانکہ بیشک وہ

لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ۙ﴿۴۱﴾	لَّا یَاۡتِیۡهِ	الۡبَاطِلُ	مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ	وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ
یقیناً ایک ایسی بالادست کتاب ہے	نہیں پہنچے گا جس کے پاس	باطل	اس کے سامنے سے	اور نہ ہی اس کے پیچھے سے

تَنۡزِیۡلٌ	مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ ﴿۴۲﴾	مَا یُقَالُ لَکَ	اِلَّا مَا	قَدۡ قِیۡلَ
(یہ) اتاری ہوئی ہے	ایک حکمت والے حمد کیے ہوئے (کی طرف) سے	نہیں کہا جاتا آپؐ سے	سوائے اس کے جو	کہا گیا ہے

لِلرُّسُلِ	مِنۡ قَبۡلِکَ ؕ	اِنَّ رَبَّکَ	لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ	وَّذُوۡ عِقَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۴۳﴾
رسولوں سے	آپؐ سے پہلے	بیشک آپؐ کا رب	یقیناً مغفرت کرنے والا ہے	اور دردناک سزا دینے والا ہے

وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ	قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا	لَّقَالُوۡا	لَوۡلَا فُصِّلَتۡ	اٰیٰتُهٗ ؕ
اور اگر ہم کر دیتے اس کو	غیر عربی (زبان والا) قرآن	تو یہ ضرور کہتے	کیوں نہیں کھول کھول کر بیان کی گئیں	اس کی آیات

ءَاَعۡجَمِیٌّ	وَّعَرَبِیٌّ ؕ	قُلۡ	هُوَ	لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
کیا (کتاب) غیر عربی ہو	اور (مخاطب) عربی ہوں	آپؐ کہہ دیجئے	یہ	ان کے لیے جو ایمان لائے

هُدًی وَّشِفَآءٌ ؕ	وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ	وَقۡرٌ
ہدایت ہے اور شفا ہے	اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے	ان کے کانوں میں	ایک گرانی ہے

وَّهُوَ	عَلَیۡهِمۡ عَمًی ؕ	اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ	مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۴۴﴾ ع
اور یہ	ان پر ایک اندھا پن ہے	ان لوگوں کو پکارا جائے گا	ایک دور کی جگہ سے

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی	الۡکِتٰبَ	فَاخۡتُلِفَ فِیۡهِ ؕ	وَلَوۡلَا	کَلِمَةٌ
اور بیشک ہم دے چکے موسیٰؑ کو	وہ کتاب (تورات)	پھر اختلاف کیا گیا اس میں	اور اگر نہ ہوتا	ایک ایسا فرمان جو

سَبَقَتۡ	مِنۡ رَّبِّکَ	لَقُضِیَ	بَیۡنَهُمۡ ؕ	وَاِنَّهُمۡ
طے ہوا	آپؐ کے رب (کی طرف) سے	تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا	ان کے درمیان	اور بیشک وہ لوگ

لَفِیۡ شَکٍّ	مِّنۡهُ	مُرِیۡبٍ ﴿۴۵﴾	مَنۡ عَمِلَ	صَالِحًا	فَلِنَفۡسِهٖ
یقیناً ایک ایسے شک میں ہیں	اس سے	جو الجھن میں ڈالنے والا ہے	جس نے عمل کیا	نیکی کا	تو (وہ) اس کے اپنے آپ کے لیے ہے

وَمَنْ اَسَآءَ	فَعَلَيْهَا ؕ	وَمَا رَبُّكَ	بِظَلَّامٍ	لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾
اور جس نے برائی کی	تو (وہ) اس (کی جان) پر ہے	اور نہیں ہے آپ کا رب	کبھی بھی ظلم کرنے والا	بندوں پر

نوٹ: 1

قرآن میں تحریف کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی اہل باطل کھلے طور پر قرآن میں کوئی کمی وبیشی کرنا چاہے اس کو مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ سے تعبیر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص بظاہر دعویٰ ایمان کا کرے مگر چھپ کر تاویلات باطلہ کے ذریعہ قرآن کے معنیٰ میں تحریف کرے۔ اس کو مِنْ خَلْفِهٖ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ الفاظ میں تحریف کی راہ نہ ہونا تو ہر شخص سمجھتا ہے۔ چودہ سو سال سے یہ لاکھوں انسانوں کے سینے میں محفوظ ہے۔ ایک زیر زبر کی غلطی کسی سے ہوجائے تو لاکھوں مسلمان اس کی غلطی پکڑنے والے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ مِنْ خَلْفِهٖ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کردیا کہ قرآن کی حفاظت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وہ صرف الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے معانی کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے۔ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابۂ کرامؓ کے ذریعے معانی قرآن اور احکام قرآن کو بھی ایسا محفوظ کردیا کہ کوئی بے دین اس میں تاویلات باطلہ کے ذریعہ تحریف کا ارادہ کرے تو ہر جگہ ہر زمانے میں ہزاروں علماء اس کی تردید کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ یہ ایک تمثیل ہے۔ جو آدمی کلام کو سمجھتا ہو، اس کو عرب لوگ کہتے ہیں تم قریب سے سن رہے ہو۔ اور جو کلام کو نہ سمجھے اس کو کہتے ہیں تمہیں دور سے آواز دی جارہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ قرآنی ہدایات کو سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے ان کو ہدایت کی تعلیم دینا ایسا ہے جیسے کسی کو بہت دور سے پکارا جائے۔ (معارف القرآن) یعنی اس کے کان تک آواز تو پہنچے لیکن اس کی سمجھ میں نہ آئے کہ کیا کہا جارہا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (47 تا 54)

ک	م	م

(ن) کَمَّا پوشیدہ کرنا۔ڈھانکنا۔
کِمٌّ ج اَکْمَامٌ۔ پھل کے خوشوں کا غلاف۔زیر مطالعہ آیت۔47۔

ء	ف	ق

(ض) اَفْقًا کناروں میں جانا۔انتہا تک پہنچنا۔
اُفُقٌ ج اٰفَاقٌ۔ کنارہ۔آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا نظر آتا ہے۔﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ﴾ (53/النجم:7) ''اور وہ بلند ترین کنارے پر تھے''۔اور زیر مطالعہ آیت۔53۔

ترجمہ

اِلَيْهِ	يُرَدُّ	عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ	وَمَا تَخْرُجُ	مِنْ ثَمَرٰتٍ
اس کی طرف ہی	پھیرا (Refer کیا) جاتا ہے	اُس گھڑی (قیامت) کا علم	اور نہیں نکلتا	کوئی بھی پھل

مِّنْ اَكْمَامِهَا	وَمَا تَحْمِلُ	مِنْ اُنْثٰى	وَلَا تَضَعُ	اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ	وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
اپنے غلافوں میں سے	اور نہیں اٹھاتی (حمل)	کوئی بھی مؤنث	اور نہ وہ جنتی ہے	مگر اس کے علم سے	اور جس دن وہ پکارے گا ان کو

اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ	قَالُوْٓا	اٰذَنّٰكَ ۙ	مَا مِنَّا	مِنْ شَهِيْدٍ ۚ
کہاں ہیں میرے شریک	تو وہ لوگ کہیں گے	ہم نے آگاہ کر دیا تجھ کو	نہیں ہے ہم میں سے	کوئی بھی گواہ (اقرار کرنے والا)

وَضَلَّ عَنْهُمْ	مَّا	كَانُوْا يَدْعُوْنَ	مِنْ قَبْلُ	وَظَنُّوْا	مَا لَهُمْ
اور بھٹک گیا ان سے	وہ جس کو	وہ لوگ پکارا کرتے تھے	اس سے پہلے	اور انہوں نے رائے قائم کی	(کہ) نہیں ہے ان کے لیے

مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝	لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ	مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۠	وَاِنْ مَّسَّهُ	الشَّرُّ
کوئی بھی بچنے کی جگہ	نہیں اکتاتا انسان	بھلائی کی دعا (کرنے) سے	اور اگر چھو جائے اس کو	برائی

فَيَـُٔوْسٌ	قَنُوْطٌ ۝	وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ	رَحْمَةً	مِّنَّا	مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ
تو (وہ) انتہائی مایوس	انتہائی ناامید ہے	اور اگر ہم چکھا دیں اس کو	کوئی رحمت	(اپنے پاس) سے	اس برائی کے بعد جس نے

مَسَّتْهُ	لَيَقُوْلَنَّ	هٰذَا لِيْ ۙ	وَمَآ اَظُنُّ	السَّاعَةَ	قَاۗىِٕمَةً ۙ	وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ
چھوا اس کو	تو وہ لازماً کہے گا	یہ میری (کاریگری) ہے	اور میں نہیں خیال کرتا	اس گھڑی کو	قائم ہونے والی	اور اگر مجھ کو لوٹایا گیا

اِلٰى رَبِّيْٓ	اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ	لَلْحُسْنٰى ۚ	فَلَنُنَبِّئَنَّ
میرے رب کی طرف	تو بیشک میرے لیے اس کے پاس	ضرور (اور) زیادہ خوبی ہوگی	تو ہم لازماً جتا دیں گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بِمَا عَمِلُوْا ۫	وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ	مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰
ان کو جنہوں نے کفر کیا	وہ جو انہوں نے عمل کیا	اور ہم لازماً چکھائیں گے ان کو	ایک گاڑھے عذاب میں سے

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا	عَلَى الْاِنْسَانِ	اَعْرَضَ	وَنَاٰ	بِجَانِبِهٖ ۚ
اور جب ہم انعام کرتے ہیں	انسان پر	تو وہ بے رخی برتتا ہے	اور موڑ لیتا ہے	اپنے پہلو کو

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ	فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝۵۱	قُلْ اَرَءَيْتُمْ	اِنْ كَانَ
اور جب کبھی چھوتی ہے اس کو برائی	تو (وہ لمبی) چوڑی دعا والا ہے	آپؐ کہیے کیا تم لوگوں نے غور کیا	اگر وہ (قرآن) ہو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ	مَنْ اَضَلُّ	مِمَّنْ هُوَ	فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝۵۲
اللہ کے پاس سے	پھر تم نے انکار کیا اس کا	تو کون زیادہ گمراہ ہے	اس سے جو کہ وہی	دور والی گمراہی میں ہے

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا	فِي الْاٰفَاقِ	وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	حَتّٰى يَتَبَيَّنَ	لَهُمْ اَنَّهُ
ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں	اطراف (عالم) میں	اور ان کے اپنے (اندر) میں	یہاں تک کہ واضح ہو جائے	ان کے لیے کہ وہ (قرآن)

الْحَقُّ ؕ	اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ	اَنَّهٗ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	شَهِيْدٌ ۝۵۳	اَلَآ اِنَّهُمْ
ہی کل حق ہے	اور کیا کافی نہیں ہوا آپؐ کا رب	(اس پر) کہ وہ	ہر چیز پر	موقعہ پر موجود ہے	سن لو! بیشک یہ لوگ

فِيْ مِرْيَةٍ	مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ	اَلَآ اِنَّهٗ	بِكُلِّ شَيْءٍ	مُّحِيْطٌ ۝۵۴ ع
ایک شبہ میں ہیں	اپنے رب کی ملاقات سے	خبردار! یقیناً وہ	ہر چیز کا	احاطہ کرنے والا ہے

نوٹ: 1

قیامت کا علم اللہ کی طرف پھیر دینے (یُرَدُّ) کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی تو ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اللہ جانے کب آئے گی۔ یعنی قیامت کے وقوع کی جب بھی بات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ہی حوالہ دیا جاتا ہے۔ (حافظ احمد یار صاحب)

نوٹ: 2

آیت۔53۔ کے دو مفہوم ہیں اور دونوں ہی اکابر مفسرین نے بیان کیے ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس قرآن کی دعوت تمام گردوپیش کے ممالک پر چھا گئی ہے اور یہ خود اس کے آگے سرنگوں ہیں۔ اُس وقت ان کو پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ آج ان سے کہا جا رہا ہے وہ سراسر حق تھا۔ بعض لوگوں نے اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض کسی دعوت کا غالب آجانا اور بڑے بڑے علاقے فتح کر لینا تو اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ باطل دعوتیں بھی چھا جاتی ہیں اور ان کے پیرو بھی ملک پر ملک فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک سطحی اعتراض ہے۔ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور میں جو فتوحات اسلام کو نصیب ہوئیں وہ اس معنی میں اللہ کی نشانیاں تھیں کہ یہ فتح ممالک دنیا کی دوسری فتوحات کی طرح نہیں تھیں جو ایک قوم کو دوسروں کی جان و مال کی مالک بنا دیتی ہیں اور خدا کی زمین ظلم سے بھر جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ فتح اپنے جلو میں ایک عظیم الشان تہذیبی اور تمدنی انقلاب لے کر آئی تھی جس کے اثرات جہاں جہاں بھی پہنچے انسان کے بہترین جوہر کھلتے چلے گئے۔ دنیا جن فضائل کو صرف تارک الدنیا درویشوں اور گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے اندر ہی دیکھنے کی امید رکھتی تھی اور کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ دنیا کا کاروبار چلانے والوں میں بھی وہ پائے جا سکتے ہیں، اس انقلاب نے ان ہی فضائل سے معاشرے میں عام انسانوں کو اخلاق اور کردار کے اعتبار سے اتنا اونچا اٹھایا کہ دوسرے معاشروں کے چیدہ لوگ بھی ان کی سطح سے فروتر نظر

آنے لگے۔ یہ تھیں وہ نشانیاں جو اسی نسل نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جسے مخاطب کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی مرتبہ یہ آیت سنائی تھی اور اس کے بعد سے آج تک اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کو برابر دکھائے جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے زوال کے دور میں بھی اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی گرد کو بھی وہ لوگ کبھی نہیں پہنچ سکے جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے جس نے مسلمانوں میں اتنی انسانیت پیدا کر دی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پا کر اتنے ظالم نہ بن سکے جتنے غیر مسلم تاریخ کے ہر دور میں پائے گئے ہیں۔ اسپین میں جب مسلمان صدیوں حکمراں رہے اس وقت عیسائیوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا اور جب عیسائی وہاں غالب آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اب ہندو غالب آنے کے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے ساتھ پچھلے تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا رویہ کیا رہا اور اب فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ ہے۔

دوسرا مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آفاقِ ارض وسماء میں بھی اور انسانوں کے اپنے وجود میں بھی لوگوں کو وہ نشانیاں دکھائے گا جن سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن ہی برحق ہے۔ ان چیزوں میں خدا کی نشانیاں اس قدر بے شمار ہیں کہ انسان کبھی ان کا احاطہ نہیں کر سکا ہے۔ ہر دور میں انسان کے سامنے نئی نئی نشانیاں آتی چلی گئی ہیں اور قیامت تک آتی چلی جائیں گی۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

ایک نومسلم ڈاکٹر ماریس بکوائے نے ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ جدید سائنسی معلومات نے بائبل کی بہت سی باتوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ لیکن آفاق اور انفس کے متعلق قرآن کی باتوں کی یہی سائنسی معلومات یکے بعد دیگرے تصدیق کرتی چلی جا رہی ہیں۔ اسی حقیقت نے ڈاکٹر صاحب کو یقین دلایا کہ قرآن حق ہے اور اللہ کا کلام ہے، اور وہ ایمان لے آئے۔ (مرتب)

مورخہ ۲۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۲ ستمبر ۲۰۰۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الشوریٰ (42)

آیت نمبر (1 تا 7)

حٰمٓ ①	عٓسٓقٓ ②	كَذٰلِكَ يُوحِيٓ	اِلَيۡكَ	وَاِلَى الَّذِيۡنَ	مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ
-	-	اس طرح وحی کرتا ہے	آپؐ کی طرف	اور ان کی طرف جو	آپؐ سے پہلے تھے

اللّٰهُ	الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ③	لَهٗ	مَا فِى السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ
اللہ	جو بالادست ہے حکمت والا ہے	اس کا ہی ہے	وہ جو آسمانوں میں ہے	اور وہ جو زمین میں ہے

وَهُوَ الۡعَلِىُّ	الۡعَظِيۡمُ ④	تَكَادُ السَّمٰوٰتُ	يَتَفَطَّرۡنَ
اور وہ بالاتر ہے	عظمت والا ہے	قریب ہیں آسمان کہ	وہ پھٹ پڑیں

مِنْ فَوْقِهِنَّ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ	بِحَمْدِ رَبِّهِمْ	وَيَسْتَغْفِرُوْنَ
اپنے اوپر (اس کے رعب) سے	اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں	اپنے رب کی حمد کے ساتھ	اور وہ مغفرت مانگتے ہیں

لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ	اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ	هُوَ الْغَفُوْرُ	الرَّحِيْمُ ۝۵
ان کے لیے جو زمین میں ہیں	سنو! یقیناً اللہ	ہی بخشنے والا ہے	رحم کرنے والا ہے

وَالَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءَ	اللّٰهُ حَفِيْظٌ	عَلَيْهِمْ ۖ
اور جن لوگوں نے	بنائے	اس کے علاوہ	کچھ کارساز	اللہ نگرانی کرنے والا ہے	ان لوگوں پر

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ	بِوَكِيْلٍ ۝۶	وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
اور آپ نہیں ہیں ان لوگوں پر	کوئی نگہبان	اور اس طرح ہم نے وحی کیا آپ کی طرف	عربی قرآن

لِّتُنْذِرَ	اُمَّ الْقُرٰى	وَمَنْ حَوْلَهَا	وَتُنْذِرَ	يَوْمَ الْجَمْعِ
تاکہ آپ خبردار کریں	بستیوں کی ماں (مکہ) والوں کو	اور ان کو جو اس کے اردگرد ہیں	اور تاکہ آپ خبردار کریں	جمع کیے جانے کے دن سے

لَا رَيْبَ	فِيْهِ ؕ	فَرِيْقٌ	فِي الْجَنَّةِ	وَفَرِيْقٌ	فِي السَّعِيْرِ ۝۷
ذرا بھی شک نہیں ہے	جس میں	تو ایک فریق	جنت میں ہے	اور ایک فریق	ہمیشہ جلنے والی آگ میں ہے

نوٹ: 1

اُمَّ الْقُرٰى کے معنی ہیں ساری بستیوں اور شہروں کی اصل اور بنیاد اور اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس کا نام اُمَّ الْقُرٰى اس لیے رکھا گیا کہ یہ شہر ساری دنیا کے شہروں اور بستیوں سے اللہ کے نزدیک اشرف و افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو میرے نزدیک اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے اور ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے اس زمین سے نکالا نہ جاتا تو میں اپنی مرضی سے کبھی اس زمین کو نہ چھوڑتا۔ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی مکہ مکرمہ کے آس پاس۔ اس سے مراد آس پاس کے عرب ممالک بھی ہو سکتے ہیں اور پوری زمین کے مشرق و مغرب بھی۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (8 تا 12)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	لَجَعَلَهُمْ	اُمَّةً وَّاحِدَةً	وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ
اور اگر چاہتا اللہ	تو ضرور بنا تا ان کو	ایک (ہی) امت	اور لیکن وہ داخل کرتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ	فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ	وَالظّٰلِمُوْنَ	مَا لَهُمْ	مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸
اس کو جس کو وہ چاہتا ہے	اپنی رحمت میں	اور ظلم کرنے والے!	نہیں ہے ان کے لیے	کوئی بھی کارساز اور نہ ہی کوئی مددگار

اَمِ اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءَ ۚ	فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ	وَهُوَ يُحْيِ
یا ان لوگوں نے بنائے	اس کے سوا	کچھ کارساز	تو اللہ ہی کارساز ہے	اور وہ ہی زندہ کرے گا

الْمَوْتٰى ۪	وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرٌ ۝۹ ع	وَمَا
مردوں کو	اور وہ ہی ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	اور وہ

اخْتَلَفْتُمْ	فِيْهِ	مِنْ شَيْءٍ	فَحُكْمُهٗٓ	اِلَى اللّٰهِ ؕ	ذٰلِكُمُ
تم لوگوں نے اختلاف کیا	جس میں	کچھ بھی	تو اس کا فیصلہ	اللہ کی طرف ہے	یہ

اللّٰهُ	رَبِّيْ	عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ	وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩
اللہ	میرا رب ہے	اس پر ہی میں نے بھروسہ کیا	اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	جَعَلَ لَكُمْ	مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	اَزْوَاجًا
(وہ) زمین اور آسمانوں کو وجود بخشنے والا ہے	اس نے بنائے تمہارے لیے	تمہاری جانوں (جنس) سے	جوڑے

وَّمِنَ الْاَنْعَامِ	اَزْوَاجًا ۚ	يَذْرَؤُكُمْ	فِيْهِ ؕ	لَيْسَ	كَمِثْلِهٖ
اور چوپایوں سے	جوڑے	وہ پھیلاتا ہے تم لوگوں کو	اس (زمین) میں	نہیں ہے	اس کی مثال جیسی (بھی)

شَيْءٌ ۚ	وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪	لَهٗ	مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ	يَبْسُطُ الرِّزْقَ
کوئی چیز	اور وہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے	اس کے لیے ہی ہیں	زمین اور آسمانوں کی کنجیاں	وہ کشادہ کرتا ہے روزی کو

لِمَنْ يَّشَآءُ	وَيَقْدِرُ ؕ	اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ ⑫
اس کے لیے جس کے لیے وہ چاہتا ہے	اور وہ ناپ تول کرتا (دیتا) ہے (جسے چاہے)	یقیناً وہ ہر چیز کا	علم رکھنے والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔8۔ کے مضمون کا مقصد اہل ایمان کو ان مشکلات کی حقیقت سمجھانا ہے جو تبلیغ دین اور اصلاحِ خلق کی راہ میں اکثر پیش آتی ہیں۔ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی آزادیٔ انتخاب وارادہ، اور اس کی بنا پر طبائع اور طریقوں کے اختلاف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، وہ کبھی تو کارِ اصلاح کی سست رفتاری دیکھ کر مایوس ہونے لگتے ہیں اور کبھی وہ ضرورت سے زیادہ جوش سے کام لے کر اصلاح کے بے جا طریقوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے ایک بڑا اہم مضمون مختصر سے فقروں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس دنیا میں اللہ کی حقیقی خلافت اور آخرت میں اس کی جنت کوئی معمولی رحمت نہیں ہے جو ہر طرح کی مخلوق پر ایک رحمتِ عام کی طرح بانٹ دی جائے۔ یہ تو ایک خاص اور بہت اونچے درجے کی رحمت ہے جس کے لیے فرشتوں تک کو موزوں نہ سمجھا گیا۔ اسی لیے انسان کو ایک ذی اختیار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کے یہ وسیع ذرائع اس کے تصرف میں دیئے تا کہ یہ اُس امتحان سے گزر سکے جس میں کامیاب ہو کر ہی کوئی بندہ اس کی یہ رحمتِ خاص پانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ رحمت اللہ کی اپنی چیز ہے۔ اسے وہی لے سکتا ہے جو اللہ کے حضور بندگی پیش کرے۔ اس کو اپنا ولی بنائے اور اس کا دامن تھامے۔ تب اللہ اس کی مدد اور رہنمائی کرتا ہے اور اسے اس امتحان سے بخیریت گزرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے تا کہ وہ اس کی رحمت میں داخل ہو سکے لیکن جو ظالم اللہ سے منہ موڑ لے اور اس کے بجائے دوسروں کو اپنا ولی بنا بیٹھے، اللہ کو کچھ ضرورت نہیں پڑی ہے کہ وہ زبردستی اس کا ولی بنے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (کوئی چیز اس کے مانند جیسی نہیں ہے) کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس میں لفظ مثل پُر کاف (حرف تشبیہ) کا اضافہ محاورے کے طور پر کیا گیا ہے جس سے مقصود بات میں زور پیدا کرنا ہوتا ہے اور عرب میں یہ طرز بیان رائج ہے۔ دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے کہنے کے بجائے اس کے مثل جیسا کوئی نہیں کہنے میں مبالغہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال اللہ کا کوئی مثل ہوتا تو اس جیسا بھی کوئی نہیں ہوتا، کجا کہ خود اللہ جیسا کوئی ہو۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (13 تا 19)

ترجمہ

شَرَعَ لَكُمْ	مِّنَ الدِّيْنِ	مَا	وَصّٰى بِهٖ	نُوْحًا
اس نے قانون بنایا تمہارے لیے	نظام حیات میں سے	اس کو	اس نے تاکید کی جس کی	نوحؑ کو

وَّالَّذِيْٓ	اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	وَمَا	وَصَّيْنَا بِهٖٓ	اِبْرٰهِيْمَ	وَمُوْسٰى
اوراس کو (بھی) جو	ہم نے وحی کیا آپؐ کی طرف	اوراس کو (بھی)	ہم نے تاکید کی جس کی	ابراہیمؑ کو	اورموسیٰؑ کو

وَعِيْسٰى	اَنْ اَقِيْمُوا	الدِّيْنَ	وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ	كَبُرَ	عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
اورعیسیٰؑ کو	کہ تم لوگ قائم رکھو	اس نظام حیات کو	اوراالگ الگ مت ہواس میں	بڑی گراں گزری	شرک کرنے والوں پر

مَا	تَدْعُوْهُمْ	اِلَيْهِ ؕ	اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ	اِلَيْهِ	مَنْ يَّشَآءُ
وہ (بات)	آپؐ بلاتے ہیں ان کو	جس کی طرف	اللہ چن لیتا ہے	اپنی طرف	اس کو جسے وہ چاہتا ہے

وَيَهْدِيْٓ	اِلَيْهِ	مَنْ يُّنِيْبُ ⑬	وَمَا تَفَرَّقُوْٓا	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا
اوروہ رہنمائی کرتا ہے	اپنی طرف	اس کی جو رجوع کرتا ہے	اوروہ لوگ الگ الگ نہیں ہوئے	مگراس کے بعد جو

جَآءَهُمُ	الْعِلْمُ	بَغْيًۢا	بَيْنَهُمْ ؕ	وَلَوْلَا كَلِمَةٌ	سَبَقَتْ	مِنْ رَّبِّكَ
آیاان کے پاس	علم	سرکشی کرتے ہوئے	آپس میں	اوراگر نہ ہوتا ایک ایسا فرمان جو	طے ہوا	آپؐ کے رب (کی طرف) سے

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى	لَّقُضِيَ	بَيْنَهُمْ ؕ	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اُوْرِثُوا
ایک معین مدت تک کے لیے	توضرور فیصلہ کر دیا جاتا	ان کے درمیان	اور بیشک وہ لوگ جو	وارث بنائے گئے

الْكِتٰبَ	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	لَفِيْ شَكٍّ	مِّنْهُ	مُرِيْبٍ ⑭	فَلِذٰلِكَ
کتاب کے	ان لوگوں کے بعد	یقیناً ایک ایسے شک میں ہیں	اس سے	جوشبہ میں ڈالنے والا ہے	تواس کے لیے ہی

فَادْعُ ۚ	وَاسْتَقِمْ	كَمَآ	اُمِرْتَ ۚ	وَلَا تَتَّبِعْ	اَهْوَآءَهُمْ ۚ
پھرآپؐ دعوت دیں	اورآپؐ قائم (ڈٹے) رہیں	اس کی مانند جو	آپؐ کو حکم دیا گیا	اورآپؐ پیروی مت کریں	ان کی خواہشات کی

وَقُلْ	اٰمَنْتُ بِمَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ	مِنْ كِتٰبٍ ۚ	وَاُمِرْتُ	لِاَعْدِلَ
اورآپؐ کہیے	میں ایمان لایا اس پر جو	اتاری اللہ نے	کوئی کتاب	اور مجھے حکم دیا گیا	کہ میں انصاف کروں

بَيْنَكُمْ ؕ	اَللّٰهُ رَبُّنَا	وَرَبُّكُمْ ؕ	لَنَآ اَعْمَالُنَا	وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ
تمہارے درمیان	اللہ ہمارا رب ہے	اورتمہارا رب ہے	ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں	اورتمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں

لَا حُجَّةَ	بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ	اَللّٰهُ يَجْمَعُ	بَيْنَنَا ۚ	وَاِلَيْهِ
کوئی بھی بحث وتکرار نہیں ہے	ہمارے درمیان اورتمہارے درمیان	اللہ جمع کرے گا	ہمارے مابین	اوراس کی طرف ہی

الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾	وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ	فِي اللّٰهِ	مِنْۢ بَعْدِ مَا	اسْتُجِيْبَ	لَهٗ
لوٹنا ہے	اور جولوگ دلیل بازی کرتے ہیں	اللہ (کے بارے) میں	اس کے بعد کہ جو	مان لیا گیا	اس کو

حُجَّتُهُمْ	دَاحِضَةٌ	عِنْدَ رَبِّهِمْ	وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ	وَّلَهُمْ	عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾
ان کی دلیل	ردہونے والی ہے	ان کے رب کے پاس	اوران پرایک غضب ہے	اوران کے لیے	ایک شدید عذاب ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ	اَنْزَلَ	الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	وَالْمِيْزَانَ ؕ	وَمَا يُدْرِيْكَ
اللہ وہ ہے جس نے	اتارا	اس کتاب کو حق کے ساتھ	اور ترازو کو	اور آپ کیا جانتے ہیں

لَعَلَّ السَّاعَةَ	قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾	يَسْتَعْجِلُ بِهَا	الَّذِيْنَ	لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ
شاید وہ گھڑی (قیامت)	قریب (ہی) ہو	جلدی مچاتے ہیں اس کی	وہ لوگ جو	ایمان نہیں رکھتے اس پر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ	وَيَعْلَمُوْنَ	اَنَّهَا	الْحَقُّ ؕ
اور جولوگ ایمان لائے	(وہ) ڈرنے والے ہیں اس سے	اوروہ جانتے ہیں	کہ وہ (قیامت)	برحق ہے

اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ	يُمَارُوْنَ	فِي السَّاعَةِ	لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾	اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ
خبردار! بیشک جولوگ	جھگڑا کرتے ہیں	اس گھڑی (کے بارے) میں	(وہ) یقیناً ایک دور کی گمراہی میں ہیں	اللہ نرمی کرنے والا ہے

بِعِبَادِهٖ	يَرْزُقُ	مَنْ يَّشَآءُ ۚ	وَهُوَ الْقَوِيُّ	الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾
اپنے بندوں پر	وہ روزی دیتا ہے	اس کو جسے وہ چاہتا ہے	اوروہ ہی قوت والا ہے	بالادست ہے

نوٹ: 1

اس سورۃ کی تمہید میں نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ تمہیں اسی دینِ حق کی وحی کی جارہی ہے جس کی وحی تم سے پہلے نبیوں اور رسولوں کو کی گئی۔ اب آیت۔13۔ میں اسی مضمون کی وضاحت کی جارہی ہے کہ یہ کوئی انوکھا اور اجنبی دین نہیں ہے بلکہ شروع سے لے کر ان آخری نبی تک سب کا دین یہی رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا حوالہ یہاں اس طرح دیا ہے کہ پہلے ابتدائی اور آخری کڑی یعنی حضرت نوحؑ اور محمد ﷺ کا ذکر فرمایا۔ پھر بیچ کے انبیاء میں سے تین جلیل القدر نبیوں کا نام خاص طور سے لیا۔ اس اہتمام کے ساتھ ان کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انہی تین نبیوں کی پیروی کے مدعی اُس وقت قرآن کے سامنے تھے۔ مشرکین عرب حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کے مدعی تھے اور یہود و نصاریٰ بالترتیب حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے۔ پھر اس ہدایت کا ذکر ہے جو ان نبیوں کے واسطہ سے ان کے پیروؤں کو دی گئی کہ ''الدین'' کو قائم کرو اور اس میں فرق مت کرو۔

الدین پر الف لام اس طرح کا ہے جس طرح الکتب پر ہے۔ جس طرح الکتٰب کے معنی اللہ کی کتاب کے ہیں اسی طرح الدین کے معنی اللہ کے دین کے ہیں اور اللہ کا دین شروع سے اسلام ہے۔ (ال عمران۔19) اس دین کی بنیاد توحید پر ہے۔ اس کے عقائد اور اس کی اساسات شروع سے آخر تک بالکل ایک ہیں۔ فرق اگر ہوا ہے تو جزائیاتِ شریعت میں ہوا ہے جس کو قرآن نے شرعة و منهاج کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

بعض لوگوں نے دیکھا کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہے، اور شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تم میں سے سب کے لیے ہم نے بنایا شِرْعَةً (ایک دستور) وَّ مِنْهَاجًا (ایک راستہ)۔

(المائدہ۔48)۔اس لیے انہوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ دین سے مراد شرعی احکام وضوابط نہیں ہیں بلکہ صرف توحید وآخرت اور کتاب ونبوت کا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا ہے۔ یہ ایک بڑی سطحی رائے ہے جو محض سرسری نگاہ سے دین کی وحدت اور شریعتوں کے اختلاف کو دیکھ کر قائم کرلی گئی ہے۔ اور یہ ایسی خطرناک رائے ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کردی جائے تو بات وہاں تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینٹ پال نے دین بلاشریعت کا نظریہ پیش کیا۔ اس لیے کہ جب شریعت دین سے الگ ایک چیز ہے اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے تو لامحالہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کردیں گے اور صرف ایمانیات اور اخلاقی اصولوں کو لے کر بیٹھ جائیں گے۔ اس لیے ہم خود اللہ کی کتاب سے پوچھ لیتے ہیں کہ جس دین کو قائم کرنے کا یہاں حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد صرف ایمانیات اور اخلاقیات ہی ہیں یا شرعی احکام بھی۔ (یہاں متعدد آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے صاف طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ ان احکام کو ماننا اور پابندی کرنا بھی دین ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے دیئے ہیں)۔

دراصل ساری غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ سورۃ المائدہ کی آیت۔48، کو یہ معنی پہنا دیئے گئے کہ شریعت چونکہ ہر امت کے لیے الگ تھی اور حکم صرف اس دین کو قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء کے درمیان مشترک تھا اس لیے اقامت دین کے حکم میں اقامت شریعت شامل نہیں ہے۔ حالانکہ اس آیت کو اس کے سیاق وسباق (آیات۔41 تا 50) کے ساتھ اگر کوئی پڑھے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نبی کی امت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اُس امت کے لیے دین تھی اور اس کے دورِ نبوت میں اس کی اقامت مطلوب تھی۔ اس لیے امتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دور کے لیے دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ج ۴ ص: ۴۸۸ تا ۴۹۱ سے ماخوذ)

نوٹ: 3

اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ دین میں تفرقہ برپا مت کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو اور اصرار کرے کہ اس کی بات کے ماننے ہی پر کفر وایمان کا مدار ہے پھر جو ماننے والے ہوں انہیں لے کر نہ ماننے والوں سے جدا ہوجائے۔ اس تفرقے کا اس اختلاف رائے سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دین کے احکام کو سمجھنے اور ان سے مسائل مستنبط کرنے میں فطری طور پر اہل علم کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ فروعی مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے، وہاں ائمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کر لینا، اس میں اختلافِ رائے ونظر کی بنا پر اختلاف ہونا لازمی ہے۔ اس کا اُس تفرقِ ممنوعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا اختلاف صحابۂ کرام میں خود عہد رسالت سے چلا آیا ہے اور باتفاق فقہاء رحمت ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (20 تا 24)

ترکیب

(آیت۔20)۔ كَانَ يُرِيْدُ کو اگر ماضی استمراری مانیں تو آگے نَزِدْ لَهٗ بے جوڑ ہوجاتا ہے اور ترجمہ ٹھیک نہیں بنتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر كَانَ فعل ناقص ہے اور مَنْ شرطیہ کی وجہ سے اس کا ترجمہ ماضی کے بجائے حال میں ہوگا۔ (آیت۔24) يَمْحُ اللّٰهُ میں دراصل مضارع يَمْحُوْ ہے جس کی واو گری ہوئی ہے۔ اس کا ایک امکان یہ ہوسکتا تھا کہ فَاِنْ يَّشَاءِ اللّٰهُ شرط کا پہلا جواب شرط يَخْتِمْ ہے اور يَمْحُوْ دوسرا جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو واو گرگئی۔ لیکن ایسی صورت میں آیت کا مفہوم ہوجاتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ مہر لگا دیتا آپؐ کے دل پر (لیکن مہر لگائی نہیں) اور مٹا دیتا باطل کو (لیکن مٹایا نہیں)۔ یہ مفہوم کئی لحاظ سے غلط ہے۔ اولاً یہ کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ ثانیاً یہ

کہ آگے وَيُحِقُّ الْحَقَّ بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ ایسی صورت میں يَمْحُ کا فاعل اسم ظاہر اللہ لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کو يَمْحُ الْبَاطِلَ آنا چاہیے تھا۔ اس لیے عَلٰى قَلْبِكَ پر وقف کرتے ہیں اور آگے نیا جملہ مانتے ہیں۔ ایسی صورت میں کہتے ہیں کہ يَمْحُ اللّٰهُ دراصل يَمْحُو اللّٰهُ ہے اور کسی عامل کے بغیر اس کی واو گری ہے۔ یہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے کہ اس مقام پر يَمْحُوْ کو واو کے بغیر لکھتے ہیں۔ اس طرح آگے وَيُحِقُّ الْحَقَّ سے اس کا ربط قائم ہو جاتا ہے اور پوری عبارت مربوط ہو جاتی ہے۔

(نوٹ: مذکورہ بالا بظاہر غیر ضروری طوالت کے حوالے سے طلباء اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے بزرگوں نے ایک ایک آیت کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف پر Magnifying Glass (محدب شیشہ) لگا کر بڑی باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ آیات کے مفہوم کا تعین کیا ہے۔ آج کل کچھ لوگ قرآنی آیات کو اپنے من مانے معانی پہنانا چاہتے ہیں۔ ان کا پہلا حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی نظروں میں بزرگوں کے کام کو بے وقعت قرار دیتے ہیں۔ جو طلباء محض اللہ کی رضا کے لیے قرآن کا مطالعہ کر رہے ہیں انہیں خود کو اس شیطانی حربے سے بچانا ہوگا۔)

ترجمہ

مَنْ كَانَ	يُرِيْدُ	حَرْثَ الْاٰخِرَةِ	نَزِدْ لَهٗ	فِيْ حَرْثِهٖ ۚ	وَمَنْ كَانَ
جو ہے (کہ)	وہ چاہتا ہے	آخرت کی کھیتی کو	تو ہم زیادہ کرتے ہیں اس کے لیے	اس کی کھیتی میں	اور جو ہے (کہ)

يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا	نُؤْتِهٖ	مِنْهَا	وَمَا لَهٗ	فِي الْاٰخِرَةِ	مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿٢٠﴾
وہ چاہتا ہے دنیا کی کھیتی کو	تو ہم دیتے ہیں اس کو	اس میں سے	اور نہیں ہے اس کے لیے	آخرت میں	کوئی بھی حصہ

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا	شَرَعُوْا لَهُمْ	مِّنَ الدِّيْنِ	مَا	لَمْ يَاْذَنْ	بِهِ	اللّٰهُ ؕ
کیا ان کے کچھ ایسے شریک ہیں	جنہوں نے قانون بنایا ان کے لیے	دین میں سے	اس کو	اجازت نہیں دی	جس کی	اللہ نے

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ	لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ	وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	لَهُمْ
اور اگر نہ ہوتا فیصلے کا فرمان	تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان	اور یقیناً ظالم لوگ	ان کے لیے ہی ہے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾	تَرَى	الظّٰلِمِيْنَ	مُشْفِقِيْنَ	مِمَّا كَسَبُوْا
ایک دردناک عذاب	آپ دیکھیں گے	ظالم لوگوں کو	ڈرنے والا ہوتے ہوئے	اس سے جو انہوں نے کمائی کی

وَهُوَ	وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
حالانکہ وہ	پڑنے والی ہے ان پر	اور جو لوگ ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے

فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ	لَهُمْ مَّا	يَشَآءُوْنَ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ
(وہ لوگ) جنتوں کے سبزہ زاروں میں ہوں گے	ان کے لیے وہ ہے جو	وہ لوگ چاہیں گے	اپنے رب کے پاس

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾	ذٰلِكَ الَّذِيْ	يُبَشِّرُ اللّٰهُ	عِبَادَهُ الَّذِيْنَ
یہی (سب سے) بڑا فضل ہے	یہ وہ ہے جس کی	بشارت دیتا ہے اللہ	اپنے اُن بندوں کو جو

اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ	قُلْ	لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ	عَلَيْهِ	اَجْرًا
ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	آپ کہہ دیجئے	میں نہیں مانگتا تم لوگوں سے	اس (تبلیغ کے کام) پر	کوئی اُجرت

اِلَّا الْمَوَدَّةَ	فِي الْقُرْبٰى ؕ	وَمَنْ يَّقْتَرِفْ	حَسَنَةً	نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا
مگر خیر خواہی (مروت)	قرابت (رشتہ داری) میں	اور جو ارتکاب کرتا ہے	کسی نیکی کا	تو ہم زیادہ کرتے ہیں اس کے لیے اس میں

حُسْنًا ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰى
بھلائی کو	یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	انتہائی قدر دان ہے	یا وہ لوگ کہتے ہیں	اس نے گھڑا

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ	فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ	يَخْتِمْ	عَلٰى قَلْبِكَ ؕ	وَيَمْحُ اللّٰهُ
اللہ پر ایک جھوٹ	پھر اگر چاہتا اللہ	تو وہ مہر لگا دیتا	آپؐ کے دل پر	اور مٹاتا ہے اللہ

الْبَاطِلَ	وَيُحِقُّ	الْحَقَّ	بِكَلِمٰتِهٖ ؕ	اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾
باطل کو	اور وہ ثابت کرتا ہے	سچائی کو	اپنے فرمانوں سے	یقیناً وہ جاننے والا ہے	سینوں والی (بات) کو

نوٹ: 1

آیت۔21 میں شُرَكٰٓؤُا سے مراد وشریک نہیں ہیں جن سے لوگ دعائیں مانگتے ہیں یا جن کی نذر و نیاز چڑھاتے ہیں، یا جن کے آگے پوجا پاٹ کے مراسم ادا کرتے ہیں بلکہ ان سے مراد وہ انسان ہیں جن کو لوگوں نے شریک فی الحکم ٹھہرالیا ہے۔ جن کے عقائد، نظریات اور فلسفوں پر لوگ ایمان لاتے ہیں، جن کے اخلاقی اصولوں اور تہذیب و ثقافت کے معیاروں کو قبول کرتے ہیں، جن کے مقرر کیے ہوئے قوانین اور ضابطوں کو اپنی زندگی میں اس طرح اختیار کرتے ہیں کہ گویا یہی وہ شریعت ہے جس کی پیروی ان کو کرنی چاہیے۔ یہ ایک پورا کا پورا دین ہے جو اللہ کی تشریع کے خلاف اور اس کے اذن کے بغیر ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیا اور ماننے والوں نے مان لیا۔ یہ ویسا ہی شرک ہے جیسا غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور غیر اللہ سے دعائیں مانگنا شرک ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔23۔ میں ہے کہ میں اس کام پر تم لوگوں سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوائے رشتہ داری میں مروّت کے۔ اس کی جو تفسیر جمہور مفسرین سے منقول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا اصل حق تو تم پر یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی صلاح و فلاح کے لیے میری اطاعت کرو۔ اگر میری نبوت اور رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری ہے اور قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی سے تمہیں بھی انکار نہیں ہے۔ تو میں تم سے اپنی اُس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا جو میں تمہاری تعلیم و تبلیغ کے لیے کرتا ہوں، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا تو خیال کرو۔ بات کا ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے مگر عداوت اور دشمنی سے تو کم از کم یہ قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہیے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ رشتہ داری کے حقوق کی رعایت خود ان کا اپنا فرض تھا، اس کو کسی خدمت کا معاوضہ نہیں کہا جا سکتا۔ آیت مذکورہ میں اس کو جو بلفظِ استثناء ذکر فرمایا ہے تو یہ استثناء منقطع ہے۔ (آیت۔2/البقرۃ: 34، نوٹ۔1۔ دیکھیں) (معارف القرآن)

نوٹ: 3

ایک گروہ اس کا مطلب یہ بیان کرتا ہے کہ میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے اقارب سے محبت کرو۔ پھر اس گروہ کے بعض حضرات اقارب سے تمام بنی عبدالمطلب مراد لیتے ہیں اور بعض اسے صرف حضرت علیؓ اور بی بی فاطمہؓ اور ان کی اولاد تک محدود رکھتے ہیں۔ لیکن متعدد وجوہ کے سبب یہ تفسیر قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اولاً جس وقت مکہ میں سورۂ شوریٰ نازل ہوئی، اس وقت حضرت علیؓ اور بی بی فاطمہؓ کی شادی تک نہیں ہوئی تھی، اولاد کا کیا سوال۔ اور بنی عبدالمطلب میں سب کے سب نبی ﷺ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے بلکہ ان میں سے بعض دشمنوں کے ساتھی تھے جیسے ابولہب۔ ثانیاً نبی ﷺ کے رشتہ دار صرف بنی عبدالمطلب ہی نہ تھے بلکہ قریش کے تمام گھرانوں میں آپؐ کی رشتہ داریاں تھیں۔ اور ان سب گھرانوں میں آپؐ کے بہترین صحابی بھی تھے اور بدترین دشمن بھی۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ان سب اقرباء میں سے آپؐ صرف بنی عبدالمطلب کو اپنا رشتہ دار قرار دے کر اس مطالبہ محبت کو انہی کے لیے مخصوص رکھتے۔ ثالثاً ایک نبی

جس مقام بلند پر کھڑا ہو کر دعوت الی اللہ کی پکار بلند کرتا ہے، اُس مقام سے اس کارِ عظیم کا یہ اجر مانگنا کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو، اتنی گری ہوئی بات ہے کہ کوئی صاحب ذوق سلیم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ رابعاً یہ بات اور بھی زیادہ بے موقع نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقریر کے مخاطب اہل ایمان نہیں بلکہ کفار ہیں۔ اس سلسلۂ کلام میں مخالفین سے کوئی اجر طلب کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اجر تو ان لوگوں سے مانگا جاتا ہے جن کی نگاہ میں اس کام کی کوئی قدر ہے۔ کفار تو اسے جرم سمجھ رہے تھے اور آپ کی جان کے درپے تھے۔ (تفہیم القرآن) اس لیے اصل مفہوم وہی ہے جو جمہور مفسرین نے بیان کیا ہے اور جس کا خلاصہ نوٹ۔2۔ میں دے دیا گیا ہے۔ (مرتب)

آیت نمبر (25 تا 29)

ترجمہ

وَهُوَ	الَّذِیْ	یَقْبَلُ التَّوْبَةَ	عَنْ عِبَادِهٖ	وَیَعْفُوْا	عَنِ السَّیِّاٰتِ
اور وہ	وہ ہے جو	قبول کرتا ہے توبہ کو	اپنے بندوں سے	اور وہ درگزر کرتا ہے	برائیوں سے

وَیَعْلَمُ	مَا	تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾	وَیَسْتَجِیْبُ	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا
اور وہ جانتا ہے	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	اور وہ جواب دیتا (قبول کرتا) ہے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	وَیَزِیْدُهُمْ	مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ	وَالْكٰفِرُوْنَ
اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	اور وہ زیادہ دیتا ہے ان کو	اپنے فضل سے	اور انکار کرنے والے!

لَهُمْ	عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۶﴾	وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ	الرِّزْقَ	لِعِبَادِهٖ
ان کے لیے	ایک شدید عذاب ہے	اور اگر کشادہ کر دے اللہ	روزی کو	اپنے بندوں کے لیے

لَبَغَوْا	فِی الْاَرْضِ	وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ	بِقَدَرٍ	مَّا	یَشَآءُ ؕ
تو وہ ضرور سرکشی کریں گے	زمین میں	اور لیکن وہ اتارتا ہے	ایک اندازے سے	اتنی جتنی	وہ چاہتا ہے

اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ	خَبِیْرٌۢ	بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾	وَهُوَ الَّذِیْ	یُنَزِّلُ الْغَیْثَ
یقیناً وہ اپنے بندوں کی	خبر رکھنے والا ہے	دیکھنے والا ہے	اور وہ، وہ ہے جو	اتارتا ہے بارش کو

مِنْۢ بَعْدِ مَا	قَنَطُوْا	وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ	وَهُوَ الْوَلِیُّ	الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾
اس کے بعد کہ جب	وہ لوگ مایوس ہوئے	اور وہ پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو	اور وہ ہی کارساز ہے	حمد کیا ہوا ہے

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ	خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَثَّ	فِیْهِمَا
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے	زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنا	اور وہ (بھی) جو	اس نے بکھیرا	ان دونوں میں

مِنْ دَآبَّةٍ ؕ	وَهُوَ	عَلٰی جَمْعِهِمْ	اِذَا یَشَآءُ	قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ع
چلنے والے جاندار میں سے	اور وہ	ان سب کے جمع کرنے پر	جب بھی وہ چاہے گا	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ: 1 دَابَّۃٌ لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے اختیار سے چلنے اور حرکت کرنے والی ہو۔ اس آیت میں (آیت 29) آسمان اور زمین دونوں کی طرف نسبت کر کے (فیھما) یہ کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چلنے والی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ زمین پر چلنے والی مخلوقات تو ظاہر ہیں۔ آسمان میں ان سے مراد ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانوں میں ایسے جاندار موجود ہوں جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آسکے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (30 تا 36)

ر ک د

(ن) رُكُوْدًا پانی یا ہوا کا ٹھہرنا۔

رَكِدَةٌ ج رَوَاكِدُ۔ اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والی۔ زیر مطالعہ آیت۔ 33۔

ترجمہ

وَمَآ اَصَابَكُمْ	مِّنْ مُّصِيْبَةٍ	فَبِمَا	كَسَبَتْ	اَيْدِيْكُمْ
اور جو آ لگتی ہے تم لوگوں کو	کوئی بھی آ لگنے والی (مصیبت)	تو (وہ) اس سبب سے ہے جو	کمائی کی	تمہارے ہاتھوں نے

وَيَعْفُوْا	عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾	وَمَآ اَنْتُمْ	بِمُعْجِزِيْنَ	فِي الْاَرْضِ ۚ
اور وہ (اللہ) درگزر کرتا ہے	بہتوں سے	اور تم لوگ نہیں ہو	عاجز کرنے والے	زمین میں

وَمَا لَكُمْ	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	مِنْ وَّلِيٍّ	وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾	وَمِنْ اٰيٰتِهِ
اور نہیں ہے تمہارے لیے	اللہ کے علاوہ	کوئی بھی کارساز	اور نہ کوئی مددگار	اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں

الْجَوَارِ	فِي الْبَحْرِ	كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ ؕ	اِنْ يَّشَاْ	يُسْكِنِ	الرِّيْحَ
کشتیاں	سمندر میں	پہاڑوں کی مانند	اگر وہ چاہے	تو وہ ساکن کر دے	ہوا کو

فَيَظْلَلْنَ	رَوَاكِدَ	عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ
نتیجتاً وہ (کشتیاں) ہو جائیں	ٹھہری ہوئی	اس (سمندر) کی پیٹھ پر	بیشک اس میں	یقیناً نشانیاں ہیں

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۙ ﴿٣٣﴾	اَوْ يُوْبِقْهُنَّ	بِمَا	كَسَبُوْا	
ہر ایک خوب ثابت قدم رہنے والے، بہت شکر کرنے والے کے لیے	یا وہ تباہ کر دے ان (کشتیوں) کو	بسبب اس کے جو	ان لوگوں نے کمائی کی	

وَيَعْفُ	عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ ۙ	وَّيَعْلَمَ	الَّذِيْنَ	يُجَادِلُوْنَ	فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ
اور (چاہے تو) درگزر کرے	بہتوں سے	اور (تاکہ) جان لیں	وہ لوگ جو	مناظرہ کرتے ہیں	ہماری نشانیوں میں

مَا لَهُمْ	مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾	فَمَآ اُوْتِيْتُمْ	مِّنْ شَيْءٍ
(کہ) نہیں ہے ان کے لیے	کوئی بھی بچنے کی جگہ	اور جو دی جاتی ہے تم لوگوں کو	کوئی بھی چیز

فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ	وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ	خَيْرٌ	وَّاَبْقٰى
تو (وہ) دنیوی زندگی کا سامان ہے	اور جو اللہ کے پاس ہے	(وہ) بہتر ہے	اور زیادہ باقی رہنے والا ہے

لِلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَلٰى رَبِّهِمْ	يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ﴿۳۸﴾
ان لوگوں کے لیے جو	ایمان لائے	اور اپنے رب پر ہی	جو لوگ بھروسہ کرتے ہیں

نوٹ: 1

جیسے نعمتیں ایک خاص اندازہ و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں (آیت۔ 27)، مصائب کا نزول بھی خاص اسباب وضوابط کے تحت ہوتا ہے۔ بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں کے ہی بعض اعمال وفعال ہوتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے بیمار پڑ جاتا ہے یا کبھی محلہ یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلہ یا شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لیے تنبیہ ہے۔ اور یہ اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت سے گناہوں سے درگزر کرتی ہے۔ (ترجمۂ شیخ الہند) یہ آیت۔ (آیت۔ 30) ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جن سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام، جو گناہوں سے معصوم ہیں یا نابالغ بچے اور مجنون جن سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، ان کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ اس کے دوسرے اسباب اور حکمتیں ہوتی ہیں۔ (معارف القرآن)۔

مزید توضیح کے لیے یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ مومنِ مخلص پر جو تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ سب اس کے گناہوں، خطاؤں اور کوتاہیوں کا کفارہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''مسلمان کو جو رنج، دکھ، فکر، غم، تکلیف اور پریشانی بھی پیش آتی ہے حتیٰ کہ ایک کانٹا بھی اس کو اگر چبھتا ہے تو اللہ اس کو اس کی کسی نہ کسی خطا کا کفارہ بنا دیتا ہے۔'' رہے وہ مصائب جو اللہ کی راہ میں اُس کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مومن برداشت کرتا ہے وہ محض کوتاہیوں کا کفارہ ہی نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے ہاں ترقی درجات کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (37 تا 43)

ترجمہ

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ	كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	وَالْفَوَاحِشَ	وَاِذَا مَا	غَضِبُوْا
اور جو لوگ دور رہتے ہیں	گناہ کے بڑوں سے	اور بے حیاؤں سے	اور جس وقت	وہ غضبناک ہوتے ہیں

هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ﴿۳۷﴾	وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا	لِرَبِّهِمْ	وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪
تو وہ لوگ بخش دیتے ہیں	اور جن لوگوں نے جواب دیا (حکم مانا)	اپنے رب کا	اور جنہوں نے قائم کی نماز

وَاَمْرُهُمْ	شُوْرٰى	بَيْنَهُمْ ۪	وَمِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۚ﴿۳۸﴾
اور جن کا معاملہ	مشورہ کرنا ہے	اپنے درمیان	اور اس میں سے جو	ہم نے روزی دی ان کو	وہ لوگ خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَآ	اَصَابَهُمُ	الْبَغْيُ	هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾	وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ
اور وہ لوگ کہ جب کبھی	آ لگتی ہے ان کو	زیادتی	تو وہ لوگ بدلہ لیتے ہیں	اور کسی برائی کا بدلہ

سَيِّئَةٌ	مِّثْلُهَا ۚ	فَمَنْ عَفَا	وَاَصْلَحَ	فَاَجْرُهٗ	عَلَى اللّٰهِ ؕ
ایک برائی ہے	اس کی جیسی	پھر جس نے معاف کیا	اور اصلاح کی	تو اس کا اجر	اللہ پر ہے

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ	الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾	وَلَمَنِ انْتَصَرَ	بَعْدَ ظُلْمِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ
یقیناً وہ پسند نہیں کرتا	ظلم کرنے والوں کو	اور بیشک جس نے بدلہ لیا	اپنے پر ظلم کیے جانے کے بعد	تو وہ لوگ ہیں کہ

مَا عَلَيْهِمْ	مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾	اِنَّمَا السَّبِيْلُ	عَلَى الَّذِيْنَ	يَظْلِمُوْنَ	النَّاسَ
جن پر نہیں ہے	کوئی بھی الزام	الزام تو بس	ان لوگوں پر ہے جو	ظلم کرتے ہیں	لوگوں پر

وَيَبْغُوْنَ	فِي الْاَرْضِ	بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ
اور سرکشی (دھونس دھاندلی) کرتے ہیں	زمین میں	حق کے بغیر	وہ لوگ ہیں کہ	جن کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾	وَلَمَنْ صَبَرَ	وَغَفَرَ	اِنَّ ذٰلِكَ	لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ ع
ایک دردناک عذاب ہے	اور بیشک جس نے صبر کیا	اور بخش دیا	تو وہ بیشک یہ	یقیناً معاملات کی ثابت قدمی میں سے ہے

نوٹ: 1

یہاں (آیت۔37) برائیوں کے صرف کبائر سے بچنے کا ذکر ہے۔اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ انسان خیر وشر کے دو متضاد اعیات کی کشمکش کے اندر امتحان میں ڈالا گیا ہے۔اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ اس سے یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل معصوم ہو کر زندگی گزارے۔اللہ تعالیٰ اس سے صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔اگر وہ بڑی برائیوں سے بچتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی چھوٹی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔دوسری یہ کہ چھوٹی برائیوں سے بچنے کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے کہ آدمی بڑی برائیوں سے اجتناب کرے۔جو شخص اشرفیوں کی چوری سے اجتناب کرے گا وہ دھیلے اور پیسے کی چوری کرنے والا نہیں بنے گا۔اگر اس طرح کی کوئی حرکت اس سے صادر ہوگی بھی تو سہواً ہی ہوگی، عمداً نہیں ہوگی۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے، مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا، اس نے ندامت کے ساتھ اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تو معاف کر دیا۔یہ محمود ہے۔اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو، مثلاً کوئی خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا دین کی اہانت اور جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں، وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔(ترجمۂ شیخ الہند)۔بی بی عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا۔البتہ جب اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کی ہتک کی جاتی تب آپ سزا دیتے تھے۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (44 تا 48)

وَمَنْ يُّضْلِلِ	اللّٰهُ	فَمَا لَهٗ	مِنْ وَّلِيٍّ	مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ	وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
اور جس کو بھٹکا دے	اللہ	تو نہیں ہے اس کے لیے	کوئی بھی کارساز	اس کے بعد سے	اور آپؐ دیکھیں گے ظالموں کو

لَمَّا	رَاَوُا	الْعَذَابَ	يَقُوْلُوْنَ	هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ	مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾ ج
جب	وہ لوگ دیکھیں گے	عذاب کو	تو کہیں گے	کیا لوٹانے (کے کسی امکان) کی طرف	کوئی بھی راہ ہے

وَتَرٰىهُمْ	يُعْرَضُوْنَ	عَلَيْهَا	خٰشِعِيْنَ	مِنَ الذُّلِّ
اور آپؐ دیکھیں گے ان کو	کہ وہ پیش کیے جاتے ہیں	اس (آگ) پر	عاجزی کرنے والے ہوتے ہوئے	تابعداری سے

يَنْظُرُوْنَ	مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ	وَقَالَ الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ
دیکھتے ہوئے	پوشیدہ پلک (کن انکھیوں) سے	اور کہیں گے وہ لوگ جو	ایمان لائے	یقیناً خسارہ پانے والے

الَّذِيْنَ	خَسِرُوْٓا	اَنْفُسَهُمْ	وَاَهْلِيْهِمْ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ	اَلَآ	اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
وہ لوگ ہیں جنہوں نے	خسارے میں ڈالا	اپنی جانوں کو	اور اپنے گھر والوں کو	قیامت کے دن	سن لو!	یقیناً ظالم لوگ

فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾	وَمَا كَانَ لَهُمْ	مِّنْ اَوْلِيَآءَ	يَنْصُرُوْنَهُمْ
ایک دائمی عذاب میں ہیں	اور نہیں ہیں ان کے لیے	کوئی بھی ایسے کارساز	جو مدد کریں گے ان کی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ	فَمَا لَهٗ	مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ ؕ	اِسْتَجِيْبُوْا
اللہ کے سوا	اور جس کو بھٹکا دے اللہ	تو اس کے لیے نہیں ہے	کوئی بھی راہ	تم لوگ جواب دو (کہا مانو)

لِرَبِّكُمْ	مِّنْ قَبْلِ اَنْ	يَّاْتِيَ	يَوْمٌ	لَّا مَرَدَّ	لَهٗ	مِنَ اللّٰهِ ؕ
اپنے رب کا	اس سے پہلے کہ	آئے	ایک ایسا دن	لوٹانے کا کوئی بھی امکان نہیں ہے	جس کو	اللہ (کی طرف) سے

مَا لَكُمْ	مِّنْ مَّلْجَاٍ	يَّوْمَئِذٍ	وَّمَا لَكُمْ	مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾
تمہارے لیے نہیں ہوگی	کوئی بھی پناہ گاہ	اس دن	اور تمہارے لیے نہیں ہوگا	کوئی بھی عدم عرفان (مکرنا)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا	فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ	عَلَيْهِمْ	حَفِيْظًا ؕ	اِنْ عَلَيْكَ
پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں	تو ہم نے نہیں بھیجا آپ کو	ان پر	بطور نگہبان	نہیں ہے آپ پر (ذمہ داری)

اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ	وَاِنَّآ اِذَآ	اَذَقْنَا	الْاِنْسَانَ	مِنَّا	رَحْمَةً
سوائے پہنچا دینے کے	اور بیشک جب کبھی	ہم چکھاتے ہیں	انسان کو	اپنے (پاس) سے	کوئی رحمت

فَرِحَ	بِهَا ۚ	وَاِنْ تُصِبْهُمْ	سَيِّئَةٌ	بِمَا
تو وہ خوش ہوتا ہے	اس سے	اور اگر آ لگتی ہے ان کو	کوئی برائی	بسبب اس کے جو

قَدَّمَتْ	اَيْدِيْهِمْ	فَاِنَّ الْاِنْسَانَ	كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾
آگے بھیجا	ان کے ہاتھوں نے	تو یقیناً انسان	انتہائی ناشکرا ہے

نوٹ: 1

آیت۔48۔ میں انسان سے مراد وہ چھچھورے اور کم ظرف لوگ ہیں جنہیں دنیا کا کچھ رزق مل گیا تو اس پر پھولے نہیں سماتے اور سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے تو سن کر نہیں دیتے۔ لیکن اگر کسی وقت اپنے ہی کرتوتوں کی بدولت ان کی شامت آجاتی ہے تو قسمت کو رونا شروع کر دیتے ہیں اور ان ساری نعمتوں کو بھول جاتے ہیں جو اللہ نے انہیں دی ہیں اور کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ جس حالت میں وہ مبتلا ہوئے ہیں اس میں ان کا اپنا کیا قصور ہے۔ اس طرح نہ خوشحالی ان کی اصلاح میں مددگار ہوتی ہے اور نہ بدحالی ہی انہیں سبق دے کر راہ راست پر لا سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (49 تا 53)

ترجمہ

لِلّٰهِ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	يَخْلُقُ	مَا يَشَآءُ ؕ
اللہ ہی کے لیے ہے	زمین اور آسمانوں کی بادشاہت	وہ پیدا کرتا ہے	جو وہ چاہتا ہے

يَهَبُ	لِمَنْ يَّشَآءُ	اِنَاثًا	وَّيَهَبُ	لِمَنْ يَّشَآءُ
وہ عطا کرتا ہے	اس کو جس کے لیے وہ چاہتا ہے	مؤنث (بیٹیاں)	اور وہ عطا کرتا ہے	اس کو جس کے لیے وہ چاہتا ہے

الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾	اَوْ يُزَوِّجُهُمْ	ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ	وَيَجْعَلُ	مَنْ يَّشَآءُ	عَقِيْمًا ؕ
مذکر (بیٹے)	یا وہ ملا کر دیتا ہے ان کو	مذکر اور مؤنث (بیٹے اور بیٹیاں)	اور وہ بناتا ہے	اس کو جس کو وہ چاہتا ہے	بانجھ

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ	قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾	وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ	اَنْ يُّكَلِّمَهُ	اللّٰهُ
بیشک وہ جاننے والا ہے	قدرت والا ہے	اور (ممکن) نہیں ہے کسی بشر کے لیے	کہ کلام کرے اس سے	اللہ

اِلَّا وَحْيًا	اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ	اَوْ يُرْسِلَ	رَسُوْلًا
مگر وحی ہوتے ہوئے	یا پردے کے پیچھے سے	یا (یہ کہ) وہ بھیجے	کوئی پیغامبر (فرشتہ)

فَيُوْحِيَ	بِاِذْنِهٖ	مَا يَشَآءُ ؕ	اِنَّهٗ عَلِيٌّ	حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾	وَكَذٰلِكَ
نتیجتاً وہ وحی کرے	اس کی اجازت سے	وہ، جو وہ چاہتا ہے	بیشک وہ بالاتر ہے	حکمت والا ہے	اور اس طرح

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	رُوْحًا	مِّنْ اَمْرِنَا ؕ	مَا كُنْتَ تَدْرِيْ	مَا الْكِتٰبُ
ہم نے وحی کی آپؐ کی طرف	ایک جانفزا چیز (قرآن)	اپنے حکم سے	آپؐ نہیں جانتے تھے	کیا ہے کتاب

وَلَا الْاِيْمَانُ	وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ	نُوْرًا	نَّهْدِيْ بِهٖ	مَنْ نَّشَآءُ
اور نہ (کیا ہے) ایمان	اور لیکن ہم نے بنایا اس (قرآن) کو	ایک ایسا نور	ہم ہدایت دیتے ہیں جس سے	اس کو جس کو ہم چاہتے ہیں

مِنْ عِبَادِنَا ؕ	وَاِنَّكَ	لَتَهْدِيْٓ	اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾	صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ
اپنے بندوں میں سے	اور بیشک آپؐ	یقیناً رہنمائی کرتے ہیں	ایک سیدھے راستے کی طرف	اس اللہ کے راستے کی طرف

لَهٗ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ	اَلَآ	اِلَى اللّٰهِ	تَصِيْرُ	الْاُمُوْرُ ﴿٥٣﴾ ع
جس کا ہی ہے	وہ جو آسمانوں میں ہے	اور وہ جو زمین میں ہے	سن لو!	اللہ ہی کی طرف	لوٹتے ہیں	سارے معاملات

نوٹ: 1

آیت۔52۔ میں وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا سے مراد محض آخری طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ تینوں طریقے ہیں جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئے ہیں۔ یہ بات قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو ان تینوں طریقوں سے ہدایات دی گئی ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آپؐ کے بہت سے خوابوں کا ذکر ملتا ہے جن میں آپؐ کو کوئی تعلیم دی گئی یا کسی بات پر مطلع کیا گیا اور قرآن مجید میں بھی آپؐ کے ایک خواب کا صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ (48/الفتح:27)۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ فلاں بات میرے دل میں ڈالی گئی ہے، یا مجھے یہ بتایا گیا ہے، یا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، یا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں وحی کی پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہیں اور احادیث قدسیہ بھی زیادہ تر اسی قبیل سے ہیں۔

معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو وحی کی دوسری قسم سے بھی مشرف فرمایا گیا۔ متعدد احادیث میں آپؐ کو نماز کا حکم دیئے جانے اور آپؐ کا اس پر بار بار عرض معروض کرنے کا ذکر جس طرح آیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ اور بندے (ﷺ) کے درمیان ویسا ہی مکالمہ ہوا تھا جیسا دامنِ طور میں حضرت موسیٰؑ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوا۔ رہی تیسری قسم تو اس سے متعلق خود قرآن شہادت دیتا ہے کہ اسے جبریل امین کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا گیا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

جہاں تک کتاب کا تعلق ہے اس سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نا آشنا تھے اس لیے کہ آپؐ امی تھے۔ لیکن ایمان سے آشنائی کی جو نفی کی گئی ہے یہ اس کی تفصیلات کے اعتبار سے ہے، یعنی آپؐ ایمان کے تمام لوازم و مقتضیات سے نا آشنا تھے، ورنہ انبیاء علیہم السلام تو وحی سے پہلے بھی اپنی فطرتِ سلیم کی روشنی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اجمالی ایمان ان کے اندر موجود ہوتا ہے جو وحی کی روشنی سے جگمگا کر آفتاب کی طرح ایک عالم کو منور کر دیتا ہے۔ فطرت کی روشنی اور وحی کی روشنی میں نسبت چونکہ ذرّہ اور آفتاب کی ہے اس وجہ سے اس کے مقابل میں اس کی نفی کی گئی ہے لیکن ہے وہ اسی آفتابِ تاباں کا ایک ذرّہ۔ (تدبر قرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الزخرف (43)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترجمہ

حٰمٓ ①	وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ②	اِنَّا جَعَلۡنٰہُ	قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا
۔	قسم ہے اس واضح کر دینے والی کتاب کی	بیشک ہم نے بنایا اس (کتاب مبین) کو	عربی قرآن

لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ③	وَاِنَّہٗ	فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ	لَدَیۡنَا	لَعَلِیٌّ
شاید کہ تم لوگ عقل سے کام لو	اور بیشک وہ (قرآن)	کتاب کی ماں (ماسٹر کاپی) میں ہے	ہمارے پاس	یقیناً (وہ قرآن) بلند رتبہ ہے

حَکِیۡمٌ ؕ④	اَفَنَضۡرِبُ	عَنۡکُمُ	الذِّکۡرَ	صَفۡحًا	اَنۡ کُنۡتُمۡ
پُرحکمت ہے	تو کیا ہم روک لیں گے	تم لوگوں سے	اس نصیحت کو	دیکھی ان دیکھی کرتے ہوئے	(محض اس لیے) کہ تم لوگ

قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ⑤	وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ	فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ⑥
ایک حد سے تجاوز کرنے والی قوم ہو	اور ہم نے بھیجے کتنے ہی نبی	پہلوں میں

وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ	مِّنۡ نَّبِیٍّ	اِلَّا	کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ⑦
اور نہیں پہنچا ان کے پاس	کوئی بھی نبی	سوائے اس کے کہ	وہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے

فَاَہۡلَکۡنَاۤ	اَشَدَّ مِنۡہُمۡ	بَطۡشًا	وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ⑧
تو ہم نے ہلاک کیا	ان میں سے زیادہ سخت کو	بلحاظ گرفت کرنے کے	اور گزر چکی اگلے لوگوں کی مثال

نوٹ: 1

اُمِّ الۡکِتٰبِ سے مراد وہ اصل کتاب ہے جس سے تمام انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں ماخوذ ہیں۔ اسی کو سورۂ واقعہ میں کتاب مکنون (پوشیدہ اور محفوظ کتاب) کہا گیا ہے اور سورۂ بروج میں اس کے لیے لوحِ محفوظ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں یعنی ایسی لوح جس کا لکھا مٹ نہیں سکتا اور جو ہر قسم کی دراندازی سے محفوظ ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

یہاں قرآن کو عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ کہا گیا ہے۔ پچھلی سورہ میں یہی صفت آیت۔ 51۔ میں اللہ تعالیٰ کے لیے آئی ہے اور وحی قرآن کے بیان ہی کے سلسلہ میں آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کلام اپنے صاحب کلام کی صفات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ہے اس وجہ سے اس کا کلام بھی عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (9 تا 17)

ترجمہ

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ	مَّنۡ خَلَقَ	السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	لَيَقُوۡلُنَّ
اور اگر آپؐ پوچھیں ان سے	کس نے پیدا کیا	آسمانوں اور زمین کو	تو وہ سب لازماً کہیں گے

خَلَقَهُنَّ	الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴿۹﴾	الَّذِىۡ	جَعَلَ	لَـكُمُ الۡاَرۡضَ	مَهۡدًا
پیدا کیا ان سب کو	اس بالادست باخبر نے	جس نے	بنایا	تمہارے لیے زمین کو	ایک بچھونا

وَّجَعَلَ لَـكُمۡ فِيۡهَا	سُبُلًا	لَّعَلَّكُمۡ	تَهۡتَدُوۡنَ ۚ﴿۱۰﴾	وَالَّذِىۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ
اور اس نے بنائے تمہارے لیے اس (زمین) میں	کچھ راستے	شاید کہ تم لوگ	راہ پاؤ	اور جس نے اتارا آسمان سے

مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ	فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ	بَلۡدَةً مَّيۡتًا ۚ	كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾
کچھ پانی ایک اندازے سے	پھر ہم نے زندہ کیا اس سے	ایک مردہ بستی کو	اسی طرح تم لوگ نکالے جاؤ گے

وَالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ	كُلَّهَا	وَجَعَلَ لَـكُمۡ	مِّنَ الۡفُلۡكِ	وَالۡاَنۡعَامِ
اور جس نے بنائے جوڑے	ان کے سب کے	اور اس نے بنایا تمہارے لیے	کشتیوں میں سے	اور چوپایوں میں سے

مَا	تَرۡكَبُوۡنَ ۙ﴿۱۲﴾	لِتَسۡتَوٗا	عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ	ثُمَّ	تَذۡكُرُوۡا
اس کو جس پر	تم لوگ سوار ہوتے ہو	تاکہ تم لوگ جم کر بیٹھو	ان کی پیٹھوں پر	پھر	تاکہ تم لوگ یاد کرو

نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ	اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ	وَتَقُوۡلُوۡا	سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ	سَخَّرَ لَنَا هٰذَا
اپنے رب کی نعمت کو	جب تم لوگ بیٹھ جاؤ ان پر	اور تاکہ تم لوگ کہو	پاکیزگی اس کی ہے جس نے	مطیع کیا ہمارے لیے اس کو

وَمَا كُنَّا لَهٗ	مُقۡرِنِيۡنَ ۙ﴿۱۳﴾	وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا	لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾	وَجَعَلُوۡا
اور ہم نہیں تھے اس کو	باندھنے والے (قابو پانے والے)	اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف ہی	یقیناً پلٹنے والے ہیں	اور انہوں نے بنایا

لَهٗ	مِنۡ عِبَادِهٖ	جُزۡءًا ؕ	اِنَّ الۡاِنۡسَانَ	لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۧ﴿۱۵﴾
اس کے لیے	اس کے بندوں میں سے	ایک ٹکڑا (ایک اولاد)	بیشک انسان	یقیناً کھلا کھلا انتہائی ناشکرا ہے

اَمِ اتَّخَذَ	مِمَّا يَخۡلُقُ	بَنٰتٍ	وَّاَصۡفٰىكُمۡ	بِالۡبَنِيۡنَ ﴿۱۶﴾
یا اس نے بنایا (اپنے لیے)	اس میں سے جو وہ پیدا کرتا ہے	کچھ بیٹیاں	اور اس نے چن لیا تم کو	بیٹوں کے لیے

وَاِذَا بُشِّرَ	اَحَدُهُمۡ	بِمَا ضَرَبَ	لِلرَّحۡمٰنِ
اور جب بشارت دی جاتی ہے	ان کے کسی ایک کو	اس کی جو اس نے بیان کیا	رحمان کے لیے

مَثَلًا	ظَلَّ	وَجْهُهٗ	مُسْوَدًّا	وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾
بطور مثال کے	تو ہو جاتا ہے	اس کا چہرہ	سیاہ پڑنے والا	اس حال میں کہ وہ غم زدہ ہے

نوٹ: 1

آیت۔14۔ میں جوڑوں سے مراد صرف نوعِ انسانی کے زن و مرد اور حیوانات و نباتات کے نر و مادہ ہی نہیں ہیں بلکہ دوسری بیشمار چیزیں بھی ہیں جن کو خالق نے ایک دوسرے کا جوڑ بنایا ہے اور جن کے اختلاط یا امتزاج سے دنیا میں نئی نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ مثلاً بجلی میں منفی اور مثبت بجلیاں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں اور ان کی باہمی کشش ہی دنیا میں عجیب عجیب کرشموں کا موجب بن رہی ہے۔ یہ اور دوسرے اَن گنت جوڑے جو قسم قسم کی مخلوقات کے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، ان کی ساخت اور ان کی باہمی مناسبتوں اور ان کے تعامل کی گوناگوں شکلوں اور ان کے ملنے سے پیدا ہونے والے نتائج پر اگر انسان غور کرے تو اس کا دل یہ گواہی دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ سارا کارخانۂ عالم کسی ایک زبردست صانع حکیم کا بنایا ہوا ہے اور اسی کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

انسان کی سواریاں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جنہیں انسان اپنی صنعت و حرفت سے بناتا ہے اور دوسرے وہ حیوانات جن کی تخلیق میں انسانی صنعت کا کوئی دخل نہیں۔ کشتیوں سے سواریوں کی پہلی قسم مراد ہے اور چوپایوں سے دوسری اسم۔ مقصد یہ ہے کہ انسانی استعمال کی تمام سواریاں، خواہ ان کی تیاری میں انسانی صنعت کو دخل ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ چوپایوں کا نعمت ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح وہ سواریاں بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں جن کی تیاری میں انسانی صنعت کو دخل ہے۔ ہوائی جہاز سے لے کر معمولی سائیکل تک اگرچہ انسان نے خود بنائی ہیں لیکن ان کی صنعت کے طریقے سمجھانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے؟ وہ قادرِ مطلق ہی تو ہے جس نے انسانی دماغ کو وہ صلاحیت عطا کی ہے جو لوہے کو موم بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی صنعت میں جو خام مواد پیدا ہوتا ہے، وہ اور اس کے خواص و آثار تو براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہی تخلیق ہیں۔

ایک کافر اور مومن میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں لیکن کافر انہیں غفلت سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے انعامات کو مستحضر کر کے اپنا سر نیاز اس کے حضور جھکا دیتا ہے۔ اسی مقصد سے قرآن و حدیث میں مختلف کاموں کی انجام دہی کے وقت دعائیں تلقین کی گئی ہیں اور اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنا لے تو اس کا ہر مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے۔ یہ دعائیں ''حصن حصین'' اور ''مناجات مقبول'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا سے لَمُنْقَلِبُوْنَ تک سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی دعا ہے۔ چنانچہ متعدد روایات میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر بیٹھتے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (18 تا 25)

اَوَمَنْ	يُّنَشَّؤُا	فِي الْحِلْيَةِ	وَهُوَ فِي الْخِصَامِ	غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾
اور کیا وہ (اولاد) جس کی	پرورش کی جاتی ہے	زیور میں	اور وہ حجت بازی میں	وضاحت کے بغیر ہے

وَجَعَلُوا	الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ	هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ	اِنَاثًا ؕ	اَشَهِدُوْا
اور انہوں نے بنایا	ان فرشتوں کو جو کہ	رحمان کے بندے ہی ہیں	مؤنث	کیا وہ موقعہ پر موجود تھے

خَلْقَهُمْ ؕ	سَتُكْتَبُ	شَهَادَتُهُمْ	وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾	وَقَالُوْا
ان کے پیدا کیے جانے کے	لکھ لی جائے گی	ان کی گواہی	اور ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی	اور انہوں نے کہا

لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ	مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ	مَا لَهُمْ	بِذٰلِكَ	مِنْ عِلْمٍ ۚ	اِنْ هُمْ اِلَّا
اگر چاہتا رحمان	تو ہم بندگی نہ کرتے ان کی	نہیں ہے ان کے لیے	اس کے بارے میں	کوئی بھی علم	نہیں ہیں وہ مگر

يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ	اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ	كِتٰبًا	مِّنْ قَبْلِهٖ	فَهُمْ بِهٖ
اٹکل لگاتے ہیں	یا ہم نے دی ان کو	کوئی کتاب	اس (قرآن) سے پہلے	تو وہ اس سے

مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾	بَلْ قَالُوْٓا	اِنَّا وَجَدْنَآ	اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ
چمٹنے والے ہیں	بلکہ انہوں نے کہا	بیشک ہم نے پایا	اپنے آباء واجداد کو ایک دین پر

وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾	وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا	مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ
اور بیشک ہم ان کے نقوشِ قدم پر ہی	ہدایت پانے والے ہیں	اور اسی طرح ہم نے نہیں بھیجا	آپؐ سے پہلے کسی بستی میں

مِّنْ نَّذِيْرٍ	اِلَّا	قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ	اِنَّا وَجَدْنَآ	اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ
کوئی بھی خبردار کرنے والا	مگر یہ کہ	کہا اس کے خوشحال لوگوں نے	بیشک ہم نے پایا	اپنے آباء واجداد کو ایک دین پر

وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾	قٰلَ	اَوَ لَوْ	جِئْتُكُمْ
اور بیشک ہم ان کے نقوشِ قدم کی ہی	پیروی کرنے والے ہیں	کہا (منذر نے)	تو کیا اگر	میں لاؤں تمہارے پاس

بِاَهْدٰى مِمَّا	وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ	اٰبَآءَكُمْ ؕ	قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ	اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
اس سے زیادہ ہدایت والی	تم لوگ پاتے ہو جس پر	اپنے آباء واجدا کو	ان لوگوں نے کہا بیشک ہم اس کا	تم لوگ بھیجے گئے جس کے ساتھ

كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾	فَانْتَقَمْنَا	مِنْهُمْ	فَانْظُرْ	كَيْفَ كَانَ	عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع
انکار کرنے والے ہیں	تو ہم نے انتقام لیا	ان سے	تو آپؐ دیکھیں	کیسا تھا	جھٹلانے والوں کا انجام

نوٹ: 1

آیت۔18۔ میں اس احساس کی تعبیر ہے جو لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر اہل عرب کے دل میں پیدا ہوتا۔ وہ اس سوچ میں پڑ جاتے کہ کیا وہ وجود میں آئی ہے جو زیوروں میں پلتی ہے (یعنی شمشیر زنی نہیں کرتی) اور مفاخرت کے مقابلوں میں بے زبان ہے اور عرب جاہلیت میں ان دونوں ہی چیزوں کے ریسا تھے۔ ان کے ہاں آئے دن جنگیں بھی برپا ہوتیں اور مفاخرت کے مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عورت ان دونوں ہی میدانوں میں فروتر تھی۔ اس وجہ سے اہل عرب کی نگاہوں میں اس کی کچھ زیادہ اہمیت نہ تھی۔ اور یہ بات کچھ اہل عرب کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ اس زمانے میں بھی عورت کو جو اہمیت حاصل ہوئی ہے وہ نمائش کی مجالس ہی میں ہوئی ہے۔ مبازرت اور مفاخرت کے اعتبار سے تو آج بھی وہ وہیں ہے جہاں عرب جاہلیت کے دور میں تھی۔ یہ امر یہاں اچھی طرح ملحوظ رہے کہ عورت پر یہ تبصرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان اہل عرب کی طرف سے ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ (تدبر قرآن)

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت ایسی ہے کہ وہ مافی الضمیر کو قوت اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے پر مردوں کے برابر قادر نہیں ہوتی۔ لیکن یہ حکم اکثریت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اگر کچھ عورتیں سلیقۂ گفتار کی مالک ہوں اور اس معاملہ میں مردوں سے بھی بڑھ جائیں تو اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ حکم اکثریت پر لگتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

مشرکین یہ دلیل پیش کرتے ہیں تھے کہ ہمارا فرشتوں کو پوجنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کو ان کی عبادت کرنا پسند ہے۔ اگر یہ چیز اس کو پسند نہ ہوتی تو اس کی قدرت میں تو سب کچھ ہے۔ وہ اس کو روک دیتا اور ہم ان کی عبادت نہ کر پاتے۔ جواب میں فرمایا کہ اس بارے میں ان کو کوئی

علم نہیں ہے یہ محض اٹکل پچّو باتیں کرتے ہیں۔ خدا کی پسند یا ناپسند کو جاننے کا یہ ذریعہ نہیں ہے کہ کسی شخص یا گروہ کو کسی برائی کو کرنے کی ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اگر یہ کوئی دلیل ہے تو یہ دلیل ہر چور اور ہر بدمعاش اپنی چوری اور بدمعاشی کے جواز میں پیش کر سکتا ہے۔ خدا کی پسند اور ناپسند کے جاننے کا باوثوق ذریعہ اس کی کتابیں اور اس کے نبیوں کی تعلیمات ہیں۔ تو کیا اس قرآن سے پہلے ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس کو وہ سند میں پیش کر سکتے ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے تو آخر وہ کس سند پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کو خدا کی تائید حاصل ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (26 تا 35)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ	لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ	اِنَّنِيْ بَرَآءٌ	مِّمَّا
اور جب کہا ابراہیمؑ نے	اپنے والد سے اور اپنی قوم سے	یقیناً میں بیزار ہوں	اس سے جس کی

تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲۶﴾	اِلَّا الَّذِيْ	فَطَرَنِيْ	فَاِنَّهٗ	سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾	وَجَعَلَهَا
تم لوگ بندگی کرتے ہو	سوائے اس کے جس نے	وجود بخشا مجھ کو	تو یقیناً وہ	ہدایت دے گا مجھ کو	اور انہوںؑ نے بنایا اس (اعلان برأت) کو

كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً	فِيْ عَقِبِهٖ	لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾	بَلْ مَتَّعْتُ
ایک باقی رہنے والی بات (روایت)	اپنے پچھلوں (اولاد) میں	شاید (تاکہ) وہ لوگ لوٹیں	بلکہ میں نے فائدہ اٹھانے دیا

هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ	حَتّٰى جَآءَهُمُ	الْحَقُّ	وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾
ان لوگوں کو اور ان کے آباء واجداد کو	یہاں تک کہ آیا ان کے پاس	یہ حق (قرآن)	اور ایک واضح کرنے والا رسول

وَلَمَّا جَآءَهُمُ	الْحَقُّ	قَالُوْا	هٰذَا سِحْرٌ	وَّاِنَّا بِهٖ	كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
اور جب آیا ان کے پاس	یہ حق	تو انہوں نے کہا	یہ جادو ہے	اور بیشک ہم اس کا	انکار کرنے والے ہیں

وَقَالُوْا	لَوْلَا	نُزِّلَ	هٰذَا الْقُرْاٰنُ	عَلٰى رَجُلٍ	مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
اور انہوں نے کہا	کیوں نہیں	اتارا جاتا	اس قرآن کو	کسی ایسے مرد پر جو	ان دو بستیوں میں سے

عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾	اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ	رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ	نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ
عظیم ہے	کیا یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں	آپؐ کے رب کی رحمت کو	ہم نے ہی تقسیم کیا ان کے مابین

مَّعِيْشَتَهُمْ	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	وَرَفَعْنَا	بَعْضَهُمْ	فَوْقَ بَعْضٍ	دَرَجٰتٍ
ان کی روزی کو	اس دنیوی زندگی میں	اور ہم نے بلند کیا	ان کے کسی کو	کسی کے اوپر	بلحاظ درجات کے

لِّيَتَّخِذَ	بَعْضُهُمْ	بَعْضًا	سُخْرِيًّا ؕ	وَرَحْمَتُ رَبِّكَ	خَيْرٌ	مِّمَّا
تاکہ بنائے	ان کا کوئی	کسی کو	کام آنے والا	اور آپؐ کے رب کی رحمت	زیادہ بھلی ہے	اس سے جو

يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾	وَلَوْلَآ	اَنْ يَّكُوْنَ	النَّاسُ	اُمَّةً وَّاحِدَةً	لَّجَعَلْنَا
یہ لوگ جمع کرتے ہیں	اور اگر نہ ہوتا	کہ ہو جائیں گے	لوگ	ایک (ہی) امت	تو ہم ضرور بناتے

لِمَنْ يَّكْفُرُ	بِالرَّحْمٰنِ	لِبُيُوْتِهِمْ	سُقُفًا	مِّنْ فِضَّةٍ
اس کے لیے جو انکار کرتا ہے	رحمان کا	ان کے گھروں کے لیے	چھتوں کو	چاندی سے

وَّمَعَارِجَ	عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾	وَلِبُيُوْتِهِمْ	اَبْوَابًا وَّسُرُرًا
اور سیڑھیوں کو (بھی)	جس پر وہ لوگ چڑھتے ہیں	اور ان کے گھروں کے لیے	دروازوں اور تختوں کو (بھی)

عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾	وَزُخْرُفًا ؕ	وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ	لَمَّا
جس پر یہ لوگ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں	اور سونے کا (بھی کر دیتے)	اور نہیں یہ سب کچھ	مگر

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ	وَالْاٰخِرَةُ	عِنْدَ رَبِّكَ	لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع
اس دنیوی زندگی کا سامان	اور آخرت	آپؐ کے رب کے پاس	تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے

نوٹ: 1

گزشتہ آیات میں باری تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ مشرکین عرب کے پاس اپنے شرک پر سوائے اپنے باپ دادوں کی رسوم کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ واضح عقلی اور نقلی دلیلوں کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید پر اصرار کرنا حق وانصاف سے کس قدر بعید ہے۔ اب ان آیات (26 تا 28) میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر اپنے آباء واجداد ہی کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیمؑ کے راستے پر کیوں نہیں چلتے، جن کے ساتھ نسبی وابستگی کو تم خود اپنے لیے سرمایۂ فخر سمجھتے ہو۔ وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے بلکہ ان کا طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ کھلے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کی ساری قوم اپنے آباء واجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی، لیکن انہوں نے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے بجائے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محض اپنے عقیدے اور عمل کا درست کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ غلط عقائد واعمال سے اپنی برأت کا اظہار بھی ضروری ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔32۔ کے حوالہ سے یہ امر واضح رہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح کا رکھا ہے کہ اس میں ہر شخص دوسروں کا محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی۔ یہاں کوئی شخص بھی دوسروں سے مستغنی نہیں اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ معاشرہ میں کسی نہ کسی پہلو سے اس کو افادیت نہ ہو۔ خالق کائنات نے ہر شخص کو ایک ہی درجے کی صلاحیت، ایک ہی طرح کا ذوق اور ایک ہی حیثیت کے وسائل وذرائع کے ساتھ نہیں پیدا کیا بلکہ ان اعتبارات سے لوگوں کے درمیان تفاوت رکھا ہے۔ یہ تفاوت معاشرہ کی تشکیل اس طرح کرتا ہے کہ اس میں ایک طرف عالم، مصنف، محقق اور حکمران بھی پیدا ہوتے ہیں، دوسری طرف مزدور، حاضر خدمت رہنے والے خادم، گلیاں اور نالیاں صاف کرنے والے خاکروب بھی اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سارے طبقات معاشرہ کی تشکیل کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان سب کی خدمت کی نوعیت الگ ہے مگر ان میں سے کوئی عنصر بھی نہ حقیر ہے اور نہ ان میں سے کسی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کو درجات ومراتب کے اس فرق کے ساتھ پیدا کر کے اللہ تعالیٰ امتحان کر رہا ہے کہ جو لوگ اعلیٰ صلاحیتوں اور بہتر وسائل کے امین بنائے گئے ہیں وہ ان کو پا کر غرور، خودسری اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا اس کے شکر گزار وفرمانبردار اور اس کی خلق کے غمگسار ہوتے ہیں اسی طرح وہ ان لوگوں کو بھی دیکھ رہا ہے جو فروتر اور کمتر وسائل کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں کہ وہ اپنے اپنے دائرہ کار

میں اپنے فرائض کو پہچاننے اور اپنے خالق سے ڈرنے والے اور اپنی خودداری کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں یا اپنے فرائض چھوڑ کر حاکموں اور افسروں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ اگر پہلی صورت وجود میں آتی ہے تو اعلیٰ اور ادنیٰ کے صالح تعاون سے صالح معاشرہ اور صالح تمدن وجود میں آتا ہے اور اس کے تمام اجزاء بلا امتیاز، بلا امتیاز اعلیٰ اور ادنیٰ اس دنیا میں بھی عزت پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ہر ایک اپنی اپنی حسن نیت کے مطابق صلہ پائے گا۔ اگر دوسری شکل ہوتی ہے تو معاشرہ کا نظام بتدریج مائل بہ فساد ہونا شروع ہوتا ہے اور بالآخر فنا ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے تمام چھوٹے بڑے عناصر اپنی اپنی غفلت کے مطابق عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اس زمانے میں جو لوگ دنیا سے طبقات کے وجود کو ختم کرنا چاہتے ہیں وہ اس ارادے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک وہ لوگوں کو ذہنی، طبعی اور عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے مساوی درجہ کا بنانے میں کامیاب نہ ہو جائیں اور یہ چیز محال ہے۔ اور اگر وہ اس محال کو ممکن بنانے میں کامیاب ہو گئے یعنی انہوں نے پوری قوم کو ذہنی و مادی قوتوں کے اعتبار سے ایک درجہ پر کر دیا تو اسی دن باہمی تعاون کی بنیاد ختم ہو جائے گی اور قوم میں انارکی پھیل جائے گی۔ جب ہر شخص لینن اور اسٹالن بننے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لے گا تو آخر وہ لینن یا ماؤ کا ڈرائیور یا ان کے جوتوں پر پالش کرنے والا خدمت گار کیوں بنے گا۔ پھر تو ہر شخص خداوند ہی بننے کی کوشش کرے گا اور اتنے خداؤں کی کشمکش میں دنیا کا جو حشر ہو گا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (36 تا 45)

وَمَنْ يَّعْشُ	عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ	نُقَيِّضْ لَهٗ	شَيْطٰنًا
اور جو جی چراتا ہے	رحمان کے ذکر سے	تو ہم تعینات کرتے ہیں اس کے لیے	ایک شیطان کو

فَهُوَ لَهٗ	قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾	وَاِنَّهُمْ	لَيَصُدُّوْنَهُمْ	عَنِ السَّبِيْلِ
پھر وہ اس کا ہی	ساتھی ہے	اور بیشک وہ سب (شیطان)	یقیناً روکتے ہیں ان سب (جی چرانے والوں) کو	اصل راہ سے

وَيَحْسَبُوْنَ	اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾	حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا	قَالَ يٰلَيْتَ
اور وہ (جی چرانے والے) لوگ گمان کرتے ہیں	کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں	یہاں تک کہ جب وہ آئے گا ہمارے پاس	تو کہے گا اے کاش

بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ	بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ	فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾
میرے درمیان اور تیرے درمیان	دو مشرقوں (یعنی مشرق و مغرب) کی دوری ہوتی	تو کتنا برا ہے ساتھی

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ	الْيَوْمَ	اِذْ ظَّلَمْتُمْ	اَنَّكُمْ	فِي الْعَذَابِ	مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾
اور ہرگز نفع نہیں دے گی تم کو	آج کے دن	جبکہ تم سب نے ظلم کیا	(یہ بات) کہ تم سب	عذاب میں	شریک ہونے والے ہو

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ	الصُّمَّ	اَوْ تَهْدِى	الْعُمْىَ	وَمَنْ كَانَ	فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾
تو کیا آپؐ سنائیں گے	بہروں کو	یا آپؐ راہ سجھائیں گے	اندھوں کو	اور اس کو جو ہو	کھلی گمراہی میں

فَاِمَّا	نَذْهَبَنَّ بِكَ	فَاِنَّا مِنْهُمْ	مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾	اَوْ نُرِيَنَّكَ
پھر یا تو	ہم لے ہی جائیں آپ کو	پھر بیشک ہم ان سے	انتقام لینے والے ہیں	یا ہم دکھا ہی دیں آپ کو

الَّذِیْ	وَعَدْنٰهُمْ	فَاِنَّا عَلَیْهِمْ	مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾	فَاسْتَمْسِكْ
وہ جو	ہم نے وعدہ کیا ان سے	تو بیشک ہم ان پر	پوری طرح قابو یافتہ ہیں	تو آپؐ چمٹے رہیں

بِالَّذِیْۤ	اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ	اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾	وَاِنَّهٗ	لَذِكْرٌ
اس سے جو	وحی کا ی گیا آپؐ کی طرف	یقیناً آپؐ ایک سیدھی راہ پر ہیں	اور بیشک یہ (قرآن)	یقیناً ایک یاددہانی ہے

لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ	وَسَوْفَ	تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾	وَسْـَٔلْ	مَنْ اَرْسَلْنَا
آپؐ کے لیے اور آپؐ کی قوم کے لیے	اور عنقریب	تم سب سے پوچھ گچھ کی جائے گی	اور آپؐ پوچھ لیں	ان سے جن کو ہم نے بھیجا

مِنْ قَبْلِكَ	مِنْ رُّسُلِنَاۤ	اَجَعَلْنَا	مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ	اٰلِهَةً	یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾
آپؐ سے پہلے	ہمارے رسولوں میں سے	کیا ہم نے (کبھی) بنایا	رحمان کے علاوہ	کچھ ایسے اِلٰہ جن کی	بندگی کی جائے

نوٹ: 1

عربی میں کبھی کبھی دو متعلقہ چیزوں میں سے کسی ایک کا تثنیہ بول کے دونوں چیزیں مراد لیتے ہیں۔ جیسے قَمَرَانِ کا مطلب ہے چاند اور سورج۔ بَصْرَانِ کا مطلب ہے بصرہ اور کوفہ۔ اسی طرح مشرقانِ کا مطلب ہے مشرق اور مغرب۔ آیت۔38۔ کے ترجمہ میں اسی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

نوٹ: 2

آیات۔36۔37۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی نصیحت یعنی قرآن اور وحی سے جان بوجھ کر اعراض کرے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو دنیا میں اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اسے نیکیوں سے روک کر برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے اعراض کی اتنی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے کہ انسان کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور شیاطین، خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے، اس کو بھلائیوں سے دور اور برائیوں سے قریب کرتے رہتے ہیں۔ وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (46 تا 56)

ترجمہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى	بِاٰیٰتِنَاۤ	اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
اور یقیناً ہم بھیج چکے موسیٰؑ کو	اپنی نشانیوں کے ساتھ	فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف

فَقَالَ اِنِّیْ	رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾	فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَاۤ	اِذَا هُمْ
تو انہوں نے کہا کہ میں	تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں	پھر جب وہؑ آئے ان کے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ	جب ہی وہ سب

مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾	وَمَا نُرِیْهِمْ	مِّنْ اٰیَةٍ	اِلَّا	هِیَ اَكْبَرُ
ان پر ہنستے تھے	اور ہم نہیں دکھاتے تھے ان لوگوں کو	کوئی بھی نشانی	سوائے اس کے کہ	وہ زیادہ بڑی ہوتی تھی

مِنْ اُخْتِهَا ۫	وَاَخَذْنٰهُمْ	بِالْعَذَابِ	لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾	وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ
اپنی بہن سے	اور ہم نے پکڑا ان سب کو	عذاب سے	شاید کہ وہ لوگ رجوع کریں	اور ان لوگوں نے کہا اے جادوگر

ادْعُ لَنَا	رَبَّكَ	بِمَا	عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ	اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾
تو پکار (دعا کر) ہمارے لیے	اپنے رب کو	اس کے ساتھ جو	اس نے عہد لیا تجھ سے	بیشک ہم یقیناً ہدایت پانے والے ہیں

فَلَمَّا كَشَفْنَا	عَنْهُمُ الْعَذَابَ	اِذَا هُمْ	يَنْكُثُوْنَ ﴿٥٠﴾	وَنَادٰى فِرْعَوْنُ
پھر جب ہم کھول دیتے	ان سے عذاب کو	جب ہی وہ لوگ	عہد شکنی کرتے	اور ندا دی فرعون نے

فِيْ قَوْمِهٖ	قَالَ يٰقَوْمِ	اَلَيْسَ لِيْ	مُلْكُ مِصْرَ	وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ
اپنی قوم میں	اس نے کہا اے میری قوم	کیا نہیں ہے میرے لیے	مصر کی حکومت	اور یہ نہریں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾ ؕ	اَمْ اَنَا خَيْرٌ
جو بہتی ہیں میرے (محل کے) نیچے سے	تو کیا تم لوگوں کو سجھائی نہیں دیتا	(کیا وہ بہتر ہے) یا میں بہتر ہوں

مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ	هُوَ مَهِيْنٌ ۙ	وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿٥٢﴾	فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ
اس سے جو (کہ)	وہی بے وقعت ہے	اور لگتا نہیں کہ وہ واضح کرے	تو کیوں نہیں ڈالے (اتارے) گئے اس پر

اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ	اَوْ جَآءَ مَعَهُ	الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿٥٣﴾	فَاسْتَخَفَّ
کچھ کنگن سونے میں سے	یا (کیوں نہیں) آئے اس کے ساتھ	فرشتے حاضر رہنے والے ہوتے ہوئے	تو اس نے مت ماردی

قَوْمَهٗ	فَاَطَاعُوْهُ ؕ	اِنَّهُمْ كَانُوْا	قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٤﴾
اپنی قوم کی	پھر انہوں نے اطاعت کی اس کی	بیشک وہ لوگ تھے ہی	ایک نافرمانی کرنے والی قوم

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا	انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ	فَاَغْرَقْنٰهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾ ۙ
پھر جب انہوں نے غصہ دلایا ہم کو	تو ہم نے انتقام لیا ان سے	پھر ہم نے غرق کر دیا ان کو	سب کے سب کو

فَجَعَلْنٰهُمْ	سَلَفًا	وَّمَثَلًا	لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ ع
پھر ہم نے بنایا ان کو	ایک گزری ہوئی چیز	اور ایک مثال	آخری لوگوں کے لیے

نوٹ: 1

ان آیات میں بالا جمال حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کی سرگزشت بیان ہوئی ہے، جس سے مقصود اُس انتقام الٰہی کی تاریخی شہادت پیش کرنا ہے جس کا اذکر آیات۔ 41۔42۔ میں ہوا ہے کہ رسول کی تکذیب کے بعد اس کی قوم کا فیصلہ لازماً ہو جاتا ہے، خواہ رسول کی زندگی میں ہو یا اس کی ہجرت یا موت کے بعد۔ اللہ کا یہ انتقام اس کی ایک مقررہ سنت ہے جس کی گرفت سے کوئی قوم بھی نہیں بچی۔ اس کے علاوہ ان آیات میں اس حقیقت کی عملی مثال بھی ہے جو آیت۔ 40۔ میں بیان ہوئی کہ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں برباد کر کے اور جان بوجھ کر گمراہی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں ان کو کسی نشانی سے بھی ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ وہ بڑے سے بڑے معجزات دیکھنے کے بعد بھی اندھے ہی بنے رہتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

قدیم زمانے میں جب کسی شخص کو کسی علاقہ کا گورنر یا کسی غیر ملک کا سفیر مقرر کیا جاتا تھا تو بادشاہ کی طرف سے اسے خلعت عطا ہوتی تھی جس میں سونے کے کڑے یا کنگن بھی شامل ہوتے تھے۔ اور اس کے ساتھ سپاہیوں، چوبداروں اور خادموں کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا تا کہ اس کا دبدبہ قائم ہو اور اس بادشاہ کی شان و شوکت کا اظہار ہو جس کی طرف سے وہ مامور ہو کر آیا ہے۔ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ اگر واقعی موسیٰ ؑ کو آسمان کے بادشاہ نے اپنی جانب سے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تو اسے خلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پَرے کے پَرے اس کے ساتھ آئے ہوتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ملنگ ہاتھ میں لاٹھی لیے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (57 تا 65)

ترجمہ

وَلَمَّا ضُرِبَ	ابْنُ مَرْيَمَ	مَثَلًا	اِذَا قَوْمُكَ	مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾
اور جب بیان کیا جاتا ہے	بی بی مریم کے بیٹے کا	بطور مثال کے	تب ہی آپؐ کی قوم	اس سے شور مچاتی ہے

وَقَالُوْٓا	ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ	اَمْ هُوَ ؕ	مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ	اِلَّا جَدَلًا ؕ
اور وہ لوگ کہتے ہیں	کیا ہمارے اِلٰہ بہتر ہیں	یا وہ (عیسیٰؑ)	وہ لوگ نہیں بیان کرتے اس (رسول) کو آپؐ سے	مگر مناظرہ کرنے کے لیے

بَلْ هُمْ قَوْمٌ	خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾	اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ	اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ
بلکہ یہ ولگ ایک ایسی قوم ہیں	جو جھگڑالو ہے	نہیں ہے وہ مگر ایک بندہ	ہم نے انعام کیا جس پر

وَجَعَلْنٰهُ	مَثَلًا	لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ؕ	وَلَوْ نَشَآءُ	لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
اور ہم نے بنایا اس کو	ایک مثال (نمونہ اپنی قدرت کا)	بنی اسرائیل کے لیے	اور اگر ہم چاہتے	تو ہم ضرور بناتے تم میں سے

مَّلٰٓئِكَةً	فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾	وَاِنَّهٗ	لَعِلْمٌ	لِّلسَّاعَةِ
کچھ ایسے فرشتے جو	زمین میں جانشین ہوتے	اور (آپؐ کہیے) بیشک وہ (عیسیٰؑ)	یقیناً ایک علم (خبر) ہیں	اس گھڑی (قیامت) کے لیے

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا	وَاتَّبِعُوْنِ ؕ	هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾	وَلَا يَصُدَّنَّكُمْ
تو تم لوگ ہرگز شک مت کرو اس میں	اور تم لوگ پیروی کرو میری	یہ ایک سیدھا راستہ ہے	اور ہرگز نہ روکے تم لوگوں کو

الشَّيْطٰنُ ۚ	اِنَّهٗ لَكُمْ	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾	وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى	بِالْبَيِّنٰتِ
شیطان	بیشک وہ تمہارے لیے	ایک کھلا دشمن ہے	اور جب آئے عیسیٰؑ	واضح (نشانیوں) کے ساتھ

قَالَ	قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ	وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ	بَعْضَ الَّذِيْ
تو انہوںؑ نے کہا	میں لایا ہوں تم لوگوں کے پاس حکمت	اور تاکہ میں واضح کروں تمہارے لیے	اس کے بعض کو

تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾	اِنَّ اللّٰهَ
تم لوگ اختلاف کرتے ہو جس میں	تو تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	اور اطاعت کرو میری	بیشک اللہ

هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ	فَاعْبُدُوْهُ ؕ	هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾	فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ
وہی میرا رب ہے اور تم سب کا رب ہے	تو تم لوگ بندگی کرو اس کی	یہ ایک سیدھا راستہ ہے	پھر اختلاف کیا گروہوں نے

مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ	فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾
ان کے مابین سے	تو تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے	ظلم کیا	ایک دردناک دن کے عذاب سے

نوٹ: 1 ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں۔ اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی عبادت کرتے ہیں اور آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے ایک بندے اور اس کے نبی تھے۔ اسی طرح جب آیت۔ 21/98 نازل ہوئی کہ بلاشبہ اے مشرکو! تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ تو ایک کافر نے کہا کہ نصاریٰ

حضرت مسیحؑ کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیرؑ کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اس پر مشرکین بہت خوش ہوئے۔ (اسی طرح مشرکین کا کہنا یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ تو بہرحال ابنِ مریم ہیں جبکہ ہمارے معبود تو فرشتے ہیں۔ (تدبر قرآن) مشرکین کے اس طرح کے اعتراضات کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔ ان سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جن کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے یا حضورؐ نے جو فرمایا تھا کہ ان میں خیر نہیں، تو اس سے مراد وہ معبود تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت، یا جاندار ہوں مگر خود اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوں یا اسے پسند کرتے ہوں جیسے شیاطین، اور نمرود وغیرہ۔ حضرت عیسیٰؑ ان میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی تھی۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

حضرت عیسیٰؑ کا قیامت کے لیے ایک علم ہونے کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، اور مردوں کو زندہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے لیکن اکثر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے۔ چنانچہ آپ کا آخری زمانے میں دوبارہ تشریف لانا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (66 تا 73)

ک	و	ب

(ن) کُوْبًا بے دستہ کے کوزہ سے پینا۔

کُوْبٌ ج اَکْوَابٌ۔ بے دستے کا پیالہ۔ آبخورہ۔ جام۔ زیر مطالعہ آیت۔ 71

ترجمہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا السَّاعَةَ	اَنْ تَاْتِيَهُمْ	بَغْتَةً
وہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	سوائے اس گھڑی (قیامت) کے	کہ وہ پہنچے ان کے پاس	بے سان وگمان

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾	اَلْاَخِلَّآءُ	يَوْمَئِذٍ	بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ
اس حال میں کہ وہ لوگ شعور نہ رکھتے ہوں	سارے جگری دوست!	اس دن	ان کا کوئی کسی کے لیے	دشمن ہوگا

اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾	يٰعِبَادِ	لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ	الْيَوْمَ	وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾
سوائے پرہیزگاروں کے	اے میرے بندو	کوئی خوف نہیں تم لوگوں پر	آج کے دن	اور نہ تم لوگ غمگین ہوگے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	بِاٰيٰتِنَا	وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾	اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ
جو لوگ ایمان لائے	ہماری نشانیوں پر	اور وہ لوگ تھے فرمانبرداری کرنے والے	تم لوگ داخل ہو اس جنت میں

اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ	تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾	يُطَافُ عَلَيْهِمْ	بِصِحَافٍ	مِّنْ ذَهَبٍ
تم اور (تمہارے ہم عقیدہ) تمہاری بیویاں	تمہاری آؤ بھگت کی جائے گی	گردش میں لائی جائیں گی ان پر	رکابیاں	سونے میں سے

وَّاَكْوَابٍ ۚ	وَفِيْهَا مَا	تَشْتَهِيْهِ	الْاَنْفُسُ	وَتَلَذُّ	الْاَعْيُنُ ۚ
اور جام	اور اس میں وہ ہے	خواہش کریں گی جس کی	جانیں	اور مزے دار ہو جائیں گی (جس سے)	آنکھیں

وَاَنْتُمْ فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ﴿۷۶﴾	وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ	اُوْرِثْتُمُوْهَا
اور تم لوگ اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہو	اور یہ وہ جنت ہے	تمہیں وارث بنایا گیا جس کا

بِمَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾	لَكُمْ فِيْهَا	فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ	مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾
بسبب اس کے جو	تم لوگ عمل کرتے تھے	تمہارے لیے اس میں	بہت سارا پھل ہے	جس میں سے تم لوگ کھاؤ گے

نوٹ: 1

آیت۔67۔ میں یہ بات کھول کر بتادی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کر ڈالتا ہے، قیامت کے روز نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گے بلکہ عداوت میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اسی لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ جن دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لیے محبت ہوتی ہے، احادیث میں ان کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ عرش کے سائے تلے ہوں گے اور اللہ کے لیے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بناء پر تعلق ہو کہ دین کا سچا پیرو ہے۔ (معارف القرآن)

یہ مضمون قرآن مجید میں بار بار جگہ جگہ (مختلف پیرائے میں) بیان کیا گیا ہے تا کہ ہر شخص اسی دنیا میں اچھی طرح سوچ لے کہ کن لوگوں کا ساتھ دینا اس کے لیے مفید ہے اور کن کا ساتھ تباہ کن ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔70۔ میں ازواج کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بیویوں کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے بھی جو کسی کے ہم مشرب، ہم جھولی اور ہم جماعت ہوں۔ یہ وسیع المعنی لفظ اسی لیے استعمال کیا گیا ہے تا کہ اس کے مفہوم میں دونوں داخل ہو جائیں۔ اہل ایمان کی مومن بیویاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اور ان کے مومن دوست بھی جنت میں ان کے رفیق ہوں گے۔ (تفہیم القرآن)۔ اس آیت میں ازواج کے ترجمہ کے لیے ہم نے عقیدہ کا لفظ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اختیار کیا ہے کہ جن مومنوں کی بیویاں بھی اللہ کی نیک بندیاں ہوں گی، وہ تو جنت میں جائیں گی۔ لیکن جن مومنوں کی بیویوں کے لچھن اچھے نہیں ہوں گے وہ جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ ان کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جیسے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں، جن سے کہا جائے گا کہ تم دونوں داخل ہو آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ (التحریم۔۱۰)

آیت نمبر (74 تا 83)

ب ر م

(ن) بَرْمًا رسی کو بٹ کر مضبوط کرنا۔ کام پختہ کرنا۔ بات طے کرنا۔

(افعال) اِبْرَامًا ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔79۔

مُبْرِمٌ اسم الفاعل ہے۔ بات طے کرنے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔79۔

ترجمہ

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ	فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ	خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾	لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ
بیشک مجرم لوگ	جہنم کے عذاب میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں	اس (عذاب) کو ہلکا نہیں کیا جائے گا ان سے

وَهُمْ فِيْهِ	مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾	وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ	وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ
اور وہ لوگ اس میں	شدید مایوس وغمگین ہونے والے ہیں	اور ہم نے ظلم نہیں کیا ان لوگوں پر	اور لیکن وہ لوگ ہی تھے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٤﴾	وَنَادَوْا	يٰمٰلِكُ	لِيَقْضِ عَلَيْنَا	رَبُّكَ ؕ	قَالَ
ظلم کرنے والے	اور وہ لوگ پکاریں گے	اے مالک	چاہیے کہ کام تمام کرے ہمارا	تیرا رب	وہ (فرشتہ مالک) کہے گا

اِنَّكُمْ	مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾	لَقَدْ جِئْنٰكُمْ	بِالْحَقِّ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ	لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٨﴾
یقیناً تم لوگ	ٹھہرنے والے ہو	بیشک ہم لا چکے تمہارے پاس	حق کو	اور لیکن تم لوگوں کے اکثر	حق سے کراہیت کرنے والے ہو

اَمْ اَبْرَمُوْٓا	اَمْرًا	فَاِنَّا	مُبْرِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ ج	اَمْ يَحْسَبُوْنَ	اَنَّا لَا نَسْمَعُ
یا ان لوگوں نے عزم مصمم کیا	ایک معاملہ میں	تو یقیناً ہم (بھی)	مصمم عزم کرنے والے ہیں	یا یہ لوگ گمان کرتے ہیں	کہ ہم نہیں سنتے

سِرَّهُمْ	وَنَجْوٰىهُمْ ؕ	بَلٰى	وَرُسُلُنَا	لَدَيْهِمْ	يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾
ان کی خفیہ (بات) کو	اور ان کی کانا پھوسی کو	کیوں نہیں	اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)	ان کے نزدیک	لکھتے ہیں

قُلْ اِنْ كَانَ	لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ	فَاَنَا	اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾
آپ کہیے اگر ہوتی	رحمان کے لیے کوئی اولاد	تو میں	عبادت کرنے والوں کا پہلا ہوتا

سُبْحٰنَ	رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	رَبِّ الْعَرْشِ	عَمَّا	يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾
پاکیزگی ہے	زمین و آسمانوں کے پروردگار کی	جو عرش کا مالک ہے	اس سے جو	یہ لوگ بتاتے ہیں

فَذَرْهُمْ	يَخُوْضُوْا	وَيَلْعَبُوْا	حَتّٰى يُلٰقُوْا	يَوْمَهُمُ الَّذِيْ	يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾
تو آپ چھوڑیں ان کو	بے پر کی اڑاتے رہیں	اور کھیلتے رہیں	یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں	اپنے اس دن سے جس کا	ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

نوٹ: 1

مجرمین پر عذاب اس طرح مسلط ہوگا کہ اس سے نجات پانا تو درکنار، کبھی عارضی اور وقتی طور پر بھی، نہ تو وہ ٹالا جائے گا اور نہ ہی اس میں کوئی تخفیف ہوگی۔ آخری درجے میں یہ موہوم امید بھی کبھی سہارا بن جاتی ہے کہ شاید اس عذاب سے کبھی رہائی مل جائے یا کبھی اس میں کوئی تخفیف ہی ہو جائے لیکن ان بدبختوں کے لیے اس طرح کا کوئی موہوم سہارا بھی نہ ہوگا۔ اپنی ابدی مایوسی کی وجہ سے وہ دوزخ کے داروغہ سے کہیں گے کہ اے مالک! اگر ہمارے لیے کسی رحم کی گنجائش نہیں رہی تو اپنے رب سے ہمارے لیے درخواست کرو کہ وہ ہمارا خاتمہ ہی کر دے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہارا خاتمہ نہیں کیا جائے گا بلکہ تم نے اسی حال میں پڑے رہنا ہے۔ مایوس کے لیے آخری سہارا موت کا ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اس سہارے سے بھی محروم ہوں گے اور یہ ان کی سب سے بڑی محرومی ہوگی۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔79۔ میں قریش کو فیصلہ کن عذاب کی وارننگ دی ہے کہ اگر انہوں نے قرآن اور رسول کی تکذیب کا فیصلہ کر لیا ہے تو یاد رکھیں کہ اس کے بعد اپنی سنت کے مطابق ہم بھی ان کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیں گے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (84 تا 89)

وَهُوَ الَّذِيْ	فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ	وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ	وَهُوَ الْحَكِيْمُ
اور وہ، وہ ہے جو	آسمان میں اِلٰہ ہے	اور زمین میں اِلٰہ ہے	اور وہ ہی حکمت والا ہے

الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾	وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا ج
علم والا ہے	اور بابرکت ہوا وہ جس کے لیے	زمین اور آسمانوں کی حکومت ہے	اور اس کی جو	ان دونوں کے درمیان ہے

وَعِنْدَهٗ	عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ	وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾	وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ
اور اسی کے پاس	اس گھڑی کا علم ہے	اور اس کی طرف ہی تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جن کو

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ	الشَّفَاعَةَ	اِلَّا مَنْ	شَهِدَ بِالْحَقِّ	وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾
یہ لوگ پکارتے ہیں اس کے علاوہ	شفاعت کا	سوائے اس کے جس نے	گواہی دی حق کی	اس حال میں کہ وہ لوگ جانتے ہیں

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ	مَّنْ خَلَقَهُمْ	لَيَقُوْلُنَّ	اللّٰهُ	فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
اور بیشک اگر آپؐ پوچھیں ان سے	کس نے پیدا کیا ان کو	تو یہ لوگ لازماً کہیں گے	اللہ نے	پھر کہاں سے یہ لوگ پھیرے جاتے ہیں

وَقِيْلِهٖ	يٰرَبِّ	اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	قَوْمٌ	لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
قسم ہے انؐ کے قول کی کہ	اے میرے رب	بیشک یہ لوگ	ایک ایسی قوم ہیں جو	ایمان نہیں لاتے

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ	وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ	فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع
تو آپؐ درگزر کریں ان سے	اور کہیں (ان کو) سلام	پھر عنقریب یہ لوگ جان لیں گے

نوٹ: 1

آیت۔86۔ میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ میں استثناء منقطع ہے یعنی اس سفارش کا اختیار تو کسی کو بھی نہیں ہوگا، البتہ اللہ تعالیٰ جس کو اجازت دے گا وہ حق بات کی گواہی دے گا اور وہ گواہی اسی بات کی ہوگی جس کو گواہی دینے والے جانتے ہوں گے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس بات کی تصریح ہے کہ خدا کے سامنے صرف وہ لوگ زبان کھولیں گے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی اور اسی کے لیے زبان کھولیں گے جس کے باب میں ان کو اجازت ملے گی۔ (تدبر قرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الدخان (44)

آیت نمبر (1 تا 16)

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾	وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ﴿۲﴾	اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ	فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ	اِنَّا كُنَّا
۔	قسم ہے اس واضح کرنے والی کتاب کی	بیشک ہم نے اتارا اس کو	ایک برکت دی ہوئی رات میں	بیشک ہم ہیں

مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾	فِيْهَا يُفْرَقُ	كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴿۴﴾	اَمْرًا	مِّنْ عِنْدِنَا ؕ
خبردار کرنے والے	اس (رات) میں جدا جدا کیے جاتے ہیں	تمام حکمت والے کام	حکم ہوتے ہوئے	ہمارے پاس سے

اِنَّا كُنَّا	مُرْسِلِيْنَ ۚ ﴿۵﴾	رَحْمَةً	مِّنْ رَّبِّكَ ؕ	اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ۙ ﴿۶﴾
بیشک ہم ہیں	بھیجنے والے	رحمت ہوتے ہوئے	آپؐ کے رب (کی طرف) سے	بیشک وہ ہی سننے والا ہے	جاننے والا ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ	اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾	لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
جو زمین اور آسمانوں کا رب ہے	اور اس کا جو ان کے درمیان ہے	اگر تم لوگ یقین کرنے والے ہو	کوئی الٰہ نہیں ہے مگر وہ

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ	رَبُّكُمْ	وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨	بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ
وہ (ہی) زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے	(وہ ہی) تمہارا رب ہے	اور تمہارے اگلے آباء واجداد کا رب ہے	بلکہ وہ لوگ کسی شک میں

يَّلْعَبُوْنَ ۝٩	فَارْتَقِبْ	يَوْمَ	تَاْتِي السَّمَآءُ	بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠	يَّغْشَى النَّاسَ ؕ
کھیلتے ہیں	پس تو انتظار کر	اس دن کا (کہ)	لائے گا آسمان	ایک واضح دھواں	وہ چھائے گا لوگوں پر

هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١	رَبَّنَا	اكْشِفْ عَنَّا	الْعَذَابَ	اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢
یہ ایک دردناک عذاب ہے	اے ہمارے رب	تو ہٹا دے ہم سے	اس عذاب کو	بیشک ہم ایمان لانے والے ہیں

اَنّٰى لَهُمُ	الذِّكْرٰى	وَ	قَدْ جَآءَهُمْ	رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣
کہاں سے ہوگی ان کے لیے	بڑی نصیحت	اس حال میں کہ	آ چکے ان کے پاس	واضح کرنے والے رسولؐ

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ	وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ	مَّجْنُوْنٌ ۝١٤	اِنَّا	كَاشِفُوا الْعَذَابِ
پھر ان لوگوں نے روگردانی کی ان سے	اور انہوں نے کہا سکھایا ہوا ہے	دیوانہ ہے	بیشک ہم	اس عذاب کو ہٹانے والے ہیں

قَلِيْلًا	اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥	يَوْمَ نَبْطِشُ	الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى	ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦
تھوڑا سا	بیشک تم لوگ دوبارہ (وہی) کرنے والے ہو	جس دن ہم پکڑیں گے	سب سے بڑی پکڑ	بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں

نوٹ: 1

مبارک رات میں قرآن کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے پورا قرآن سماء دنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا پھر 23۔ سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوحِ محفوظ سے سماء دنیا پر نازل کر دیا جاتا تھا۔ (معارف القرآن)۔

لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد ظاہر ہے کہ لیلۃ القدر ہے۔ سورۂ قدر میں یہ تصریح موجود ہے کہ اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن اتارا۔ یہ لیلۃ القدر لازماً رمضان شریف کی ہی کوئی رات ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ رمضان ہی کے مہینہ میں قرآن نازل ہوا۔ (البقرہ۔185) رہا یہ سوال کہ یہ رمضان کی کون سی رات ہے تو روایات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی کوئی رات ہے۔ ان تصریحات سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے شعبان یا کسی اور مہینہ کی کوئی رات مراد لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)

نوٹ: 2

آیات۔10۔16۔ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہی چلے گئے تو مکہ میں شدید قحط پڑا کہ لوگ ہڈیاں اور چمڑا تک کھا گئے۔ اس زمانے میں حالت یہ تھی کہ جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اسے بھوک کی شدت میں بس دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ آخر کار ابوسفیان نے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ اس مصیبت کو دور کر دے۔ یہی زمانہ تھا جب قریش کے لوگ کہنے لگے تھے کہ خدایا ہم پر سے یہ عذاب دور کر دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ اسی واقعہ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ اور بڑی گرفت سے مراد وہ ضرب ہے جو جنگ بدر کے روز قریش کو لگائی گئی۔ متعدد اکابر مفسرین نے بھی عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

دوسری طرف ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرام کی رائے ہے کہ ان آیات میں قیامت کے قریب زمانے کا ذکر ہے اور وہ دھواں جس کی خبر دی گئی ہے، اسی زمانے میں زمین پر چھائے گا۔ مزید تقویت اس تفسیر کو ان روایات سے ملتی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے دھویں کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا ہے اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ دھواں جب چھائے گا تو مومن پر اس کا اثر صرف زکام جیسا ہوگا اور کافر کی نس نس میں وہ بھر جائے گا۔

ان دونوں تفسیروں کا تعارض ان آیات پر غور کرنے سے بآسانی رفع ہوسکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مکہ میں سخت قحط رونما ہوا تھا جس سے کفار بہت کچھ ڈھیلے پڑ گئے تھے اور انہوں نے اسے رفع کرانے کے لیے حضورؐ سے دعا کی درخواست کی تھی۔ اس واقعہ کی طرف قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں۔ پھر کفار کا یہ کہنا کہ ''پروردگار عذاب ٹال دے ہم ایمان لاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ''ان کی غفلت کہاں دور ہوتی ہے جبکہ ان کے پاس رسول مبین آ گیا پھر بھی یہ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے۔'' پھر یہ فرمانا کہ ''ہم ذرا عذاب ہٹائے دیتے ہیں تم لوگ پھر وہی کرو گے۔'' یہ ساری باتیں اسی صورت میں راست آ سکتی ہیں جبکہ واقعہ حضورؐ ہی کے زمانے کا ہو۔ اس لیے اس حد تک تو ابن مسعودؓ کی تفسیر ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ حصہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ دھواں بھی اسی زمانے میں ظاہر ہوا تھا۔ اور اس کی شکل یہ تھی کہ بھوک کی شدت میں لوگ جب آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں دھواں نظر آتا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے بھی مطابقت نہیں رکھتی اور احادیث کے بھی خلاف ہے۔ قرآن میں کہاں کہا گیا ہے کہ آسمان دھواں لیے ہوئے آ گیا اور لوگوں پر چھا گیا۔ وہاں تو کہا گیا ہے کہ اس دن کا انتظار کرو جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا۔ بعد کی آیات کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس ارشاد کا صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تم نہ رسول کے سمجھانے سے مانتے ہو نہ قحط کی تنبیہ سے ہی ہوش میں آتے ہو تو پھر انتظار کرو۔ پس جہاں تک دھویں کا تعلق ہے، اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ قحط کے زمانے کی چیز نہیں ہے بلکہ علامات قیامت میں سے ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

جب علامتِ قیامت کے طور پر دھواں چھائے گا تو اس کی حقیقی شکل کیا ہوگی، یہ بات صرف اللہ جانتا ہے۔ لیکن ایک امکانی بات پھر بھی کہی جاسکتی ہے کہ قیامت کے قریب آسمان اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹنا شروع ہوجائے گا کیوں کہ ابتداءً وہ دھواں ہی تھا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے کہ ''پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف اس حال میں کہ وہ دھواں تھا۔'' (41/حم السجدۃ: 11)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الدخان (44)

آیت نمبر (17 تا 29)

ر	ھ	و

(ن) رَھۡوًا سمندر کا سکون پذیر ہونا۔ ساکن ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔24

ترکیب

(آیت۔18)۔اس آیت میں دو امکانات ہیں۔اوّل یہ کہ اَدُّوْا (فعل امر) کا مخاطب اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر کو مانا جائے۔ایسی صورت میں عِبَادَ اللّٰہِ اس کا مفعول ہوگا اور ترجمہ ہوگا ''کہ تم لوگ واپس کرو میری طرف اللہ کے بندوں کو''۔دوسری صورت یہ ہے کہ عِبَادَ اللّٰہِ کو منادیٰ مضاف مانا جائے یعنی اے اللہ کے بندو۔ایسی صورت میں یہ اَدُّوْا کا مخاطب ہوگا اور مفعول کو محذوف مانا جائے گا۔اس طرح ترجمہ ہوگا ''کہ واپس کرو میری طرف اے اللہ کے بندو''۔یعنی اے اللہ کے بندو! اللہ کے حقوق ادا کرو۔لیکن قرآن مجید میں تین مقامات پر (الاعراف۔105)۔طٰہٰ۔47۔الشعراء۔17) اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کے الفاظ آئے ہیں۔اس لیے ترجمہ میں عموماً پہلی صورت کو ترجیح دی گئی ہے۔

(آیت۔19) یہاں بھی اٰتِیۡکُمۡ میں دو امکانات ہیں۔ایک یہ کہ اٰتِیۡ کو اَتٰی۔یَاۡتِیۡ سے واحد متکلم کا صیغہ مانا جائے۔ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا ''میں لاتا ہوں یا لاؤں گا''۔دوسری صورت یہ ہے کہ اٰتِیۡ کو اسم الفاعل اٰتٍ مانا جائے جس کی تنوین مضاف ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا ''میں لانے والا ہوں''۔قرآن مجید کے دیگر مقامات پر تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ موسیٰؑ کو واضح سند یعنی معجزات سے مسلح کر کے فرعون کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔وہ یہ اطلاع دینے نہیں آئے تھے کہ مجھے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور اگر تمہیں سند یعنی پروانۂ تقرری چاہیے تو وہ میں لے آؤں گا یا لانے والا ہوں۔اس لیے قابل ترجیح بات یہ ہے کہ اٰتِیۡ کو واحد متکلم کا صیغہ مانا جائے اور مضارع کے مفہوم کو زمانۂ حال کے ساتھ مخصوص کیا جائے کہ ''میں لاتا ہوں یعنی پیش کرتا ہوں۔''

ترجمہ

وَلَقَدۡ فَتَنَّا	قَبۡلَھُمۡ	قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ	وَجَآءَھُمۡ	رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۷﴾
اور بیشک ہم آزما چکے	ان لوگوں سے پہلے	فرعون کی قوم کو	اور آئے ان کے پاس	ایک معزز رسول

اَنۡ	اَدُّوۡۤا اِلَیَّ	عِبَادَ اللّٰہِ ؕ	اِنِّیۡ لَکُمۡ	رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۸﴾
(اس پیغام کے ساتھ) کہ	تم لوگ واپس کرو میری طرف	اللہ کے بندوں کو	بیشک میں تمہارے لیے	ایک امانتدار رسول ہوں

وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا	عَلَی اللّٰہِ ۚ	اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ	بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۚ ﴿۱۹﴾	وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ
اور یہ کہ سرکشی مت کرو	اللہ کے خلاف	بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس	ایک واضح سند	اور بیشک میں پناہ میں آتا ہوں

بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ	اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۲۰﴾	وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ	فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾
میرے رب اور تمہارے رب کی	کہ تم لوگ سنگسار کرو مجھ کو	اور اگر تم لوگ بات نہیں مانتے میری	تو کنارہ کش ہو جاؤ مجھ سے

فَدَعَا رَبَّهٗٓ	اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ	قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾	فَاَسْرِ	بِعِبَادِيْ
پھر انہوں نے دعا (فریاد) کی اپنے رب سے	کہ یہ لوگ	جرم کرنے والے لوگ ہیں	تو آپؑ لے کر نکلیں	میرے بندوں کو

لَيْلًا	اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾	وَاتْرُكِ الْبَحْرَ	رَهْوًا ؕ	اِنَّهُمْ
رات کے وقت	بیشک تم لوگ پیچھا کیے جانے والے ہو	اور آپؑ چھوڑ دیں سمندر کو	ساکن ہونے کی حالت میں	بیشک وہ لوگ

جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾	كَمْ تَرَكُوْا	مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾
غرق کیے جانے والے لشکر ہیں	کتنے ہی (بہت سے) انہوں نے چھوڑے	باغات اور چشمے

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾	وَّنَعْمَةٍ	كَانُوْا فِيْهَا	فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾	كَذٰلِكَ ۫
اور کھیتیاں اور باعزت ٹھہرنے کی جگہ	اور نعمت	وہ لوگ تھے جس میں	ہنسنے ہنسانے والے	اسی طرح ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا	قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾	فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ
اور ہم نے وارث بنایا ان (چیزوں) کا	دوسرے لوگوں کو	تو نہیں روئے ان پر

السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ	وَمَا كَانُوْا	مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع
زمین و آسمان	اور نہ وہ تھے	مہلت دیے جانے والے

نوٹ: 1

قریش اور قومِ فرعون کے حالات میں مشابہت کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارے کیے ہیں۔ یہاں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جس طرح کے امتحان میں ہم نے قریش کو ڈالا ہے اسی طرح کے امتحان میں ہم نے اس سے پہلے قومِ فرعون کو بھی ڈالا تھا۔ جس طرح ان کو سامانِ عیش کی فراوانی حاصل ہے اسی طرح اُن کو بھی دولت و نعمت کی کثرت عطا ہوئی تھی۔ پھر جس طرح ان کی طرف ایک معزز رسول انذار اور اتمام حجت کے لیے آیا تھا اسی طرح ان کی طرف بھی ایک باعزت رسول آیا ہے۔ اس لیے جو انجام اُن کا ہوا تھا وہی انجام لازماً ان کا بھی ہونا ہے اگر انہوں نے بھی انہی کی روش اختیار کی۔ (تدبر قرآن)۔

اس حوالہ سے بات بھی سمجھ لیں کہ کچھ لوگوں کو قرآن میں تکرار (Repetition) کی شکایت کی وجہ کیا ہے۔ قرآن مجید کے کسی خطبہ میں جو بات سمجھانی مقصود ہوتی ہے، اس کے حق میں ہر خطبہ میں جہاں اور دلائل دیئے گئے ہیں وہیں تاریخی شواہد بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جن لوگوں کا ذہن موضوع کلام سے ان تاریخی واقعات کا ربط قائم نہیں کر پاتا ان کی طبیعت پر مختلف اقوام کا بار بار ذکر کرنا گراں گزرتا ہے۔

نوٹ: 2

آیت۔ 23۔ میں بِعِبَادِيْ کے لفظ کا مطلب ہے وہ تمام بندے جو ایمان لائے ہیں۔ ان میں بنی اسرائیل بھی تھے اور مصر کے وہ قبطی باشندے بھی جو حضرت یوسفؑ کے زمانے سے حضرت موسیٰؑ کی آمد تک مسلمانوں میں شامل ہو چکے تھے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی نشانیاں دیکھ کر اور آپؑ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اہل مصر میں سے ایمان قبول کیا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 3

یہاں آیت۔ 28 میں اَوْرَثْنٰهَا میں هَا کی ضمیر ان ہی چیزوں کے لیے ہے جو فرعون اور اس کے درباریوں کے تصرف میں تھیں۔ ان کے لیے فرمایا کہ ہم نے ان کا وارث دوسرے لوگوں کو بنایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصریوں ہی میں سے دوسرے لوگ ان پر قابض ہوئے۔ الشعراء کی آیت۔ 59 میں الفاظ آئے ہیں اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس کے نوٹ۔ 2۔ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہاں ھا کی ضمیر ان

ہی چیزوں کے لیے نہیں بلکہ ان جیسی چیزوں کے لیے ہے اور اسی نوٹ میں ضمائر کے مفہوم میں اس قسم کی تبدیلی کی سند کے طور پر سورۂ مائدہ کی آیت۔102۔کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے۔

آیت نمبر (30 تا 42)

ترجمہ

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ﴿۳۰﴾	مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ
اور بیشک ہم نجات دے چکے	بنی اسرائیل کو	اُس ذلیل کرنے والے عذاب سے	جو فرعون (کی طرف) سے تھا

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا	مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾	وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ	عَلٰى عِلْمٍ	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۳۲﴾
بیشک وہ ایک سرکشی کرنے والا تھا	حد سے گزرنے والوں میں سے	اور بیشک ہم نے چنا تھا ان کو	ایک علم (کی بنیاد) پر	تمام جہاں والوں پر (سے)

وَاٰتَيْنٰهُمْ	مِّنَ الْاٰيٰتِ	مَا	فِيْهِ	بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾	اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ	لَيَقُوْلُوْنَ ۙ﴿۳۴﴾
اور ہم نے دیا ان کو	نشانیوں میں سے	وہ	جس میں	کھلی آزمائش تھی	بیشک یہ لوگ	یقیناً کہتے ہیں

اِنْ هِيَ	اِلَّا	مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى	وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾	فَاْتُوْا	بِاٰبَآئِنَآ
نہیں ہے یہ (انجام)	سوائے	ہمارے پہلی بار مرنے کے	اور ہم نہیں ہیں دوبارہ اٹھائے جانے والے	تو تم لوگ لے آؤ	ہمارے باپ دادا کو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾	اَهُمْ خَيْرٌ	اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ	وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
اگر تم لوگ سچے ہو	کیا یہ لوگ بہتر ہیں	یا تبع کی قوم	اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے

اَهْلَكْنٰهُمْ ۫	اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾	وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
ہم نے ہلاک کیا ان کو	بیشک وہ لوگ مجرم تھے	اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا	لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾	مَا خَلَقْنٰهُمَآ	اِلَّا بِالْحَقِّ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
اور اس کو جو ان دونوں کے درمیان ہے	کھیلنے والا ہوتے ہوئے	ہم نے نہیں پیدا کیا دونوں کو	مگر حق کے ساتھ	اور لیکن ان کی اکثریت

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾	اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ	مِيْقَاتُهُمْ	اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۴۰﴾	يَوْمَ	لَا يُغْنِيْ
جانتی نہیں ہے	بیشک فیصلے کا دن	ان کا طے شدہ وقت ہے	سب کے لیے	جس دن	کام نہ آئے گا

مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى	شَيْئًا	وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۙ﴿۴۱﴾	اِلَّا مَنْ
کوئی ساتھی کسی ساتھی کے	ذرا بھی	اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی	سوائے اس کے جس پر

رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ	اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ	الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع
رحم کیا اللہ نے	بیشک وہی ہی بالا دست ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1 آیت۔32۔میں عَلٰى عِلْمٍ کے الفاظ سے تاریخ کے اس فلسفہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا میں قوموں کا عزل ونصب (معزول

ہونا اور منصب پر فائض ہونا) اتفاقی واقعات کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی کسوٹی پر جانچ کر جس قوم کو اہل پاتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے اور جس کو نااہل پاتا ہے اس کو رد کر دیتا ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو معزول ہوئے ہیں وہ دوسروں کو الزام دینے کے بجائے اپنی نالائقی پر سر پیٹیں اور جو اقتدار پر آئے وہ فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اللہ کے شکر گزار ہوں اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی فکر کریں۔ اس دنیا کے عروج و زوال کا سارا نقشہ اللہ تعالیٰ مرتب کرتا ہے اور اس کی بنیاد تمام تر قوموں کے اخلاق و کردار پر ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2 قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تبّع تھا۔ یہ لوگ قومِ سبا کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱۵ء قبل مسیح میں ان کو سبا کے ملک (یعنی یمن) پر غلبہ حاصل ہوا اور ۳۰۰ء تک یہ لوگ حکمران رہے۔ عرب میں صدیوں تک ان کی عظمت کے افسانے عام رہے۔

آیت نمبر (43 تا 59)

غ ل ی

(ض) غَلْيًا جوش مارنا۔ ابلنا۔ زیر مطالعہ آیت۔45۔

ع ت ل

(ن۔ض) عَتْلًا سختی سے کھینچنا۔ گھسیٹنا۔ زیر مطالعہ آیت۔47۔

عُتُلٌّ ترش رو۔ سخت مزاج۔ ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾﴾ (68/القلم:13) ''بدمزاج اس کے بعد بدذات۔''

ترجمہ

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾	طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾	كَالْمُهْلِ ۚ	يَغْلِيْ
بیشک تھوہر کا درخت	گنہگار کا کھانا ہے	پگھلی ہوئی دھات کی مانند	وہ ابلتا ہے

فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾	كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾	خُذُوْهُ	فَاعْتِلُوْهُ	اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾
پیٹوں میں	جیسے گرم پانی کا ابلنا	تم لوگ پکڑو اس کو	پھر گھسیٹو اس کو	دوزخ کے بیچ (مرکز) کی طرف

ثُمَّ صُبُّوْا	فَوْقَ رَاْسِهٖ	مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾	ذُقْ ۚ	اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
پھر انڈیلو	اس کے سر کے اوپر	جلتے پانی کے عذاب میں سے	تو چکھ	بیشک تو ہی زبردست

الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾	اِنَّ هٰذَا مَا	كُنْتُمْ بِهٖ	تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾
باعزت ہے	بیشک یہ ہے وہ	تم لوگ جس کے بارے میں	شک کرتے تھے	بیشک متقی لوگ	امن والی ٹھہرنے کی جگہ میں ہوں گے

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾	يَّلْبَسُوْنَ	مِنْ سُنْدُسٍ	وَّ اِسْتَبْرَقٍ	مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾
باغات اور چشموں میں	وہ لوگ پہنیں گے	باریک ریشم کی	اور چمکیلی پوشاک میں سے	آمنے سامنے ہوئے ہوئے

كَذٰلِكَ ۫	وَزَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ	عِيْنٍ ﴿۵۴﴾	يَدْعُوْنَ فِيْهَا
ایسے ہی ہوگا	اور ان کے ہم جوڑے بنا دیں گے	خوبصورت آنکھوں	بڑی آنکھوں والیوں سے	وہ لوگ بلائیں (مانگیں) گے اس میں

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ	اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا	الْمَوْتَ	اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ
ہر میوے کو	امن میں ہونے والے ہوتے ہوئے	وہ لوگ چکھیں گے اس میں	موت کو	سوائے پہلی بار مرنے کے

وَوَقٰىهُمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾	فَضْلًا	مِّنْ رَّبِّكَ ؕ
اور وہ (اللہ) بچائے گا ان کو	دوزخ کے عذاب سے	فضل ہوتے ہوئے	آپؐ کے رب (کی طرف) سے

ذٰلِكَ	هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾	فَاِنَّمَا	يَسَّرْنٰهُ
یہ ہی	شاندار کامیابی ہے	تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	ہم نے آسان کیا اس (قرآن) کو

بِلِسَانِكَ	لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾	فَارْتَقِبْ	اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع
آپ کی زبان میں	شاید یہ لوگ نصیحت پکڑیں	تو آپ انتظار کریں	بیشک یہ لوگ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں

نوٹ: 1

امن والی جگہ سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ کوئی غم، کوئی پریشانی، کوئی اندیشہ، کوئی مشقت اور تکلیف لاحق نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے، ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔ (تفہیم القرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجاثیۃ (45)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترکیب

آیت۔3 میں لَاٰيٰتٍ، اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قائم مقام خبر ہے کیونکہ خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدٌ یا ثَابِتٌ ہوسکتی ہے جبکہ آیات۔ 4۔ 5 میں اٰيٰتٌ مبتدا مؤخر نکرہ ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہیں۔ آیت۔ 5۔ میں وَاخْتِلَافِ اور تَصْرِيْفِ کی جر سابقہ آیت میں فِيْ خَلْقِكُمْ کی فِيْ پر عطف ہونے کو وجہ سے ہے۔ اسی طرح سے مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ میں مَا بھی اسی فِيْ پر عطف ہے اور محلاً حالت جر میں ہے۔

ترجمہ

حٰمٓ ﴿۱﴾	تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ	مِنَ اللّٰهِ	الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾	اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
۔	اس کتاب کا اتارنا	اللہ (کی طرف) سے ہے	جو بالادست ہے حکمت والا ہے	بیشک آسمانوں اور زمین میں

لَاٰيٰتٍ	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ ؕ	وَفِيْ خَلْقِكُمْ	وَمَا	يَبُثُّ	مِنْ دَآبَّةٍ
یقیناً نشانیاں ہیں	ایمان لانے والوں کے لیے	اور تمہارے پیدا کرنے میں	اور اس میں جو	وہ بکھیرتا ہے	جاندار میں سے

اٰيٰتٌ	لِّقَوْمٍ	يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾	وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ	وَمَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ
نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے جو	یقین کرتے ہیں	اور رات اور دن کے آنے جانے میں	اور اس میں جو	اتارا اللہ نے

مِنَ السَّمَآءِ	مِنْ رِّزْقٍ	فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ	بَعْدَ مَوْتِهَا	وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
آسمان سے	رزق میں سے (پانی)	پھر اس نے زندہ کیا اس سے زمین کو	اس کے مردہ ہونے کے بعد	اور ہواؤں کے بار بار گھمانے پھرانے میں

اٰيٰتٌ	لِّقَوْمٍ	يَّعْقِلُوْنَ ۝۵	تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ	نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ
نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے جو	عقل استعمال کرتے ہیں	یہ اللہ کی آیتیں ہیں	ہم انہیں پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو

بِالْحَقِّ ۚ	فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ	بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ	يُؤْمِنُوْنَ ۝۶
حق کے ساتھ	پھر کون سی بات پر	اللہ اور اس کی نشانیوں کے بعد	یہ لوگ ایمان لائیں گے

نوٹ: 1

کائنات کی مختلف نشانیاں بیان فرما کر ایک جگہ یہ فرمایا ہے کہ اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، دوسری جگہ فرمایا کہ یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تیسری جگہ ہے کہ عقل رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان نشانیوں سے پورا فائدہ تو وہی اٹھا سکتے ہیں جو ایمان لے آئیں، دوسرے نمبر پر یہ ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتی ہیں جو فوراً ایمان نہ لائیں لیکن ان کے دل میں یقین پیدا ہو جائے کہ یہ چیزیں توحید پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ یہ یقین کسی نہ کسی دن ایمان کا سبب بن سکتا ہے اور تیسرے درجے میں ان لوگوں کے لیے مفید ہیں جو کم از کم عقل سلیم رکھتے ہوں اور ان میں بصیرت کے ساتھ غور کریں، کیونکہ عقل و بصیرت کے ساتھ جب بھی ان نشانیوں پر غور کیا جائے گا تو یقین اور ایمان ضرور پیدا ہوگا۔ ہاں جو لوگ عقل سلیم نہ رکھتے ہوں یا ان معاملات میں عقل کو تکلیف دینا بھی گوارہ نہ کریں ان کے سامنے ہزار دلائل پیش کرنا بھی ناکافی ہے۔ (معارف القرآن)۔

اس سے ایک بڑی اہم حقیقت یہ واضح ہوئی کہ قرآن کی دعوت جبر یا تحکم پر مبنی نہیں ہے بلکہ تمام تر آفاق و انفس کے واضح دلائل اور عقل و فطرت کی بنیات پر مبنی ہے۔ جو لوگ ان کو نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ مخفی ہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ ان کو اپنے نفس کی خواہشوں کے خلاف پاتے ہیں اس وجہ سے ان سے گریز کرتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 15)

ترکیب

آیت۔8۔ میں کَاَنْ دراصل کَاَنَّ ہی ہے۔ اَنَّ۔ اِنَّ۔ لٰکِنَّ وغیرہ کے بعد فعل نہیں آتا، اسم ہی آتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو خفیف کر لیں جیسے اَنْ۔ اِنْ۔ لٰکِنْ وغیرہ تو پھر یہ عامل نہیں رہتے، یعنی اپنے اسم کو نصب نہیں دیتے۔ اس لیے ان کے بعد فعل بھی آ سکتا ہے لیکن معانی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ آیت۔ 11۔ اَلِيْمٌ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ عَذَابٌ کی صفت یا بدل ہے۔ اگر یہ اَلِيْمٍ ہوتا تو پھر یہ رِجْزٍ کی صفت ہوتی۔

ترجمہ

وَيْلٌ	لِّكُلِّ اَفَّاكٍ	اَثِيْمٍ ۝۷	يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ	تُتْلٰى عَلَيْهِ	ثُمَّ يُصِرُّ
تباہی ہے	ہر ایک بہتان باز	پکے گنہگار کے لیے	وہ سنتا ہے اللہ کی آیات کو	جو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں اس کو	پھر وہ اڑتا ہے (کفر پر)

مُسْتَكْبِرًا	كَاَنْ	لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ	فَبَشِّرْهُ	بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۸	وَاِذَا عَلِمَ
بڑا بنتے ہوئے	جیسے کہ	اس نے سنا ہی نہ تھا ان کو	تو آپ بشارت دیں اس کو	ایک دردناک عذاب کی	اور جب کبھی وہ جان لیتا ہے

مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا	اِتَّخَذَهَا	هُزُوًا ؕ	اُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩
ہماری آیات میں سے کوئی چیز	تو وہ بناتا اس کو	مذاق کا ذریعہ	یہ وہ لوگ ہیں	جن کے لیے	ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے

مِنْ وَّرَآئِهِمْ	جَهَنَّمُ ۚ	وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ	مَّا كَسَبُوْا	شَيْـًٔا	وَّلَا مَا
ان کے پیچھے	جہنم ہے	اور کام نہ آئے گا ان کے	وہ جو انہوں نے کمایا	کچھ بھی	اور نہ ہی وہ جن کو

اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اَوْلِيَآءَ ۚ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠ ؕ	هٰذَا هُدًى ۚ
انہوں نے بنایا	اللہ کے علاوہ	کارساز	اور ان کے لیے	ایک عظیم عذاب ہے	یہ (قرآن) ہدایت ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ	لَهُمْ عَذَابٌ	مِّنْ رِّجْزٍ	اَلِيْمٌ ۝١١ ع
اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اپنے رب کی آیات کا	ان کے لیے ایک ایسا عذاب ہے	گندگی میں سے	جو دردناک ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ	سَخَّرَ لَكُمُ	الْبَحْرَ	لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ	بِاَمْرِهٖ
اللہ وہ ہے جس نے	مطیع کیا تمہارے لیے	سمندر کو	تاکہ چلیں کشتیاں اس میں	اس کے حکم سے

وَلِتَبْتَغُوْا	مِنْ فَضْلِهٖ	وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ ۚ	وَسَخَّرَ لَكُمْ	مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
اور تاکہ تم لوگ تلاش کرو	اس کے فضل میں سے	اور شاید کہ تم لوگ شکر ادا کرو	اور اس نے مطیع کیا تمہارے لیے	اس کو جو آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	مِّنْهُ ؕ	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	لَاٰيٰتٍ	لِّقَوْمٍ	يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١٣
اور اس کو جو زمین میں ہے	سب کے سب کو	اپنے (فضل) سے	بیشک اس میں	یقینا نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے	جو سوچ بچار کرتے ہیں

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	يَغْفِرُوْا	لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ	اَيَّامَ اللّٰهِ	لِيَجْزِيَ
آپ کہہ دیجئے ان سے جو ایمان لائے	وہ درگزر کریں	ان سے جو امید نہیں رکھتے	اللہ کے (گرفت کرنے کے) دنوں کی	تاکہ وہ بدلہ دے

قَوْمًا	بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤	مَنْ عَمِلَ صَالِحًا	فَلِنَفْسِهٖ ۚ
ایک قوم کو	بسبب اس کے جو وہ کمائی کرتے تھے	جس نے عمل کیا کسی نیکی کا	تو (وہ) اس کی اپنی جان کے لیے ہے

وَمَنْ اَسَآءَ	فَعَلَيْهَا ۗ	ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ	تُرْجَعُوْنَ ۝١٥
اور جس نے بُرا کیا	تو (وہ) اس پر (وبال) ہے	پھر تمہارے رب کی طرف ہی	تم سب لوٹائے جاؤ گے

نوٹ: 1

اَفَّاكٌ کے معنیٰ ہیں حقائق کی قلبِ ماہیت کر دینے والا۔ یعنی خدا کی آیات اور اس کی نشانیاں تو کسی اور حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہوں لیکن وہ محض اپنی خواہشات نفس کی بندگی میں اس حقیقت کو بالکل بدل دے۔ اس کے مصداق اوّل تو قریش کے مشرکین تھے لیکن اس کے عام مصداق میں ہر دور کے وہ محرفین دین شامل ہیں جو اللہ کی آیات اور اس کے احکام میں اپنی خواہشات کے تحت تحریف کے مرتکب ہوئے یا ہو رہے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 8۔ میں مستکبرین کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو وہ اس وقت اختیار کرتے جب نبی ﷺ بذات خود ان کو قرآن سنانے کی کوشش فرماتے۔ آیت۔ 9۔ میں ان کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو وہ اس وقت اختیار کرتے جب قرآن کی کوئی بات ان کو کسی اور واسطہ سے پہنچتی یہ امر ملحوظ رہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں قریش کے اندر ایسے لوگ بھی تھے جو غیر جانبدارانہ ذہن کے ساتھ قرآن کی آیتیں سنتے اور ان سے متاثر

بھی ہوتے۔اس طرح کے لوگ ان آیتوں کو اپنے سرداروں کے علم میں لاتے تا کہ ان کی رائے معلوم کریں۔ان کے سردار تاڑ جاتے کہ لوگ ان آیات سے متاثر ہو رہے ہیں۔اس اثر سے لوگوں کو بچانے کے لیے وہ یہ تو نہیں کر سکتے تھے کہ دلیل سے قائل کر دیں۔واحد تدبیر یہی تھی کہ قرآن کی بات کا مذاق اڑائیں تا کہ کسی پر اس کا کوئی اثر نہ ہونے پائے۔اس قسم کی حرکت اگرچہ کچھ زیادہ کارگر نہیں ہوتی تاہم وقتی طور پر کمزور رائے کے لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔یہ حربہ ہر دور کے شیاطین حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔14۔میں ایام اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔عربی محاورے میں ایسے مواقع پر ایام سے مراد وہ دن ہوتے ہیں جس میں اہم تاریخ واقعات پیش آئے ہوں۔یہاں ایام اللہ سے مراد کسی قوم کے وہ بُرے دن ہیں جب اللہ کا غضب ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو تباہ کر دے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی پھر جب اس کی اجازت آ گئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔لیکن یہ رائے درست نہیں ہے۔درگزر کا لفظ اس معنی میں کبھی نہیں بولا جاتا کہ جب آدمی بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو درگزر کرے، بلکہ اس موقع پر صبر، تحمل اور برداشت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ان الفاظ کو چھوڑ کر جب یہاں درگزر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مفہوم نکلتا ہے کہ اہل ایمان انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود بدلہ لینے سے پرہیز کریں۔اس حکم کا کوئی تعارض ان آیات سے نہیں ہے جن میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔جنگ کی اجازت کا تعلق اس حالت سے ہے جب مسلمانوں کی حکومت کسی کافر قوم کے خلاف باقاعدہ کاروائی کرنے کی معقول وجہ پائے۔اور درگزر کرنے کا حکم ان عام حالات کے لیے ہے جن میں اہل ایمان کو خدا سے بے خوف لوگوں کے ساتھ کسی طرح سے سابقہ پیش آئے اور وہ انہیں اپنی زبان یا قلم یا اپنے برتاؤ سے ان کو اذیت دیں۔اس حکم کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر ان پست اخلاق لوگوں سے الجھنے اور ان کو جواب دینے پر نہ اتر آئیں۔جب تک شرافت اور معقولیت کے ساتھ کسی الزام یا اعتراض کا جواب دینا یا کسی زیادتی کی مدافعت کرنا ممکن ہو، اس سے پرہیز نہ کیا جائے۔مگر جہاں بات ان حدود سے گرتی نظر آئے تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (16 تا 21)

ترجمہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	وَرَزَقْنٰهُمْ
اور بیشک ہم دے چکے	بنی اسرائیل کو	کتاب اور حکومت اور نبوت	اور ہم نے روزی دی ان کو

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	وَفَضَّلْنٰهُمْ	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ ﴿١٦﴾	وَاٰتَيْنٰهُمْ	بَيِّنٰتٍ
پاکیزہ (چیزوں) میں سے	اور ہم نے فضیلت دی ان کو	سارے جہانوں پر	اور ہم نے دیں ان کو	روشن (نشانیاں)

مِّنَ الْاَمْرِ ۚ	فَمَا اخْتَلَفُوْٓا	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	مَا جَآءَهُمُ	الْعِلْمُ ۭ
اس معاملہ (یعنی دین) میں سے	تو انہوں نے اختلاف نہیں کیا	مگر اس کے بعد سے	(کہ) جو آیا ان کے پاس	علم

بَغْيًا	بَيْنَهُمْ ؕ	اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ	بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	فِيْمَا
سرکشی کرتے ہوئے	اپنے درمیان	بے شک آپ کا رب فیصلہ کرے گا	ان کے درمیان قیامت کے دن	اس میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾	ثُمَّ جَعَلْنٰكَ	عَلٰى شَرِيْعَةٍ	مِّنَ الْاَمْرِ
وہ لوگ جس میں اختلاف کرتے تھے	پھر ہم نے رکھا آپ کو	ایک ضابطہ پر	اس معاملہ (دین) میں سے

فَاتَّبِعْهَا	وَلَا تَتَّبِعْ	اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ	لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾	اِنَّهُمْ	لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ
تو آپ پیروی کریں اس کی	اور آپ پیروی مت کریں	ان کی خواہشات کی جو	علم نہیں رکھتے	بیشک یہ لوگ	ہرگز کام نہ آئیں گے آپ کے

مِنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا ؕ	وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	بَعْضُهُمْ	اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ	وَاللّٰهُ
اللہ (کے سامنے) سے	کچھ بھی	اور بیشک ظالم لوگ	ان کا کوئی	کسی کا کارساز ہے	اور اللہ

وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾	هٰذَا بَصَآئِرُ	لِلنَّاسِ	وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ	لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾
متقی لوگوں کا کارساز ہے	یہ سمجھ میں آنے والی دلیلیں ہیں	لوگوں کے لیے	اور ہدایت اور رحمت ہے	ایسے لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ	اجْتَرَحُوا	السَّيِّاٰتِ	اَنْ نَّجْعَلَهُمْ	كَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
یا ان لوگوں نے گمان کیا جنہوں نے	ڈٹ کے کمائیں	برائیاں	کہ ہم بنادیں گے ان کو	ان لوگوں کے جیسا	جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ	سَوَآءً	مَّحْيَاهُمْ	وَمَمَاتُهُمْ ؕ	سَآءَ	مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع
اور عمل کیے نیکیوں کے	برابر ہوتے ہوئے	ان کا عرصۂ حیات	اور ان کا عرصۂ موت	بُرا ہے	وہ جو یہ لوگ حکم لگاتے ہیں

نوٹ: 1

آیت 17۔ سے ایک نہایت اہم حقیقت یہ واضح ہوئی کہ دین کی کسی بات کے سمجھنے میں اختلاف رائے ہونا نہ کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ یہ دین اور اہل دین کے لیے کوئی نقصان دہ چیز ہے۔ اہل علم میں اس طرح کا اختلاف ہوا ہے اور ہوسکتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی محرک اگر باہمی چشمک اور رقابت ہے اور ایک دوسرے کو زک پہنچانے اور پچھاڑنے کی خواہش ہے، تو یہ چیز بلاشبہہ سارے دین کا تیا پانچا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اسی نوعیت کے اختلاف نے اہل کتاب کو اللہ کی روشنی سے محروم کیا اور اسی قسم کے اختلافات نے مسلمانوں کو تباہی میں ڈالا۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (22 تا 26)

د	ھـ	ر

(ف) دَهْرًا کسی کو کوئی بات پہنچنا۔

دَهْرٌ مدتِ دراز۔ لمبا زمانہ۔ اصل میں دھر مدت عالَم کو کہتے ہیں یعنی ابتداء آفرینش سے لے کر اس کے اختتام تک کا عرصہ ((لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ)) ''تم لوگ زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔'' حدیث (مفردات القرآن) زیر مطالعہ آیت۔ 24۔

ترجمہ

وَخَلَقَ اللّٰهُ	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بِالْحَقِّ	وَلِتُجْزٰى	كُلُّ نَفْسٍ
اور پیدا کیا اللہ نے	آسمانوں اور زمین کو	حق کے ساتھ	اور تا کہ بدلہ دیا جائے	ہر جان کو

بِمَا كَسَبَتْ	وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾	اَفَرَءَيْتَ	مَنِ اتَّخَذَ	اِلٰهَهٗ
اس کا جو اس نے کمایا	اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا	تو کیا آپؐ نے دیکھا	اس کو جس نے بنایا	اپنا الٰہ

هَوٰىهُ	وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ	عَلٰى عِلْمٍ	وَّخَتَمَ	عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
اپنی خواہش کو	اور بھٹکا دیا اس کو اللہ نے	ایک علم کے باوجود	اور اس نے مہر لگا دی	اس کی سماعت اور اس کے دل پر

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ	غِشٰوَةً ؕ	فَمَنْ يَّهْدِيْهِ	مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ	اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾
اور اس نے بنایا اس کی بصارت پر	ایک پردہ	تو کون اس کی راہنمائی کرے گا	اللہ کے بعد	تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے

وَقَالُوْا	مَا هِيَ	اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	نَمُوْتُ وَنَحْيَا
اور انہوں نے کہا	نہیں ہے یہ	سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے	ہم (خود ہی) مرتے ہیں اور ہم زندہ رہتے ہیں

وَمَا يُهْلِكُنَآ	اِلَّا الدَّهْرُ ۚ	وَمَا لَهُمْ	بِذٰلِكَ	مِنْ عِلْمٍ ۚ
اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو (کوئی)	سوائے اس زمانے کے	اور نہیں ہے ان کے لیے	اس کے بارے میں	کوئی بھی علم

اِنْ هُمْ	اِلَّا	يَظُنُّوْنَ ﴿٢٤﴾	وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ
نہیں ہیں یہ لوگ	مگر (یہ کہ)	گمان کرتے ہیں	اور جب کبھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو	ہماری آیتیں	واضح ہوتے ہوئے

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ	اِلَّآ اَنْ	قَالُوا	ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ	اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾
تو نہیں ہوتی ان کی حجت	سوائے اس کے کہ	کہ وہ کہتے ہیں	تم لوگ لاؤ ہمارے باپ دادا کو	اگر تم لوگ سچے ہو

قُلِ اللّٰهُ	يُحْيِيْكُمْ	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ
آپؐ کہیے اللہ ہی	زندگی دیتا ہے تم لوگوں کو	پھر وہ موت دیتا ہے تمہیں	پھر وہ جمع کرے گا تم سب کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	لَا رَيْبَ فِيْهِ	وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع
قیامت کے دن کی طرف	کوئی بھی شک نہیں ہے جس میں	اور لیکن لوگوں کے اکثر	جانتے نہیں ہیں

نوٹ: 1

یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا مگر اس آیت (نمبر۔ ۲۳) نے بتا دیا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے تو وہ ہی اس کا معبود ہے۔ اللہ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں اللہ کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو چاہے وہ زبان سے اپنے نفس کو اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقتاً وہی اس کا معبود ہوا۔ جس نے اپنی خواہشات کو ہی امام بنالیا اور ان کے پیچھے چلنے لگا تو گویا یہ خواہشات ہی اس کا بت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کے نیچے دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ''ہوٰی'' ہے یعنی خواہش نفسانی۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

(آیت۔24 میں) یہ قول کہ ہمیں گردشِ روزگار ہلاک کرتی ہے۔جس طرح ایک درخت اگتا ہے۔اپنی پختگی کو پہنچتا ہے اور ایک دن سوکھ کر فنا ہوجاتا ہے۔اسی طرح ہم بھی پیدا ہوتے ہیں پھر گردش روزگار کے کسی تھپیڑے سے یا تو بچپن یا جوانی ہی میں فنا ہوجاتے ہیں یا بڑھاپے کو پہنچ کر مرجاتے ہیں۔(جیسے تمام پودے بھی پختگی کو نہیں پہنچتے)۔لیکن ان کا یہ قول انکار خدا کے معنیٰ میں نہیں تھا بلکہ اس سے وہ قرآن کے اس فلسفۂ تاریخ کی نفی کرنا چاہتے تھے جو قرآن نے نہایت تفصیل کے ساتھ سنایا ہے کہ پچھلی قومیں اپنے عقائد واعمال کے فساد کے نتیجے میں تباہ ہوئیں۔ یہ انزار (وارننگ) چونکہ بالکل مبنی برحقیقت تھا اس وجہ سے قریش کے وہ لوگ اس سے متاثر ہوئے جن کے اندر کچھ عاقبت اندیشی تھی۔اس طرح کے لوگوں کو مطمئین رکھنے کے لیے قریش کے لیڈروں نے یہ فلسفہ تراشا کہ ہماری طرح خدا کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ایک شخص کا پیدا ہونا، جوان ہونا پھر بوڑھا ہو کر مرجانے کا کوئی تعلق اعمال وعقائد سے نہیں ہے۔اسی طرح سے قوموں اور تہذیبوں کے عروج وزوال کا کوئی تعلق ان کے عقائد واعمال سے نہیں ہے۔یہ بس ایک وہم ہے۔یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ جاہلی فلسفہ اب نابود ہو چکا ہے۔اس زمانے میں بھی ذہنوں پر یہی فاسد فلسفہ مسلط ہے اور ان لوگوں کے ذہنوں پر مسلط ہے جو قرآن کے حامل اور اسلام پر عامل ہونے کے مدعی ہیں۔(تدبر قرآن سے ماخوذ)

کفار ومشرکین زمانے کی گردش کو ساری کائنات اور ان کے سارے حالات کی علت قرار دیتے ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ سب افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادے سے ہوتے ہیں۔اس لیے احادیث میں دہر یا زمانے کو بُرا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دہر کو بُرا نہ کہو کیونکہ دہر درحقیقت اللہ ہی ہے۔مراد یہ ہے کہ یہ جاہل جس کام کو دہر کا کام کہتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی قوت وقدرت کا کام ہے، دہر کوئی چیز نہیں ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دہر اللہ تعالیٰ کے ناموں سے کوئی نام ہو کیونکہ یہاں مجازاً اللہ کو دہر کہا گیا ہے۔(معارف القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 31)

ترجمہ

وَلِلّٰهِ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ	يَوْمَئِذٍ
اور اللہ ہی کے لیے ہے	آسمانوں اور زمین کی حکومت	اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی (قیامت)	اُس دن

يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾	وَتَرٰى	كُلَّ اُمَّةٍ	جَاثِيَةً ۚ	كُلُّ اُمَّةٍ
گھاٹے میں رہیں گے باطل کرنے والے	اور آپ دیکھیں گے	ہر امت کو	گھٹنوں کے بل گرنے والی حالت میں	ہر امت

تُدْعٰۤى	اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ	اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ	مَا
بلائی جائے گی	اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف	آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا	وہ، جو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾	هٰذَا كِتٰبُنَا	يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ
تم لوگ عمل کرتے تھے	یہ ہماری کتاب (ریکارڈ) ہے	یہ واضح کر کے بیان کرتی ہے تم لوگوں پر (اعمال کو)

بِالْحَقِّ ؕ	اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ	مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾
حق کے ساتھ	بے شک ہم لکھوا لیتے تھے	اس کو جو	تم لوگ عمل کرتے تھے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ	فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
تو وہ جو لوگ ہیں جو	ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے	نیکیوں کے	تو داخل کرے گا ان کو ان کا رب	اپنی رحمت میں

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا ۣ	اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
یہ ہی کھلی کامیابی ہے	اور وہ جو لوگ ہیں جنہوں نے	انکار کیا	تو کیا تم کو پڑھ کر سنائی نہ جاتی تھیں میری آیات

فَاسْتَكْبَرْتُمْ	وَكُنْتُمْ	قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾
پھر تم بڑے بنے	اور تم لوگ تھے ہی	ایک جرم کرنے والی قوم

نوٹ: 1

لکھوانے کی صرف یہی ایک ممکن صورت نہیں ہے کہ کاغذ پر قلم سے لکھوایا جائے۔ انسانی اقوال و افعال کو ثبت کرنے اور دوبارہ ان کو بالکل اسی شکل میں پیش کر دینے کی متعدد دوسری صورتیں اسی دنیا میں خود انسان دریافت کر چکا ہے۔ اب یہ کون جان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح انسان کی ایک ایک بات، اس کی حرکات و سکنات، اس کی نیتوں، ارادوں، خواہشات میں سے ہر مخفی سے مخفی شے کو ثبت کرا رہا ہے اور کس طرح وہ ہر آدمی، ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا کارنامۂ حیات بے کم و کاست اس کے سامنے لا کے رکھے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

انسان کو سوچنا چاہیے کہ فضا میں ہمارے تمام اقوال و افعال کو ریکارڈ کرنے، یہاں تک کہ ذہن میں گزرے ہوئے ہر خیال اور دل میں آئی ہوئی ہر بات کو محفوظ کر لینے کے نظام کا کسی ایسی جگہ موجود ہونا ممکن ہے جو ایک دھماکے سے پھٹ کر منتشر ہونے والے اجزاء میں سے ایک جز ہے، جس کو زمین کہا جاتا ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کی بات اور ہے ورنہ ہر نارمل انسان کی عقل کا جواب ایک ہی ہوگا کہ ایسے نظام کا خود بخود وجود میں آنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ کسی پریس میں دھماکہ ہو اور ایک ڈکشنری خود بخود وجود میں آجائے۔ یہ نظام تو اپنی زبان حال سے بول رہا ہے کہ وہ ایک علیم اور قدیر ہستی کا کارنامہ ہے۔ جس انسان کی عقل اس حقیقت کا ادارک کر لے، اس کی عقل پھر اس کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ قائم کرنے والے نے یہ نظام کیوں قائم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی علیم و قدیر ہستی کا قائم کردہ یہ انتظام بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا کوئی مقصود ضرور ہے۔ جب انسان اس کے مقصد پر غور کرتا ہے تو اس کی عقل تسلیم کر لیتی ہے کہ اس زمین پر عارضی زندگی کے بعد یقیناً ایک زندگی ہے۔ اُس زندگی میں ہر شخص کے لیے رہائشی علاقے کا تعین، کہ کس قسم کی آب و ہوا کے علاقے میں اس کو رکھا جائے، اس کے لیے کس طرح کے روٹی، کپڑے، مکان کا انتظام کیا جائے، کس طرح کے پاس پڑوس (معاشرہ) میں اس کو جگہ دی جائے اور اُس معاشرہ میں اس کا سوشل اسٹیٹس کیا ہو، اُس زندگی میں اِس طرح کے تمام معاملات کا فیصلہ اس دنیا کے افکار، اقوال اور اعمال کی بنیاد پر ہونا ہے اس لیے ان کو ریکارڈ کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اسلام کے نظریۂ آخرت کا یہ وہ بنیادی خاکہ ہے جہاں تک انسانی عقل از خود پہنچ سکتی ہے البتہ اس سے آگے تفصیلات کے لیے انسانی عقل علمِ وحی کی محتاج ہے۔ کیونکہ عقل کی پہنچ صرف ان حقائق تک ہے جو انسان کے حواسِ خمسہ کے دائرے کے اندر ہیں۔ اس کائنات کے وہ حقائق جو اس دائرے کے باہر ہیں وہ انسانی عقل کی پہنچ کے بھی باہر ہیں۔ اسی لیے اللہ نے علم وحی کا انتظام کیا۔

آیت نمبر (32 تا 37)

ترجمہ

وَاِذَا قِيْلَ	اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	حَقٌّ	وَّالسَّاعَةُ
اور جب کبھی کہا جاتا ہے	کہ اللہ کا وعدہ	حق ہے	اور وہ گھڑی (آنی ہے)

لَا رَيْبَ فِيْهَا	قُلْتُمْ	مَّا نَدْرِيْ	مَّا السَّاعَةُ
کسی قسم کا کوئی بھی شک نہیں ہے اس میں	تو تم لوگ کہتے ہو	ہم نہیں جانتے	کیا ہے وہ گھڑی

اِنْ نَّظُنُّ	اِلَّا ظَنًّا	وَّمَا نَحْنُ	بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾
ہم نہیں گمان کرتے	مگر کچھ گمان کرنا	اور ہم نہیں ہیں	یقین حاصل کرنے والے

وَبَدَا لَهُمْ	سَيِّاٰتُ مَا	عَمِلُوْا	وَحَاقَ بِهِمْ	مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾
اور ظاہر ہوئیں ان کے لیے	اس کی برائیاں جو	ان لوگوں نے عمل کیے	اور چھا گیا ان پر	وہ جس کا یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے

وَقِيْلَ	اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ	كَمَا نَسِيْتُمْ	لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا	وَمَاْوٰىكُمُ
اور کہا جائے گا	آج ہم بھلا دیں گے تم لوگوں کو	اس کے مانند جو تم نے بھلایا	اپنے اس دن کی ملاقات کو	اور تمہارا ٹھکانہ

النَّارُ	وَمَا لَكُمْ	مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾	ذٰلِكُمْ	بِاَنَّكُمُ	اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
آگ ہے	اور نہیں ہے تمہارے لیے	کوئی بھی مدد کرنے والا	یہ	اس سبب سے ہے کہ تم لوگوں نے	بنایا اللہ کی نشانیوں کو

هُزُوًا	وَّغَرَّتْكُمُ	الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ	فَالْيَوْمَ	لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا	وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾
مذاق کا نشانہ	اور فریب دیا تم کو	دنیوی زندگی نے	تو آج	وہ لوگ نہیں نکالے جائیں گے اس سے	اور نہ وہ لوگ منائے جائیں گے

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ	رَبِّ السَّمٰوٰتِ	وَرَبِّ الْاَرْضِ	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾
پس اللہ ہی کے لیے تمام شکر و سپاس ہے	جو آسمانوں کا پالنہار ہے	اور جو زمین کا پالنہار ہے	جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ	فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ	وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾ ع
اور اس کے لیے ہی ساری بڑائی ہے	آسمانوں اور زمین میں	اور وہ ہی بالادست ہے حکمت والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔32۔ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ جہاں تک گمان کا تعلق ہے، یہ منکرین بھی اپنے دل میں رکھتے ہیں لیکن ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اس کا پورا یقین ہو جائے گا تب وہ مانیں گے۔ اس یقین کے لیے ان کا (منکرین قریش کا) مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔ (آج کل کے سائنسدانوں اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ جو چیز عملی تجربہ سے تصدیق کے قابل (Practically Verifiable) نہیں ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ مرتب) ظاہر ہے یہ ایک احمقانہ مطالبہ تھا (اور آج بھی ہے)۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ انسان صرف اسی چیز کو مانے جو اس نے آنکھوں سے دیکھی ہو۔ اس کے علاوہ کسی بات پر بھی یقین نہ کرے خواہ اس کے حق میں کتنے ہی واضح عقلی و اخلاقی دلائل موجود ہوں اگر انسان اس حد سکت سفاہت پر اتر آئے تو پھر عقل ایک بالکل مہمل چیز بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ انسان اپنے اندر عقل کے وجود کو بھی تسلیم نہ کرے۔ اس لیے کہ عقل کو بھی نہ اس نے دیکھا ہے نہ چھوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہم اور دوررس نتائج رکھنے والے امو رمیں ظن غالب کی رہنمائی کافی ہے۔ ایک عظیم بند جس میں شگاف پڑنے سے پورا شہر خطرہ میں پڑ سکتا ہو، ہماری توجہ کا طالب اسی وقت نہیں ہوگا جب اس میں شگاف پڑ جائے، بلکہ عاقل لوگ اس طرح کے معاملات میں بہت پہلے سے چوکنا رہتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الاحقاف (46)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

حٰمٓ ①	تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ	مِنَ اللّٰہِ	الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ②
-	اِس کتاب کا اتارا جانا	اللہ (کی طرف) سے ہے	جو بالا دست ہے حکمت والا ہے

مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ	اِلَّا بِالۡحَقِّ	وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ
ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	اور جو اُن کے درمیان ہے	مگر حق (مقصد) کے ساتھ	اور ایک مقررہ مدت کے ساتھ

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	عَمَّاۤ	اُنۡذِرُوۡا	مُعۡرِضُوۡنَ ③	قُلۡ
اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اس سے جس سے	ان کو خبردار کیا گیا	اعراض کرنے والے ہیں	آپؐ کہیے

اَرَءَیۡتُمۡ	مَّا	تَدۡعُوۡنَ	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ	اَرُوۡنِیۡ	مَاذَا
کیا تم لوگوں نے غور کیا	ان پر جن کو	تم لوگ پکارتے ہو	اللہ کے سوا	تم لوگ دکھاؤ مجھ کو	کیا کچھ

خَلَقُوۡا	مِنَ الۡاَرۡضِ	اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ	فِی السَّمٰوٰتِ ؕ	اِیۡتُوۡنِیۡ
انہوں نے پیدا کیا	زمین سے	یا ان کے لیے کوئی شراکت ہے	آسمانوں میں	تم لوگ لاؤ میرے پاس

بِکِتٰبٍ	مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ	اَوۡ اَثٰرَۃٍ	مِّنۡ عِلۡمٍ
کوئی کتاب	اس سے پہلے کی	یا (لاؤ) کچھ بچے ہوئے حصے	کسی علم سے

اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ④	وَمَنۡ اَضَلُّ	مِمَّنۡ	یَّدۡعُوۡا	مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ
اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو	اور کون زیادہ گمراہ ہے	اس سے جو	پکارتا ہے	اللہ کے سوا

مَنۡ	لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ	اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ	وَہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ	غٰفِلُوۡنَ ⑤
اس کو جو	جواب نہیں دیتا اس کو	قیامت کے دن تک	اور وہ ان کی دعا سے	غافل ہیں

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ	کَانُوۡا	لَہُمۡ اَعۡدَآءً	وَّ کَانُوۡا	بِعِبَادَتِہِمۡ	کٰفِرِیۡنَ ⑥
اور جب اکٹھا کیا جائے گا لوگوں کو	تو وہ لوگ ہوں گے	ان کے دشمن	اور وہ ہوں گے	ان کے عبادت کا	انکار کرنے والے

نوٹ: 1 سورۃ الاحقاف کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن محمد ﷺ کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو سمجھنا ہوگا جس میں سورہ نازل ہوئی۔ یہ سورۃ ۱۰ نبوی کے آخر یا ۱۱ نبوی کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔ ۱۰ نبوی حیاتِ طیبہ میں انتہائی سختی کا سال تھا۔ تین سال سے حضور ﷺ اپنے خاندان اور اپنے اصحاب کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں محصور تھے۔ یہ

محاصرہ اس سال ٹوٹا ہی تھا کہ حضرت ابو طالب وفات پا گئے جو دس سال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اس سانحے پر بمشکل ایک مہینہ گزرا تھا کہ بی بی خدیجہؓ بھی انتقال فرما گئیں جن کی ذات آغاز نبوت سے ہی آپؐ کے لیے وجہ سکون و قوت بنی رہی تھی۔ ان پے در پے صدموں کی وجہ سے حضورؐ اس سال کو عام الحزن فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد کفار مکہ پہلے سے زیادہ آپؐ کو تنگ کرنے لگے اور آپؐ کا گھر سے نکلنا بھی مشکل ہو گیا۔ آخر کار آپؐ اس ارادے سے طائف تشریف لے گئے کہ اگر وہ لوگ اسلام نہ قبول کریں تو وہ آپؐ کو اپنے ہاں چین سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع دے دیں۔ مگر انہوں نے آپؐ کی کوئی بات نہیں مانی اور آپؐ کو نوٹس دے دیا کہ وہ شہر سے نکل جائیں۔ اور اپنے ہاں کے لفنگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ دور تک آپؐ پر آوازے کستے اور پتھر مارتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ زخموں سے چور ہو گئے۔ اس حالت میں آپؐ طائف کے باہر ایک باغ کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے اور اپنے رب سے عرض کیا:

''خداوند، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین، تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی سے پیش آئے۔ یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پا لے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں، مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں۔ یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔''

اس کے بعد آپؐ چند روز نخلہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ پریشان تھے کہ اب کیسے مکہ واپس جاؤں۔ طائف میں جو کچھ گزری ہے اس کی خبریں وہاں پہنچ چکی ہوں گی۔ اس کے بعد تو کفار پہلے سے بھی زیادہ دلیر ہو جائیں گے۔

یہ حالات تھے جن میں سورہ نازل ہوئی۔ جو شخص بھی ان حالات کو نظر میں رکھے گا اور اس سورہ کو بغور پڑھے گا اسے کوئی شبہہ نہیں رہے گا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول اللہ کی طرف سے ہی ہے، کیونکہ اوّل سے آخر تک پوری سورہ میں کہیں انسانی جذبات و تاثرات کا ایک ادنیٰ شائبہ تک نہیں پایا جاتا جو ان حالات میں گزرنے والے انسان کے اندر فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہوتا، جنہیں پے در پے صدمات اور مصائب کے بے پناہ ہجوم اور طائف کے تازہ ترین چرکے نے خستہ حالی کی انتہا کو پہنچا دیا تھا تو اس سورہ میں کہیں تو ان کیفیات کا عکس نظر آتا جو اس وقت آپؐ کے دل پر گزر رہی تھیں۔ ہم نے حضورؐ کی جو دعا نقل کی ہے، اسے دیکھئے، وہ آپؐ کا اپنا کلام ہے۔ اس کا لفظ لفظ ان کیفیات سے لبریز ہے مگر یہ سورہ جو اسی زمانے اور ادنیٰ حالات میں آپؐ ہی کی زبان مبارک سے ادا ہوئی ہے، اُن کے ہر اثر سے خالی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۴۔ ص: ۵۹۶ تا ۵۹۸ سے ماخوذ)

نوٹ: 2

اَثَارَۃ اس روایت کو کہتے ہیں جو باپ دادا سے منقول ہوتی چلی آ رہی ہو۔ اس کے ساتھ مِنْ عِلْمٍ کی قید اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس روایت کی بنیاد محض وہم و گمان پر نہیں بلکہ علم پر ہو۔ یہ بات واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ علم یا تو اس کی کتابوں کے ذریعے سے خلق کو منتقل ہوا ہے مثلاً تورات و انجیل وغیرہ، یا روایات و آثار کے ذریعے سے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کی تعلیمات بعد والوں کو روایات ہی کے ذریعہ سے پہنچیں۔ ان ذرائع سے جو علم منتقل ہوا اس میں کہیں شرک کے حق میں کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ تورات، انجیل اور دوسرے صحیفوں میں اگرچہ بہت سی تحریفات ہو چکی ہیں، تاہم ان کے اندر شرک کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو روایات تورات، انجیل یا دوسرے صحیفوں میں نقل ہوئی ہیں ان میں بھی شرک کا کوئی جرثومہ نہیں ہے۔ مشرکین عرب اپنے باپ دادا کے طریقہ پر ہونے کے مدعی ضرور تھے لیکن یہ ثابت کرنے سے قاصر رہے کہ ان کے باپ دادا کے طریقہ کی بنیاد کس شرعی یا عقلی دلیل پر تھی۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 14)

ترجمہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ	اٰيٰتُنَا	بَيِّنٰتٍ	قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور جب کبھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو	ہماری آیتیں	واضح ہوتے ہوئے	تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا

لِلْحَقِّ	لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ	هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	افْتَرٰىهُ ؕ
اس حق (قرآن) کے لیے	جب وہ آیا ان کے پاس	ایک کھلا جادو ہے	یا (پھر) وہ کہتے ہیں	اس نے گھڑا اس کو

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ	فَلَا تَمْلِكُوْنَ	لِيْ	مِنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا ؕ
آپؐ کہیے اگر میں نے گھڑا اس کو	تو تم لوگ اختیار نہیں رکھتے ہو	میرے بارے میں	اللہ سے	کسی چیز کا

هُوَ اَعْلَمُ	بِمَا	تُفِيْضُوْنَ	فِيْهِ ؕ	كَفٰى بِهٖ	شَهِيْدًا
وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے	اس (بات) کو	تم لوگ چرچا کرتے ہو	جس کا	وہ کافی ہے	بطور گواہ کے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ	وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸	قُلْ مَا كُنْتُ	بِدْعًا	مِّنَ الرُّسُلِ
میرے درمیان اور تمہارے درمیان	اور وہ ہی بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	آپؐ کہیے میں نہیں ہوں	کوئی نیا نویلا	رسولوں میں سے

وَمَآ اَدْرِيْ	مَا يُفْعَلُ	بِيْ	وَلَا بِكُمْ ؕ	اِنْ اَتَّبِعُ	اِلَّا مَا
اور میں نہیں جانتا	کیا کیا جائے گا	میرے ساتھ	اور نہ تمہارے ساتھ (کیے جانے کو)	میں پیروی نہیں کرتا	سوائے اس کے جو

يُوْحٰٓى اِلَيَّ	وَمَآ اَنَا	اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹	قُلْ اَرَءَيْتُمْ	اِنْ كَانَ
وحی کیا گیا میری طرف	اور میں نہیں ہوں	مگر ایک واضح خبردار کرنے والا	آپؐ کہیے کیا تم لوگوں نے غور کیا	اگر یہ (قرآن) ہوا

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	وَكَفَرْتُمْ بِهٖ	وَ	شَهِدَ	شَاهِدٌ	مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اللہ کے پاس سے	اور انکار کیا تم نے اس کا	حالانکہ	گواہی دی	ایک گواہی دینے والے نے	بنی اسرائیل میں سے

عَلٰى مِثْلِهٖ	فَاٰمَنَ	وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	لَا يَهْدِي
اس کے جیسی (کتاب) پر	پھر وہ ایمان لایا	اور تم نے (پھر بھی) اکڑ دکھائی	(تو) یقیناً اللہ	ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ ع	وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَوْ كَانَ خَيْرًا	مَّا سَبَقُوْنَآ
ظلم کرنے والی قوم کو	اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے انکار کیا	ان کے لیے جو ایمان لائے	اگر یہ ہوتا بہتر	تو یہ لوگ آگے نہ نکلتے ہم سے

اِلَيْهِ ؕ	وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ	فَسَيَقُوْلُوْنَ	هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱
اس کی طرف	اور جب انہوں نے ہدایت نہیں پائی اس کے ذریعہ	تو وہ لوگ کہیں گے	یہ ایک بہت پرانا بہتان ہے

وَمِنْ قَبْلِهٖ	كِتٰبُ مُوْسٰٓى	اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ	وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ
اوراس (کتاب) سے پہلے	موسیٰؑ کی کتاب تھی	امام اور رحمت ہوتے ہوئے	اور یہ ایک (اس کی) تصدیق کرنے والی کتاب ہے

لِّسَانًا عَرَبِيًّا	لِّيُنْذِرَ	الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ	وَبُشْرٰى	لِلْمُحْسِنِيْنَ ۚ ﴿۱۲﴾
عربی زبان میں ہوتے ہوئے	تاکہ یہ (کتاب) خبردار کرے	ان کو جنہوں نے ظلم کیا	اور بشارت ہوتے ہوئے	خوب کاروں کے لیے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا	رَبُّنَا اللّٰهُ	ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾
بیشک جن لوگوں نے کہا	ہمارا رب اللہ ہے	پھر وہ قائم رہے (اس پر)	تو کوئی خوف نہیں ہے ان پر	اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ	جَزَآءًۢ	بِمَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
یہ لوگ جنت والے ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	بدلہ ہوتے ہوئے	اس کا جو	یہ لوگ کرتے تھے

نوٹ: 1

آیت۔9۔کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا بجز اس کے جو مجھ پر وحی کی جائے۔امور غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو،خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت کے مومن وکافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا،اس کی مجھے کچھ خبر نہیں۔امور غیبیہ کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب وحیٔ الٰہی سے کہتا ہوں۔تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور دنیا وآخرت میں پیش آنے والے اہم معاملات سے آپؐ کو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا۔رہا اشخاص وافراد کے جزوی شخصی حالات ومعاملات کہ زید کل کیا کام کرے گا اور اس کے کام کا انجام کیا ہوگا،عمرو اور بکر اپنے اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں یا کریں گے،ایسے امور غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے نہ ان کے نہ ہونے سے کمال نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپؐ غیب نہیں جانتے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو امورِ غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔(معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے آیت۔10 میں گواہ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو لیا ہے جو مدینہ میں ایمان لائے تھے۔اس لیے ان مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔اس تفسیر کی بنیاد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔(بخاری۔مسلم۔نسائی) مگر دوسری طرف کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ اوپر سے سارا سلسلۂ کلام مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے چلا آرہا ہے اور آگے بھی سارا خطاب انہی سے ہے۔اس سیاق وسباق میں یکا یک مدینہ میں نازل ہونے والی ایک آیت کا آجانا قابل تصور نہیں ہے۔جن مفسرین نے اس دوسرے قول کو قبول کیا ہے وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت چونکہ عبداللہ بن سلامؓ کے ایمان لانے پر بھی چسپاں ہوتی ہے اس لیے حضرت سعدؓ نے قدماء کی عادت کے مطابق یہ فرمادیا کہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ ایمان لائے اس وقت انہی کے بارے میں نازل ہوئی،بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قبول ایمان پر یہ پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔

اس کے بعد یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ اس گواہ سے مراد کون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد موسیٰؑ ہیں۔ لیکن بعد کا یہ فقرہ کہ وہ ایمان لے آیا اور تم اپنے گھمنڈ میں پڑے رہے، اس تفسیر کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ زیادہ صحیح بات وہی معلوم ہوتی ہے جو ابن کثیرؒ نے بیان کی ہے کہ یہاں گواہ سے مراد کوئی خاص شخص نہیں بلکہ بنی اسرائیل کا ایک عام آدمی ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ قرآن جو تعلیم پیش کر رہا ہے یہ کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ اس سے پہلے یہی تعلیمات اسی طرح وحی کے ذریعہ بنی اسرائیل کے سامنے کتب آسمانی کی شکل میں آ چکی ہیں اور ان کا ایک عام آدمی ان کو مان چکا ہے۔ اس لیے تم لوگ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وحی اور تعلیمات ناقابل فہم چیزیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارا گھمنڈ ایمان لانے میں مانع ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (15 تا 16)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ	بِوَالِدَيْهِ	اِحْسٰنًا ؕ	حَمَلَتْهُ	اُمُّهٗ	كُرْهًا وَّ
اور ہم نے تاکید کی انسان کو	اپنے والدین سے	حسن سلوک کرنے کی	اس کا (حمل) اٹھایا	اس کی ماں نے	تکلیف دہ ہوتے ہوئے

وَضَعَتْهُ	كُرْهًا ؕ	وَحَمْلُهٗ	وَفِصٰلُهٗ	ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ	حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ
اور اس نے جنا اس کو	تکلیف دہ ہوتے ہوئے	اور اس کا (حمل) اٹھانا	اور اس کا (دودھ) چھڑانا	تیس مہینے ہیں	یہاں تک کہ وہ پہنچے

اَشُدَّهٗ	وَبَلَغَ	اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ	قَالَ	رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ
اپنی پختگی کو	اور وہ پہنچے	چالیس سال کو	(تو) وہ کہے	اے میرے رب تو میرے دل میں ڈال دے

اَنْ اَشْكُرَ	نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ	اَنْعَمْتَ عَلَيَّ	وَعَلٰى وَالِدَيَّ	وَاَنْ اَعْمَلَ
کہ میں شکر ادا کروں	تیری اس نعمت کا جو	تو نے انعام کی مجھ پر	اور میرے والدین پر	اور یہ کہ میں عمل کروں

صَالِحًا	تَرْضٰىهُ	وَاَصْلِحْ	لِيْ	فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ	اِنِّيْ تُبْتُ	اِلَيْكَ
ایسی نیکی کا	تو پسند کرے جس کو	اور تو اصلاح کر دے	میرے لیے	میری اولاد میں	بیشک میں نے رجوع کیا (توبہ کی)	تیری طرف

وَاِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ
اور بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں	یہ وہ لوگ ہیں	ہم قبول کرتے ہیں جن سے

اَحْسَنَ مَا	عَمِلُوْا	وَنَتَجَاوَزُ	عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ
اس کے بہترین کو جو	ان لوگوں نے عمل کیا	اور ہم درگزر کرتے ہیں	ان کی برائیوں سے

فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ	وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ	كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
(وہ لوگ) جنت والوں میں ہیں	اس سچائی کا وعدہ ہوتے ہوئے جو	ان سے وعدہ کیا جاتا تھا

نوٹ: 1

آیت۔15۔ میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کی ہے۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر بھی ودیعت فرمائی ہے اور اسی کی تعلیم تمام انبیاء اور اس کے نیک بندوں نے بھی دی ہے۔ یہ حقیقت تمام مذاہب و ادیان میں ابتدا سے مسلم رہی ہے کہ خدا کے بعد انسان پر سب سے بڑا حق اس کے ماں باپ ہی کا ہے بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے کہ جہاں تک شعور میں آنے کا تعلق ہے، ماں باپ کا حق سب سے پہلے شعور میں آتا ہے۔ پھر اسی حق کے شعور سے انسان خدا اور اس کے حقوق کے شعور تک ترقی کرتا ہے۔ جب تک انسان بچہ رہتا ہے اس وقت تک وہ سب کچھ ماں باپ ہی کو سمجھتا ہے۔ لیکن جب وہ سن رُشد کو پہنچتا ہے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی

ہے کہ اصلی منعم وہ پروردگار ہے جس نے ماں باپ کو بھی وجود بخشا ہے۔ اس طرح وہ ماں باپ کی انگلی پکڑ کر خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اندر ماں باپ کے حق سے بھی بڑے حق کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ اور یہی دو حق انسان پر سب سے بڑے ہیں اور پھر انہی دو حق سے بہت سے حقوق کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (17 تا 20)

ترجمہ

وَالَّذِیْ قَالَ	لِوَالِدَیْهِ	اُفٍّ لَّكُمَآ	اَتَعِدٰنِنِیْٓ	اَنْ اُخْرَجَ
اور وہ جس نے کہا	اپنے والدین سے	تم دونوں پہ افسوس ہے	کیا تم دونوں مجھے دھمکی دیتے ہو	کہ مجھ کو نکالا جائے گا

وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ	مِنْ قَبْلِیْ ۚ	وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ
حالانکہ گزر چکی ہیں قومیں	مجھ سے پہلے	اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے

وَیْلَكَ	اٰمِنْ ۖ	اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ	حَقٌّ ۖ	فَیَقُوْلُ	مَا هٰذَآ اِلَّآ
(پھر بیٹے سے کہتے ہیں) بربادی ہے تیرے لیے	تو ایمان لا	یقیناً اللہ کا وعدہ	سچ ہے	تو وہ کہتا ہے	نہیں ہیں یہ مگر

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ⑰	اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ	حَقَّ عَلَیْهِمُ	الْقَوْلُ
پہلے لوگوں کے افسانے	یہ وہ لوگ ہیں	ثابت ہوئی جن پر	وہ (عذاب کی) بات

فِیْٓ اُمَمٍ	قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ
(وہ) ایسی قوموں میں ہیں جو	گزر چکی ہیں	ان سے پہلے	جنوں اور انسانوں میں سے

اِنَّهُمْ كَانُوْا	خٰسِرِیْنَ ⑱	وَلِكُلٍّ	دَرَجٰتٌ	مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ
بیشک وہ لوگ تھے	خسارہ پانے والے	اور سب کے	کچھ درجے ہیں	اس میں سے جو ان لوگوں نے عمل کیا

وَلِیُوَفِّیَهُمْ	اَعْمَالَهُمْ	وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ⑲
اور تاکہ وہ (اللہ) پورا پورا دے ان کو	ان کے اعمال (کا بدلہ)	اور ان لوگوں پر ظلم (حق تلفی) نہیں کیا جائے گا

وَیَوْمَ یُعْرَضُ	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	عَلَى النَّارِ ؕ	اَذْهَبْتُمْ
اور جس دن پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	آگ پر	(تو کہا جائے گا) تم لوگ لے گئے

طَیِّبٰتِكُمْ	فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا	وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ	فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ
اپنی پاکیزہ (چیزوں) کو	اپنی دنیوی زندگی میں	اور تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا ان سے	پس آج تم لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا

عَذَابَ الْهُوْنِ	بِمَا	كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ	فِی الْاَرْضِ
ذلت کے عذاب کا	بسبب اس کے جو	تم لوگ بڑے بنے پھرتے تھے	زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ	وَبِمَا	كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾
حق کے بغیر	اور بسبب اس کے جو	تم لوگ نافرمانی کرتے رہتے تھے

نوٹ: 1 آیت۔19۔ میں وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ کا مطلب ہے کہ نہ اچھے لوگوں کی نیکیاں ضائع ہوں گی، نہ بُرے لوگوں کو ان کی واقعی برائی سے بڑھ کر سزا دی جائے گی۔ نیک آدمی اگر اپنے اجر سے محروم رہ جائے یا اپنے استحقاق سے کم اجر پائے تو یہ بھی ظلم ہے اور بُرا آدمی اپنے کیے کی سزا نہ پائے یا جتنا قصور اس نے کیا ہے اس سے زیادہ سزا پائے تو یہ بھی ظلم ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2 آیت۔20۔ میں ہے کہ کفار سے کہا جائے گا کہ تم نے کچھ اچھے کام اگر دنیا میں کیے تھے تو اس کا بدلہ بھی تمہیں دنیا میں دیا جا چکا ہے، اب آخرت میں تمہارا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نیک اعمال جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، آخرت میں تو ان کی کوئی قیمت نہیں مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ اس کو دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (21 تا 26)

ح ق ف

(ن) حُقُوْفًا ہرن کا ریت کے تودہ میں بیٹھنا۔

حِقَفٌ ج اَحْقَافٌ۔ ریت کا لمبا اور پیچ دار تودہ۔ زیر مطالعہ آیت۔21۔

ترجمہ

وَاذْكُرْ	اَخَا عَادٍ ؕ	اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ	بِالْاَحْقَافِ	وَقَدْ خَلَتِ
اور آپؐ یاد کریں	عاد کے بھائی ہودؑ کو	جب انہوں نے خبردار کیا اپنی قوم کو	احقاف (کے علاقے) میں	حالانکہ گزر چکے تھے

النُّذُرُ	مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	وَمِنْ خَلْفِهٖٓ	اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اِلَّا اللّٰهَ ؕ
خبردار کرنے	انؑ کے آگے (والے علاقے) سے	اور انؑ کے پیچھے (والے علاقے) سے	کہ تم لوگ بندگی مت کرو (کسی کی)	سوائے اللہ کے

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ	عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾	قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا
بیشک میں ڈرتا ہوں تم لوگوں پر	ایک عظیم دن کے عذاب سے	ان لوگوں نے کہا کیا تو آیا ہمارے پاس

لِتَاْفِكَنَا	عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ	فَاْتِنَا	بِمَا	تَعِدُنَآ
تاکہ تو پھیر دے ہم کو	ہمارے خداؤں سے	پس تو لے آ	اس چیز کو جس کا	تو وعدہ کرتا ہے ہم سے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾	قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ	عِنْدَ اللّٰهِ ۖ	وَاُبَلِّغُكُمْ
اگر تو ہے سچ کہنے والوں میں سے	انہوںؑ نے کہا (اس کا) پورا علم تو بس	اللہ کے پاس ہے	اور میں پہنچاتا ہوں تم لوگوں کو

مَّآ	اُرْسِلْتُ بِهٖ	وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ	قَوْمًا	تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾
اس چیز کو	میں بھیجا گیا جس کے ساتھ	اور لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگوں کو	ایک ایسی قوم (کہ)	تم لوگ نادانی کرتے ہو

فَلَمَّا رَاَوْهُ	عَارِضًا	مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ	قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ
پھر جب ان لوگوں نے دیکھا اس (عذاب) کو	بادل ہوتے ہوئے	ان کی وادیوں کے سامنے آنے والا ہوتے ہوئے	تو انہوں نے کہا یہ ایک بادل ہے

مُّمْطِرُنَا ؕ	بَلْ هُوَ	مَا	اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ	رِيْحٌ	فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿۲۴﴾
(بارش) برسانے والا ہے ہم پر	بلکہ وہ	وہ ہے	تم جلدی مچاتے تھے جس کی	(یہ) ایک ایسی ہوا ہے	جس میں ایک دردناک عذاب ہے

تُدَمِّرُ	كُلَّ شَيْءٍ	بِاَمْرِ رَبِّهَا	فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى
وہ ہلاک کرتی ہے	ہر چیز کو	اپنے رب کے حکم سے	پھر وہ ہو گئے (ایسے کہ کوئی ایک بھی) نہیں دیکھا جاتا

اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ	كَذٰلِكَ نَجْزِي	الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾	وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ
سوائے ان کے ٹھکانوں کے	اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں	جرم کرنے والی قوم کو	اور بیشک ہم اختیار دے چکے ان کو

فِيْمَآ	اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ	وَجَعَلْنَا لَهُمْ	سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ
اس میں	ہم نے اختیار نہیں دیا تم کو جس میں	اور ہم نے بنائے (دیئے) ان کے لیے	سماعت اور بصارت اور دل

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ	سَمْعُهُمْ	وَلَآ اَبْصَارُهُمْ	وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ	مِّنْ شَيْءٍ
پھر کام نہ آئے ان کے	ان کی سماعت	اور نہ ان کی بصارتیں	اور نہ ان کے دل	کسی بھی چیز میں

اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	وَحَاقَ بِهِمْ	مَّا	كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾
جب وہ جانتے بوجھتے انکار کرتے تھے	اللہ کی نشانیوں کا	اور گھیرے میں لے لیا ان کو	اس چیز نے	وہ لوگ جس کا مذاق اڑاتے تھے

نوٹ: 1 چونکہ سردارانِ قریش اپنی بڑائی کا زعم رکھتے تھے اور اپنی ثروت پر پھولے نہ سماتے تھے، اس لیے یہاں ان کو قومِ عاد کا قصہ سنایا جا رہا ہے جس کے متعلق عرب میں مشہور تھا کہ قدیم زمانے میں وہ اس سرزمین کی سب سے زیادہ طاقتور قوم تھی۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ: 2 آیت۔26۔ میں ایک اہم حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کی آیات ہی وہ چیز ہیں جو انسان کو حقیقت کا صحیح فہم و ادراک بخشتی ہیں۔ یہ فہم و ادراک انسان کو حاصل ہو تو وہ آنکھوں سے ٹھیک دیکھتا ہے، کانوں سے ٹھیک سنتا ہے، دل و دماغ سے ٹھیک سوچتا ہے اور صحیح فیصلے کرتا ہے۔ لیکن جب وہ آیاتِ الٰہی کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اسے نگاہِ حق شناس نصیب نہیں ہوتی، کان رکھتے ہوئے بھی وہ ہر کلمۂ نصیحت کے لیے بہرا ہوتا ہے اور دل و دماغ کی جو نعمتیں خدا نے اسے دی ہیں ان سے الٹی سوچتا اور ایک سے ایک غلط نتیجہ اخذ کرتا چلا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 32)

ترجمہ

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا	مَا حَوْلَكُمْ	مِّنَ الْقُرٰى	وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ
اور بیشک ہم ہلاک کر چکے	اس کو جو تمہارے اردگرد ہیں	بستیوں میں سے	اور ہم نے بار بار بیان کیا آیتوں کو

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾	فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ	الَّذِيْنَ	اتَّخَذُوْا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
شاید وہ لوگ لوٹ آئیں	تو کیوں نہیں مدد کی ان کی	ان لوگوں نے جن کو	ان لوگوں نے بنایا	اللہ کے علاوہ

قُرْبَانًا	اٰلِهَةً ؕ	بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ	وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ	وَمَا	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾
قربت حاصل کرنے کے لیے	معبود	بلکہ وہ سب گم ہو گئے ان سے	اور یہ ان کا جھوٹ تھا	اور وہ (بھی) جو	یہ گھڑتے تھے

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ	نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ	يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ	فَلَمَّا حَضَرُوْهُ
اور جب ہم نے پھیرا آپؐ کی طرف	ایک ٹولی کو جنوں میں سے	سنتے ہوئے قرآن کو	پھر جب وہ سامنے آئے اس (قرآن پڑھنے) کے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ	فَلَمَّا قُضِيَ	وَلَّوْا	اِلٰى قَوْمِهِمْ	مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾
تو انہوں نے کہا چپ چاپ سنو	پھر جب وہ (قرآن پڑھنا) پورا کیا گیا	تو وہ سب واپس لوٹے	اپنی قوم کی طرف	خبردار کرنے والے ہوتے ہوئے

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ	اِنَّا سَمِعْنَا	كِتٰبًا	اُنْزِلَ	مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى	مُصَدِّقًا
انہوں نے کہا اے ہماری قوم	بیشک ہم نے سنا	ایک ایسی کتاب کو جو	نازل کی گئی	موسیٰؑ کے بعد	تصدیق کرنے والی ہوتی ہوئے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	يَهْدِيْٓ	اِلَى الْحَقِّ	وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾
اس کی جو اس کے سامنے (پہلے) ہے	(وہ) رہنمائی کرتی ہے	حق کی طرف	اور ایک سیدھے راستے کی طرف

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا	دَاعِيَ اللّٰهِ	وَاٰمِنُوْا بِهٖ	يَغْفِرْ لَكُمْ
اے ہماری قوم تم لوگ کہا مانو	اللہ کی دعوت دینے والے کا	اور تم لوگ ایمان لاؤ اس پر	تو وہ (اللہ) بخش دے گا تمہارے لیے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ	وَيُجِرْكُمْ	مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾	وَمَنْ لَّا يُجِبْ	دَاعِيَ اللّٰهِ
تمہارے گناہوں میں سے	اور وہ امان دے گا تم کو	ایک دردناک عذاب سے	اور جو کہا نہیں مانے گا	اللہ کی دعوت دینے والے کا

فَلَيْسَ	بِمُعْجِزٍ	فِي الْاَرْضِ	وَلَيْسَ لَهٗ
تو وہ نہیں ہے	عاجز کرنے والا	زمین میں	اور نہیں ہیں اس کے لیے

مِنْ دُوْنِهٖٓ	اَوْلِيَآءُ ؕ	اُولٰٓئِكَ	فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾
اس (اللہ) کے سوا	کچھ کارساز لوگ	وہ لوگ	کھلی گمراہی میں ہیں

نوٹ:1

آیت۔29۔ کی تفسیر میں جو روایات متعدد صحابہ کرامؓ اور دوسرے بزرگوں سے منقول ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ جنوں کی پہلی حاضری کا یہ واقعہ، جس کا اس آیت میں ذکر ہے بطن نخلہ میں پیش آیا تھا۔ وہاں عشا یا فجر یا تہجد کی نماز میں آپؐ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ آپؐ کی قرأت سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھ تمام روایات اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس موقعہ پر جن حضورؐ کے سامنے نہیں آئے تھے۔ نہ آپؐ نے ان کی آمد کو محسوس کیا تھا بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپؐ کو ان کے آنے اور قرآن سننے کی خبر دی۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جنوں کے پے در پے وفود نبی ﷺ کے پاس حاضر ہونے لگے اور آپؐ سے ان کی رُو در رُو ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس بارے میں جو روایات کتب حدیث میں منقول ہیں ان کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں کم از کم چھ وفد آئے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی ﷺ جنات کے بھی اسی طرح رسول ہیں۔ جس طرح ہمارے لیے ہیں۔ اس کا جواب نفی میں دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ آگے آیت۔31 میں جنوں کا یہ قول موجود ہے کہ ''اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ'' دوسری طرف رسولوں کے باب میں سنتِ الٰہی تو یہ رہی ہے کہ وہ اسی قوم کے اندر سے مبعوث ہوئے جس کی دعوت پر وہ مامور ہوئے۔ اسی قوم کی زبان میں انہوں نے دعوت پیش کی اور قوم ہی کے اندر انہوں نے زندگی گزاری۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ جب جنوں اور انسانوں کی خلقت دو متضاد عناصر سے ہوئی ہے تو لازماً دونوں کی سرشت اور مزاج، دونوں کی معاشرتی اور تمدنی ضروریات اور دونوں کے احکام و شرائع میں بڑا فرق ہوگا۔ اس لیے ان میں اگر مشترک ہو سکتے ہیں تو توحید، معاد اور خیر و شر کے بنیادی کلمات ہی ہو سکتے ہیں، باقی امور الگ الگ

ہوں گے۔اس وجہ سے قرآن ان کی رہنمائی، عقائد اور اخلاقی کلیات کی حد تک کرسکتا ہے۔ کیونکہ جہاں تک کلیاتِ دین کا تعلق ہے وہ نہ صرف انسانوں اور جنوں کے درمیان بلکہ فرشتوں کے درمیان بھی مشترک ہیں۔ جس طرح داؤدؑ کے نغماتِ حمد میں پرندے اور پہاڑ ان کی ہمنوائی کرتے تھے، اسی طرح جنوں کے صالحین کی اس پارٹی نے قرآن سنا تو عش عش کر اٹھی اور انہوں نے اپنی قوم کو بھی توحید و آخرت پر ایمان لانے اور خدا کے عذاب سے ڈرتے رہنے کی دعوت دی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کی بنیادی دعوت انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے یکساں ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ جنوں کے لیے بھی اسی طرح رسول تھے جس طرح انسانوں کے لیے تھے۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کی بات اس سنتِ الٰہی کے خلاف ہے جو قرآن میں رسالت سے متعلق نہایت وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔ (تدبر قرآن، ج 7، ص 380 تا 382 سے ماخوذ)۔

آیت نمبر (33 تا 35)

ع	ی	ی

(س) عَيِيَ كام کرنے سے عاجز ہونا۔ تھک جانا۔ زیر مطالعہ آیت۔33۔

ترجمہ

اَوَ لَمۡ يَرَوۡا	اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	وَلَمۡ يَعۡىَ
کیا ان لوگوں نے غور ہی نہیں کیا	کہ وہ اللہ جس نے	پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	اور وہ نہیں تھکا

بِخَلۡقِهِنَّ	بِقٰدِرٍ	عَلٰٓى اَنۡ	يُّحۡىِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ	بَلٰٓى اِنَّهٗ
ان کو پیدا کرنے سے	قادر (نہیں) ہے	اس پر کہ	وہ زندہ کرے مردوں کو	کیوں نہیں یقیناً وہ

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۳﴾	وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ	الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	عَلَى النَّارِ ؕ
ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اور جس دن پیش کیے جائیں گے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	آگ پر

اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ	قَالُوۡا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ	قَالَ	فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ
(تو پوچھا جائے گا) کیا یہ برحق نہیں ہے	وہ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے رب کی قسم	کہے گا (ان کا رب)	تو (اب) چکھو عذاب کو

بِمَا	كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾	فَاصۡبِرۡ	كَمَا صَبَرَ	اُولُوا الۡعَزۡمِ	مِنَ الرُّسُلِ
بسبب اس کے جو	تم لوگ انکار کرتے تھے	پس آپ صبر کریں	اس کے جیسا جو صبر کیا	عزم والوں نے	رسولوں میں سے

وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّهُمۡ ؕ	كَاَنَّهُمۡ	يَوۡمَ يَرَوۡنَ	مَا يُوۡعَدُوۡنَ ۙ
اور آپ جلدی نہ کریں ان کے لیے	جیسے کہ وہ لوگ (سمجھیں گے)	جس دن دیکھیں گے	اس کو جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا	اِلَّا سَاعَةً	مِّنۡ نَّهَارٍ ؕ	بَلٰغٌ ۚ
(کہ) وہ نہیں ٹھہرے (دنیا میں)	مگر ایک گھڑی بھر	ایک دن میں سے	(یہ) پہنچا دینا ہے

فَهَلۡ يُهۡلَكُ	اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع
پھر کیا (کون) ہلاک کیا جائے گا	سوائے نافرمانی کرنے والی قوم کے

نوٹ: 1

اس سورہ کے شروع میں وہ پس منظر واضح کیا گیا ہے جس میں یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔ ان حالات وواقعات کو ذہن میں تازہ کریں اور پھر سوچیں کہ جب یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ پر گزر گیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے رہا ہے کہ آپ صبر کریں جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور آپ جلدی نہ کریں۔ تب کچھ اندازہ ہوگا کہ کس درجہ کا صبر اور عزم اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، خصوصاً ان لوگوں سے جو کارِ انبیاء یعنی دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ پھر یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ کسی دینی جماعت کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ ان کی جلد بازی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شارٹ کٹ اختیار کر لیتے ہیں۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے کیسٹ سے ماخوذ)

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com ,www.khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ محمد (47)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترکیب

جس طرح لفظ ''مَنۡ'' اصلاً موصولہ ہے لیکن کبھی یہ شرطیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اَلَّذِیۡ اور اَلَّذِیۡنَ میں بھی کبھی شرط کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے آیات ایک اور دو میں ہے کہ جو لوگ یہ کام کریں گے (شرط) تو ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہوگا (جواب شرط)۔ اس لیے ان میں ماضی کا ترجمہ حال یا مستقبل میں کرنے کی گنجائش ہے۔ آیت۔ 3۔ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ اس لیے ماضی کا ترجمہ حال میں ہوگا۔ (دیکھیں آیت۔ 2/البقرۃ: 49، نوٹ۔ 2)

ترجمہ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	وَصَدُّوۡا	عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	اَضَلَّ	اَعۡمَالَہُمۡ ①
جن لوگوں نے انکار کیا	اور وہ لوگ رکے رہے	اللہ کی راہ سے	تو وہ (اللہ) ضائع کرے گا	ان کے اعمال کو

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	وَاٰمَنُوۡا بِمَا	نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ	وَّہُوَ الۡحَقُّ
اور جو لوگ ایمان لائے	اور انہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	اور ایمان لائے اس پر جو	نازل کیا گیا محمدؐ پر	جبکہ وہ ہی حق ہے

مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ	کَفَّرَ عَنۡہُمۡ	سَیِّاٰتِہِمۡ	وَاَصۡلَحَ	بَالَہُمۡ ②
ان کے رب (کی جانب) سے	تو وہ (اللہ) دور کرے گا ان سے	ان کی برائیوں کو	اور وہ اصلاح کرے گا	ان کی حالت کی

ذٰلِکَ بِاَنَّ	الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	اتَّبَعُوا	الۡبَاطِلَ	وَاَنَّ	الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا
یہ اس سبب سے کہ	جن لوگوں نے انکار کیا	وہ لوگ پیروی کرتے ہیں	باطل کی	اور (یہ) کہ	جو لوگ ایمان لائے

اتَّبَعُوا	الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ	کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ	لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ③	فَاِذَا لَقِیۡتُمُ
وہ پیروی کرتے ہیں	حق کی اپنے رب (کی طرف) سے	اس طرح بیان کرتا ہے اللہ	لوگوں کے لیے ان کی مثالیں	پھر جب کبھی آمنے سامنے ہو تم لوگ

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا	فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ	حَتّٰۤی اِذَاۤ	اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ	فَشُدُّوا
ان کے جنہوں نے کفر کیا	تو (مارو) جیسا گردنیں مارنے کا حق ہے	یہاں تک کہ جب	تم لوگ خوب خونریزی کر لو ان کی	تو تم لوگ مضبوط کرو

الۡوَثَاقَ ۙ	فَاِمَّا	مَنًّۢا بَعۡدُ	وَاِمَّا فِدَآءً	حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ	اَوۡزَارَہَا ۚۛ
جکڑنے کو	پھر یا تو	(چھوڑو) احسان کرتے ہوئے اس کے بعد	اور یا بدلہ میں کچھ لینے کے لیے	یہاں تک کہ رکھ دے جنگ	اپنے بوجھ (ہتھیار)

ذٰلِکَ ؕ	وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ	لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ	وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا	بَعۡضَکُمۡ	بِبَعۡضٍ ؕ
یہ ہے	اور اگر چاہتا اللہ	تو وہ یقیناً بدلہ لیتا ان سے	اور لیکن (بدلہ نہیں لیا) تاکہ وہ آزمائے	تمہارے کسی کو	کسی سے

وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا	فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	فَلَنۡ یُّضِلَّ	اَعۡمَالَہُمۡ ④	سَیَہۡدِیۡہِمۡ
اور جو لوگ قتل کیے گئے	اللہ کی راہ میں	تو وہ (اللہ) ہرگز ضائع نہیں کرے گا	ان کے اعمال کو	وہ رہنمائی کرے گا ان کی

وَيُصْلِحُ	بَالَهُمْ ۚ ۵	وَيُدْخِلُهُمُ	الْجَنَّةَ	عَرَّفَهَا	لَهُمْ ۞ ۶
اور وہ اصلاح کرے گا	ان کی حالت کو	اور وہ داخل کرے گا ان کو	اس جنت میں	اس نے خوشبو میں بسایا جس کو	ان کے لیے

نوٹ: 1

آیت۔2 میں صرف یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ اس چیز پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر اتاری گئی، پھر مزید تصریح یہ ہے کہ اب خدا کی طرف سے حق یہی ہے۔ اس تصریح کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اُس دور میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو کفر اور اسلام دونوں کے درمیان سمجھوتے کی باتیں کرنے لگا تھا کہ مسلمانوں کو کچھ گنجائش دوسروں کے لیے بھی تسلیم کرنی چاہیے۔ (یہ گروہ آج بھی موجود ہے۔ مرتب)۔ اہل کتاب میں بھی ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو کہتا تھا کہ مومن تو ہم بھی ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) پر ایمان نہیں لائے۔ اس قسم کے رجحانات کی بیخ کنی قرآن نے پچھلی سورتوں میں بھی کی ہے اور یہاں بھی مذکورہ بالا تصریح نے اسی رجحان پر ضرب لگائی ہے کہ اب ایمان و ہدایت کا واحد راستہ وہی ہے جس کی دعوت محمد ﷺ دے رہے ہیں۔ اس سے ہٹ کر کوئی راہ نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)

نوٹ: 2

آیت۔2 قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس میں قوانین جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ اس سے جو احکام نکلتے ہیں اور اس کے مطابق نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جس طرح عمل کیا ہے اور اس سے جو استنباطات کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑنا ہے۔ اس سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہیے۔ قیدی پکڑنے کی طرف توجہ اس وقت کرنی چاہیے جب دشمن کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا جائے اور میدان جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔

(۲) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے بارے میں فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے، خواہ ان پر احسان کر دو یا ان سے فدیہ کا معاملہ کر لو۔ اس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(۳) مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حکومت بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ عام قاعدے میں ایک استثناء ہے جسے بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے ستر قیدیوں میں سے صرف دو کو، جنگ احد کے قیدیوں میں سے صرف ایک کو اور جنگ خیبر کے قیدیوں میں سے صرف ایک کو قتل کرایا۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہل مکہ میں صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ان مستثنیات کے علاوہ حضورؐ کا عام طریقہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا اور یہی عمل خلفاء راشدین کا بھی تھا۔

(۴) جنگی قیدیوں کے بارے میں احسان کرنے یا فدیہ کا معاملہ کرنے کا حکم ہے احسان میں چار چیزیں شامل ہیں۔ ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالے کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔ جبکہ فدیہ کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اپنے اُن آدمیوں سے جو دشمن

کے قبضہ میں ہوں۔ ان کا تبادلہ کرلیا جائے۔ ان سب مختلف صورتوں پر نبی ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔

(۵) نبی ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب تک حکومت کی قید میں رہے اس کی غذا، لباس اور علاج حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔

(۶) قیدیوں کے معاملے میں اسلام نے یہ شکل رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے، وہ تو آزاد کر دیا جائے گا مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔ یہ بات معقول ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کرے گا تو آخر وہ کون سا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

(۷) قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت یہ ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی رعایا بنا لیا جائے۔ اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں عمل کیا گیا ہے جب قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں وہ اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی ﷺ نے اہل خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔

(۸) مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال صرف جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے اس کو بالعموم ناپسند کیا ہے لیکن ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

(۹) قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی ﷺ کے عہد میں ملتی ہیں۔ فقہا تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برا ہونے کی گنجائش ہے۔ جو لوگ اس آیت کا بس یہ مطلب لیتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کو یا بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، وہ نہیں جانتے کہ یہ معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے۔ اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کر سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج 5۔ ص 12 تا 18 سے ماخوذ)

آیت نمبر (7 تا 12)

ت	ع	س

(ف) تَعْسًا ٹھوکر کھا کر گرنا پھر اٹھ نہ سکنا۔ پستی میں گر کر ٹوٹ جانا۔ پھر زیادہ تر ہلاک ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔ 8

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ	يَنْصُرْكُمْ	وَيُثَبِّتْ
اے لوگو! جو ایمان لائے	اگر تم لوگ مدد کرو گے اللہ کی	تو وہ مدد کرے گا تمہاری	اور وہ جما دے گا

اَقْدَامَكُمْ ۝۷	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	فَتَعْسًا	لَّهُمْ	وَاَضَلَّ	اَعْمَالَهُمْ ۝۸
تمہارے قدموں کو	اور جنہوں نے انکار کیا	تو (وہ لازم کرے گا) ہلاک ہونے کو	ان کے لیے	اور وہ ضائع کرے گا	ان کے اعمال کو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	كَرِهُوْا مَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ	فَاَحْبَطَ	اَعْمَالَهُمْ ۝۹	اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
یہ اس سبب سے کہ انہوں نے	ناپسند کیا اس کو جو	نازل کیا اللہ نے	تو اس نے اکارت کر دیئے	ان کے اعمال	تو کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں

فِي الْاَرْضِ	فَيَنْظُرُوْا	كَيْفَ كَانَ	عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ	دَمَّرَ اللّٰهُ
زمین میں	نتیجتاً (تاکہ) وہ دیکھتے	کیسا تھا	ان لوگوں کا انجام جو	ان سے پہلے تھے	ہلاکت ڈالی اللہ نے

عَلَيْهِمْ ۫	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	اَمْثَالُهَا ۝۱۰	ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ	مَوْلَى
ان پر	اور انکار کرنے والوں کے لیے	اس (انجام) کے جیسی (چیزیں) ہیں	یہ اس سبب سے کہ اللہ	بگڑی بنانے والا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ	لَا مَوْلٰى	لَهُمْ ۝۱۱ ع	اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ
ان کی جو ایمان لائے	اور یہ کہ کافر لوگ	کوئی بگڑی بنانے والا نہیں ہے	ان کے لیے	یقیناً اللہ داخل کرے گا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ؕ	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ان کو جو ایمان لائے	اور جنہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے نیچے سے	نہریں	اور جنہوں نے کفر کیا

يَتَمَتَّعُوْنَ	وَيَاْكُلُوْنَ	كَمَا تَاْكُلُ	الْاَنْعَامُ	وَ	النَّارُ	مَثْوًى	لَّهُمْ ۝۱۲
وہ فائدہ اٹھاتے ہیں	اور کھاتے ہیں	جیسے کھاتے ہیں	چوپائے	اس حال میں کہ	آگ	ٹھکانہ ہے	ان کے لیے

نوٹ: 1

آیت۔7۔کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحبؒ (یعنی شاہ عبدالقادرؒ) لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے۔ پر یہ منظور نہیں ہے۔ جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف ہے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف ہے کام بنانا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ سے منقول)۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی راہ میں پہلا قدم وہ اٹھائیں۔ اگر انہوں نے یہ قدم اٹھالیا تو اس کے بعد اس کی شانیں ظاہر ہوں گی۔ ان کے لیے اس کی مدد نہیں نازل ہوتی جو گھروں میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے ہیں بلکہ ان کے لیے نازل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو میدان میں ڈال دیتے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

لفظ مولیٰ بہت سے معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ایک معنی کارساز کے ہیں جو یہاں مراد ہیں۔ ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ (سورہ یونس۔30) کفار کے بارے میں آیا ہے ''اور وہ لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا حقیقی آقا ہے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لیے بھی مولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ مولیٰ کے معنی مالک کے (بھی) ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مالکیت عام ہے۔ مومن کافر کوئی اس سے خارج نہیں۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 3

جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے، کس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس رزق کے ساتھ میرے اوپر رازق کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جا رہے ہیں۔ چرنے چگنے (روٹی، کپڑا، مکان) سے آگے انہیں کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (13 تا 15)

ء س ن

(س) اَسَنًا پانی کا بدبودار ہونا۔

اٰسِنٌ اسم الفاعل ہے۔ بدبودار ہونے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔15۔

ع س ل

(ن۔ض) عَسَلًا کھانے میں شہد ملانا۔ شہد کھلانا۔

عَسَلٌ اسم ذات ہے۔ شہد۔ زیر مطالعہ آیت۔15۔

ترجمہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ	هِيَ اَشَدُّ	قُوَّةً	مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ	اَخْرَجَتْكَ ۚ
اور کتنی ہی بستیاں ہیں	جو زیادہ شدید تھیں	بلحاظ قوت کے	آپؐ کی اس بستی سے جس نے	نکالا آپؐ کو

اَهْلَكْنٰهُمْ	فَلَا نَاصِرَ	لَهُمْ ﴿۱۳﴾	اَفَمَنْ كَانَ	عَلٰى بَيِّنَةٍ
ہم نے ہلاک کیا ان (بستی والوں) کو	تو کوئی بھی مدد کرنے والا نہ تھا	ان کے لیے	تو کیا وہ جو تھا	ایک واضح (ہدایت) پر

مِّنْ رَّبِّهٖ	كَمَنْ	زُيِّنَ لَهٗ	سُوْٓءُ عَمَلِهٖ	وَاتَّبَعُوْٓا	اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾
اپنے رب (کی طرف) سے	اس کے جیسا ہوگا	سجایا گیا جس کے لیے	اس کے عمل کی برائی کو	اور انہوں نے پیروی کی	اپنی خواہشات کی

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ	وُعِدَ	الْمُتَّقُوْنَ ؕ	فِيْهَآ اَنْهٰرٌ	مِّنْ مَّآءٍ
اس جنت کی مثال جس کا	وعدہ کیا گیا	متقی لوگوں سے	اس میں کچھ نہریں ہیں	ایسے پانی سے جو

غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ	وَاَنْهٰرٌ	مِّنْ لَّبَنٍ	لَّمْ يَتَغَيَّرْ	طَعْمُهٗ ۚ	وَاَنْهٰرٌ
بدبودار ہونے والا نہیں ہے	اور کچھ نہریں ہیں	ایسے دودھ سے	بدلا ہی نہیں	جس کا ذائقہ	اور کچھ نہریں ہیں

مِّنْ خَمْرٍ	لَّذَّةٍ	لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ	وَاَنْهٰرٌ	مِّنْ عَسَلٍ	مُّصَفًّى ؕ
ایسی شراب سے جو	لذت ہے	پینے والوں کے لیے	اور کچھ نہریں ہیں	ایسی شہد سے جو	آمیزش سے پاک کی ہوئی ہے

وَلَهُمْ فِيْهَا	مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	وَمَغْفِرَةٌ	مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ	كَمَنْ
اور ان کے لیے اس میں ہیں	تمام پھلوں میں سے	اور مغفرت ہے	ان کے رب کی طرف سے	(کیا وہ) اس کے جیسا ہوگا

هُوَ	خَالِدٌ	فِي النَّارِ	وَسُقُوْا	مَآءً حَمِيْمًا	فَقَطَّعَ	اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾
جو	ہمیشہ رہنے والا ہے	آگ میں	اور جن لوگوں کو پلایا جائے گا	کھولتا پانی	تو وہ کاٹ دے گا	ان کی انتڑیوں کو

نوٹ: 1 آیت۔15 میں جنت میں چار چیزوں کی نہروں کا ذکر ہے اس میں سے دودھ کے لیے حدیث میں تشریح آئی ہے کہ ''وہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا دودھ نہ ہوگا۔'' شراب کے لیے حدیث میں ہے کہ اس شراب کو ''انسانوں نے اپنے قدموں سے روند کر نہ نچوڑا ہوگا۔'' یعنی وہ

پھلوں کو سڑا کر اور قدموں سے روند کر کشید کی ہوئی نہ ہوگی۔ اور شہد کے لیے ہے کہ ''وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلا ہوا شہد نہ ہوگا'' یعنی پانی کی طرح یہ چیزیں بھی چشموں سے نکل کر نہروں میں بہیں گی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (16 تا 19)

ش	ر	ط

(ن۔ض) شَرْطًا شرط لگانا۔

(س) شَرَطًا کسی مشکل کام میں پڑنا۔ کسی چیز پر پہچان کے لیے نشان لگانا۔

شَرَطٌ ہر چیز کی ابتدا۔ علامت۔ زیر مطالعہ آیت۔ 18۔

ترجمہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ	يَّسْتَمِعُ	اِلَيْكَ ۚ	حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا	مِنْ عِنْدِكَ
اور ان میں وہ بھی ہیں جو	کان دھرتے ہیں	آپؐ کی طرف	یہاں تک کہ جب وہ نکلتے ہیں	آپؐ کے پاس سے

قَالُوْا	لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	مَاذَا قَالَ	اٰنِفًا ؕ	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
تو کہتے ہیں	ان سے جن کو دیا گیا علم	انہوں نے کیا فرمایا	ابھی ابھی	یہ وہ لوگ ہیں

طَبَعَ اللّٰهُ	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	وَاتَّبَعُوْٓا	اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾	وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا
چھاپ لگا دی اللہ نے	جن کے دلوں پر	اور ان لوگوں نے پیروی کی	اپنی خواہشات کی	اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی

زَادَهُمْ	هُدًى	وَّاٰتٰىهُمْ	تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾	فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ	اِلَّا السَّاعَةَ
اس (اللہ) نے زیادہ کیا ان کو	بلحاظ ہدایت کے	اور اس نے دیا ان کو	ان کا تقویٰ	تو یہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	سوائے اُس گھڑی (قیامت) کے

اَنْ تَاْتِيَهُمْ	بَغْتَةً ۚ	فَقَدْ جَآءَ	اَشْرَاطُهَا ۚ	فَاَنّٰى لَهُمْ
کہ وہ پہنچے ان کے پاس	اچانک	تو آ چکی ہیں	ان کی علامتیں	تو کہاں سے ہوگی ان کے لیے

اِذَا	جَآءَتْهُمْ	ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾	فَاعْلَمْ	اَنَّهٗ	لَآ اِلٰهَ
(اُس وقت) جبکہ	وہ (گھڑی) آئے گی ان کے پاس	ان کی نصیحت	تو آپؐ جان لیں	حقیقت یہ ہے کہ	کوئی بھی الٰہ نہیں ہے

اِلَّا اللّٰهُ	وَاسْتَغْفِرْ	لِذَنْۢبِكَ	وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ
سوائے اللہ کے	اور آپؐ مغفرت مانگیں	اپنے گناہ کے لیے	اور ایمان لانے والوں کے لیے	اور ایمان لانے والیوں کے لیے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	مُتَقَلَّبَكُمْ	وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع
اور اللہ جانتا ہے	تم لوگوں کے گھومنے پھرنے کی جگہ کو	اور تمہارے ٹھکانے کو

نوٹ: 1 آیت۔ 16 میں نبی ﷺ کو منافقین سے خبردار کیا گیا ہے۔ فرمایا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہاری بات سننے کے لیے کان تو لگاتا ہے لیکن سنتا سمجھتا کچھ بھی نہیں۔ جب یہ تمہارے پاس سے جاتے ہیں تو مجلس کے دوسرے اصحاب علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا فرمایا۔ اس سوال سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ تم لوگ محض سادہ لوحی کے سبب سے ان کی ہر بات پر سر تسلیم خم کر دیتے ہو، ہم تو ان کی باتیں

بہت توجہ سے سنتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ واضح رہے کہ یہ طریقہ کسی کی عمدہ سے عمدہ بات کو مشتبہ بنا دینے کے لیے ایک نہایت کارگر طریقہ ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

علاماتِ قیامت کی ابتداء خود خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے ہو جاتی ہے کیونکہ ختم نبوت بھی قربِ قیامت کی علامت ہے اسی طرح شقِ قمر کے معجزے کو بھی قرآن میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (54/القمر: 1) کے ساتھ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ بھی علامتِ قیامت میں سے ہے۔ یہ تو علاماتِ ابتدائیہ ہیں جو خود نزول قرآن کے وقت میں ظاہر ہو چکی تھیں۔ دوسری علامات کا ذکر احادیث میں ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 3

اسلام نے جو اخلاق انسان کو سکھائے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی میں کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، اسے کبھی یہ زعم نہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا میں نے کر دیا ہے۔ بلکہ اسے ہمیشہ یہی سمجھنا چاہیے کہ میرے مالک کا مجھ پر جو حق تھا وہ میں ادا نہیں کر سکا۔ اور ہر وقت اپنے قصور کا اعتراف کر کے اپنی کمی کوتاہی کے لیے مغفرت مانگتا رہے۔ یہی اصل روح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ ''اے نبیؐ اپنے قصور کی معافی مانگو۔'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ نبی ﷺ نے فی الواقع کوئی قصور کیا تھا بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا سے بڑھ کر جو بندہ اپنے رب کی بندگی بجالانے والا تھا، اس کا منصب بھی یہ نہ تھا کہ اپنے کارنامے پر فخر کا کوئی شائبہ تک اس کے دل میں راہ پائے۔ اسی کیفیت کا اثر تھا جس کے تحت نبی ﷺ بکثرت استغفار فرماتے رہتے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (20 تا 23)

ترکیب

(آیت۔ 20) اَوْلٰی افعل تفضیل ہے جس کے معنی ہیں زیادہ نزدیک۔ زیادہ قریب لیکن یہ دھمکی کا کلمہ بھی ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/البقرۃ: 64، مادہ ''ول ی'')۔ یہاں یہ دھمکی کے معنی میں آیا ہے۔ (آیت۔ 21) طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ خبریں ہیں ان سے پہلے ان کا مبتدا محذوف ہے جو اَلْمَطْلُوْبُ ہو سکتا ہے۔ عَزَمَ فعل متعدی ہے جس کے معنی ہیں پکا ارادہ کرنا۔ یہاں اَلْاَمْرُ اس کے فاعل کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے لفظی ترجمہ بنتا ہے۔ اس معاملہ نے پکا ارادہ کیا۔ لیکن مفہوم فعل لازم کے معنی میں لیا جاتا ہے یعنی وہ معاملہ پکا ہوا یا پختہ ہوا۔

ترجمہ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ	فَاِذَآ اُنْزِلَتْ
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے	کیوں نہیں نازل کی گئی کوئی سورت	پھر جب اتاری گئی

سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ	وَّذُكِرَ فِيْهَا	الْقِتَالُ ۙ	رَاَيْتَ الَّذِيْنَ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ
ایک محکم کی ہوئی سورت	اور ذکر کیا گیا اس میں	جنگ کا	تو آپؐ نے دیکھا ان کو	جن کے دلوں میں	ایک روگ ہے

يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ	نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ	مِنَ الْمَوْتِ ؕ	فَاَوْلٰى	لَهُمْ ۚ﴿۲۰﴾
(کہ) وہ دیکھتے ہیں آپؐ کی طرف	اس کی نظر جس پر ڈھائی گئی (غشی)	موت (کے خوف) سے	تو قریب ہے (تباہی)	ان کے لیے

طَاعَةٌ	وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۬	فَاِذَا	عَزَمَ الْاَمْرُ ۬
(اصل مطلوب ہے) اطاعت کرنا	اور بھلی بات کہنا	پھر جب کبھی	پختہ ارادہ کر لے وہ معاملہ (یعنی جنگ کا فیصلہ ہو جائے)

فَلَوْ صَدَقُوا	اللّٰهَ	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴿۲۱﴾	فَهَلْ عَسَيْتُمْ	اِنْ تَوَلَّيْتُمْ
تو اگر یہ لوگ سچ کر دکھاتے	اللہ کو	تو یقیناً بہتر ہوتا ان کے لیے	پھر تم لوگوں سے کیا ہو سکتا ہے	اگر تم لوگ روگردانی کرو (جہاد سے)

اَنۡ	تُفۡسِدُوۡا	فِی الۡاَرۡضِ	وَ تُقَطِّعُوۡۤا	اَرۡحَامَکُمۡ ﴿۲۲﴾
(سوائے اس کے) کہ	تم لوگ حقوق وفرائض کا توازن بگاڑو	زمین میں	اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو	اپنی رشتہ داریوں کو

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ	لَعَنَهُمُ اللّٰهُ	فَاَصَمَّهُمۡ	وَ اَعۡمٰۤی اَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾
یہ وہ لوگ ہیں	لعنت کی جن پر اللہ نے	پھر اس نے بہرا کر دیا ان کو	اور اندھی کر دیں ان کی بصارتیں

نوٹ: 1

منافقوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو قریش اور یہود کو یہ اطمنان دلاتے رہتے تھے کہ ہم اگرچہ مسلمانوں میں شامل ہیں لیکن بعض معاملات میں ہم آپ ہی لوگوں کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ یہ لوگ اپنی منافقانہ پالیسی پر پردہ ڈالنے میں اُس وقت تک کامیاب رہے جب تک جنگ کا مرحلہ نہیں آیا تھا لیکن جب یہ مرحلہ سر پر آ گیا تو ان کے لیے چھپنے کا موقع باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان لوگوں نے یہ وسوسہ اندازی شروع کر دی کہ ہم بھائیوں بھائیوں کے اندر خون ریزی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اور قریش اور اس ملک کے دوسرے عناصر سب مل جل کر صلح اور محبت کے ساتھ رہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مصلح اور امن پسند کہتے تھے۔ ان کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر آیت۔22۔ میں فرمایا کہ یہ راہ جو تم نے اختیار کی ہے وہ امن اور صلح کی راہ نہیں ہے بلکہ یہ اسی فساد اور برادر کشی کی طرف تمہاری واپسی ہے جس میں تم پہلے مبتلاء رہے ہو۔ امن اور اخوت کی راہ یہ ہے کہ سب ایک اللہ کے بندے اور ایک آدم کی اولاد کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور اس نظام زندگی کو اپنائیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت آدمؑ کی وحدت کے عقیدے پر قائم ہے۔ یہ چیز اس جاہلی نظام زندگی کو برقرار رکھنے سے حاصل نہیں ہوگی جس میں قبیلہ قبیلہ کا خدا بھی جدا ہے اور ہر ایک کا باوا آدم بھی الگ الگ ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

اسلام نے رشتہ داری کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ اس کو اپنے قریب کرے گا اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ اس کو قطع کر دے گا۔ اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اسی آیت کا حوالہ دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (24 تا 28)

ترجمہ

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ	الۡقُرۡاٰنَ	اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ	اَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾
تو کیا یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے	قرآن میں	یا کچھ دلوں پر	ان کے تالے ہیں

اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا	عَلٰۤی اَدۡبَارِهِمۡ	مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا	تَبَیَّنَ لَهُمُ	الۡهُدَی ۙ
بیشک جو لوگ واپس لوٹے	اپنی پیٹھوں پر	اس کے بعد کہ جب	واضح ہوئی ان کے لیے	ہدایت

الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ	لَهُمۡ ؕ	وَ اَمۡلٰی	لَهُمۡ ﴿۲۵﴾	ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ
شیطان نے خوشنما بنایا	ان کے لیے (منافقت کو)	اور اس نے لمبی چوڑی امید دلائی	ان لوگوں کے لیے	یہ اس سبب سے کہ انہوں (منافقوں) نے

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ	كَرِهُوْا مَا	نَزَّلَ اللّٰهُ	سَنُطِيْعُكُمْ	فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
کہا ان لوگوں سے جنہوں نے	ناپسند کیا اس کو جو	نازل کیا اللہ نے	(کہ) ہم کہنا مانیں گے تم لوگوں کا	بعض معاملات میں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾	فَكَيْفَ	اِذَا تَوَفَّتْهُمُ	الْمَلٰٓئِكَةُ	يَضْرِبُوْنَ
اور اللہ جانتا ہے	ان کے چھپانے کو	تو کیسا ہوگا	جب روح قبض کریں گے ان کی	فرشتے	مارتے ہوئے

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ	اتَّبَعُوْا مَآ	اَسْخَطَ اللّٰهَ
ان کے چہروں کو اور ان کی پیٹھوں کو	یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے	پیروی کی اس کی جس نے	ناراض کیا اللہ کو

وَكَرِهُوْا	رِضْوَانَهٗ	فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع
اور انہوں نے ناپسند کیا	اس کی رضامندی کو	تو اس نے اکارت کر دیئے ان کے اعمال

نوٹ: 1

دلوں کو زندہ رکھنے والی چیز قرآن ہے بشرطیکہ اس کو سمجھ کر اس پر غور وفکر کیا جائے۔ لیکن ناقدرے لوگ اس پر غور نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دلوں پر جو زنگ لگتے ہیں وہ اس طرح ان کے دلوں پر چڑھ جاتے ہیں جس طرح تالوں سے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اَقْفَالُهَا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دلوں کو روگ یا زنگ کی طرح لگتی ہیں۔ دنیا کی محبت، موت کا ڈر، بخل، کینہ، حسد، نفاق اور اس قبیل کی دوسری چیزیں اس کے نمایاں اجزاء ہیں اور قساوت یعنی دل کی سختی بھی اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بیماریوں کا علاج قرآن کو سننا اور سمجھنا ہے لیکن ایسے لوگوں کو قرآن ہی سے وحشت ہوتی ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 27۔ بھی ان آیات میں سے ہے جو عذابِ برزخ یعنی عذابِ قبر کی تصریح کرتی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی کفار و منافقین پر عذاب شروع ہو جاتا ہے اور یہ عذاب اس سزا سے مختلف چیز ہے جو قیامت میں ان کے مقدمے کا فیصلہ ہونے کے بعد ان کو دی جائے گی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (29 تا 34)

ض غ ن

(س)

ضَغْنًا — دل میں دشمنی چھپانا۔ کینہ رکھنا۔

ضِغْنٌ — ج اَضْغَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ کینہ۔ بغض۔ زیر مطالعہ آیت۔ 29۔

ل ح ن

(ف)

لَحْنًا — بات کو اس کے مستعمل اسلوب سے پھیر دینا۔ کنایہ میں بات کرنا۔

لَحْنٌ — کنایہ طرز گفتگو۔ لہجہ۔ زیر مطالعہ آیت۔ 30۔

ترجمہ

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ	اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾
یا انہوں نے گمان کیا	جن کے دلوں میں ایک روگ ہے	کہ ہرگز نہیں نکالے گا اللہ	ان کے کینوں کو

وَلَوْ نَشَآءُ	لَاَرَيْنٰكَهُمْ	فَلَعَرَفْتَهُمْ	بِسِيْمٰهُمْ ؕ
اور اگر ہم چاہتے	تو آپ کو ہم ضرور دکھاتے وہ لوگ	تو آپ پہچان لیتے ان کو	ان (کے چہروں) کی علامات سے

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ	فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾
اور آپؐ لازماً پہنچان لیں گے ان کو	بات کرنے کے انداز سے	اور اللہ جانتا ہے	تمہارے اعمال کو

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ	حَتّٰى نَعْلَمَ	الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ
اور ہم لازماً آزمائیں گے تم لوگوں کو	یہاں تک کہ ہم جان لیں (ظاہر کر دیں)	مجاہدوں کو تم میں سے

وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ	وَنَبْلُوَا۟	اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور ثابت قدم رہنے والوں کو	اور ہم جانچیں گے	تمہاری حالتوں کو	بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَشَآقُّوا	الرَّسُوْلَ	مِنْۢ بَعْدِ مَا
اور وہ رکے رہے	اللہ کی راہ سے	اور انہوں نے مخالفت کی	ان رسولؐ کی	اس کے بعد کہ جب

تَبَيَّنَ لَهُمُ	الْهُدٰى ۙ	لَنْ يَّضُرُّوا	اللّٰهَ	شَيْـًٔا ؕ	وَسَيُحْبِطُ
واضح ہوئی ان کے لیے	ہدایت	وہ لوگ ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے	اللہ کو	کچھ بھی	اور وہ اکارت کرے گا

اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا	اَطِيْعُوا اللّٰهَ	وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
ان کے اعمال کو	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی	اور اطاعت کرو ان رسولؐ کی

وَلَا تُبْطِلُوْۤا	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور تم لوگ غارت مت کرو	اپنے اعمال کو	بیشک جن لوگوں نے کفر کیا	اور وہ رکے رہے	اللہ کی راہ سے

ثُمَّ مَاتُوْا	وَهُمْ	كُفَّارٌ	فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ	لَهُمْ ﴿۳۴﴾
پھر وہ مر گئے	اس حال میں کہ وہ لوگ	انکار کرنے والے تھے	تو ہرگز مغفرت نہیں کرے گا اللہ	ان لوگوں کی

نوٹ: 1

آیت۔ 30۔ میں ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم منافقین آپ کو دکھا دیں۔ اس مضمون کو حرف لَو سے بیان کیا ہے جس کا استعمال ایسی شرط کے لیے ہوتا ہے جس کا وقوع نہ ہوا ہو۔ اس لیے اس آیت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو ہر منافق کو شخصی طور پر متعین کر کے آپؐ کو بتا دیتے۔ مگر ہم نے حکمت اور مصلحت سے ان کو اس طرح رسوا کرنا پسند نہیں کیا تا کہ یہ ضابطہ قائم رہے کہ تمام امور کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور قلبی مضمرات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے البتہ آپؐ کو ایسی بصیرت ہم نے دے دی ہے کہ آپؐ منافق کو اس کے کلام سے پہچان لیں۔ اور بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت کا آپؐ کو شخصی طور پر علم دے دیا گیا تھا۔ جیسا کہ مسند احمد میں عقبہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا۔ اس میں۔ 36۔ آدمیوں کے نام شمار کیے گئے ہیں۔ (معارف القرآن)۔

پڑھے کم بولے زیادہ قسم کے کچھ دانشور مذکورہ احادیث کو زیر مطالعہ آیت۔ 30۔ کے خلاف قرار دیتے اور وہ بھی لفظ لَو کو اپنی دلیل کی بنیاد بناتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اگر ہم چاہتے تو بتا دیتے لیکن بتایا نہیں تو پھر کوئی راوی اگر کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کے نام معلوم تھے تو یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ حالانکہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ منافقوں کو تو آپؐ نے ان کی علامتوں سے پہچان لیا ہے اور باقیوں کو ان کے لحن القول سے لازماً پہچان لیں گے۔ اب اگر اپنے اس علم کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو ان کے نام لے کر منافق قرار دیا تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ آخر اللہ کے رسول تھے کوئی دانشور تو نہیں تھے۔ یہ تو خیر جواب آں غزل ہے۔ اب صحیح بات سمجھ لیں۔

ان دانشوروں کو یا تو سورہ محمدؐ کے زمانہ نزول کا علم نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ دانستہ اس سے اغماض برت رہے ہیں تا کہ عام مسلمانوں کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر احادیث پر ان کے ایمان کو متزلزل کر سکیں۔ یہ سورت ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نازل ہوئی ہے۔ (معارف القرآن)۔ یہ ہجرت کے بعد مدینہ میں اس وقت نازل ہوئی جب جنگ کا حکم تو دیا جا چکا تھا (البقرہ۔190) مگر ابھی جنگ عملاً شروع ہوئی نہ تھی۔ (تفہیم القرآن)۔ جنگ بدر رمضان ۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس طرح اس سورہ کا زمانہ نزول ۱ھ کے آخر یا ۲ھ کے شروع کا زمانہ بنتا ہے۔ جبکہ۔۳۶۔ آدمیوں کا نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دینے کا واقعہ جنگ تبوک سے واپسی پر پیش آیا۔ جنگ تبوک ۹ھ میں ہوئی تھی۔ اب اگر ۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے نام نہیں بتائے تھے اور سات سال کے بعد ۹ھ میں اس وقت کے منافقوں کے نام بتا دیئے تو اس میں قرآن کے خلاف کیا بات ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی تو فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو بتا دیتے لیکن ابھی بتایا نہیں ہے۔ قرآن میں یہ کہاں لکھا ہے کہ کبھی بھی نہیں بتائیں گے۔ ''آرزو کی ایک جماعت نے اہل کتاب میں سے کہ کاش وہ لوگ گمراہ کر دیں تم لوگوں کو۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اس حال میں کہ وہ لوگ شعور نہیں رکھتے۔'' (3/آل عمران:69)

آیت نمبر (35 تا 38)

ترجمہ

فَلَا تَهِنُوْا	وَتَدْعُوْٓا	اِلَى السَّلْمِ ۚ	وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۚ	وَاللّٰهُ مَعَكُمْ
تو تم لوگ ہمت مت ہارو	اور نہ بلاؤ	صلح کی طرف	اور تم لوگ غالب ہو	اور اللہ تمہارے ساتھ ہے

وَلَنْ يَّتِرَكُمْ	اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾	اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ
اور وہ ہرگز حق تلفی نہیں کرے گا تمہاری	تمہارے اعمال میں	دنیوی زندگی تو بس	کھیل اور تماشہ ہے

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا	يُؤْتِكُمْ	اُجُوْرَكُمْ	وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ	اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو	تو وہ دے گا تم لوگوں کو	تمہاری اُجرتیں	اور وہ نہیں مانگے گا تم سے	تمہارے مال

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا	فَيُحْفِكُمْ	تَبْخَلُوْا	وَيُخْرِجْ	اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾
اگر وہ مانگے تم سے اس (مال) کو	پھر وہ اصرار کرے تم سے	تو تم لوگ کنجوسی کرو گے	اور وہ نکالے گا	تمہارے بغض کو

هٰٓاَنْتُمْ	هٰٓؤُلَآءِ	تُدْعَوْنَ	لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ	فَمِنْكُمْ مَّنْ
ہاں ہاں تم لوگ تو	وہ لوگ ہو	جن کو دعوت دی جاتی ہے	کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں	تو تم میں وہ بھی ہے جو

يَّبْخَلُ ۚ	وَمَنْ يَّبْخَلْ	فَاِنَّمَا يَبْخَلُ	عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ
کنجوسی کرتا ہے	اور جو کنجوسی کرتا ہے	تو وہ تو بس کنجوسی کرتا ہے	اپنی جان سے

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ	وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ	وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	يَسْتَبْدِلْ
اور اللہ ہی بے نیاز ہے	اور تم لوگ محتاج ہو	اور اگر تم لوگ منہ موڑو گے	تو وہ بدلے میں لے گا

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ	ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا	اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾
کسی قوم کو تمہارے علاوہ	پھر وہ لوگ نہ ہوں گے	تمہارے جیسے

نوٹ: 1

آیت۔35۔ میں کفار کو صلح کی دعوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے جبکہ سورہ انفال کی آیت۔61۔ میں ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جایئے۔ جس سے صلح کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ اجازت والی آیت اس شرط کے ساتھ ہے کہ کفار کی طرف سے صلح جوئی کی ابتداء ہو اور اس آیت میں جس کو منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے صلح کی درخواست کی جائے۔ اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھی جائے۔ اس آیت کے شروع میں فَلَا تَهِنُوْا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جس کا منشاء بزدلی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔36۔ میں وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرتا۔ مگر پورے قرآن میں زکوٰۃ و صدقات کے احکام اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بیشمار مواقع آئے ہیں۔ اور خود اس آیت کے بعد اگلی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید آ رہی ہے۔ اس لیے بظاہر ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے لَا يَسْـَٔلْكُمْ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اموال اپنے نفع کے لیے نہیں مانگتا بلکہ تمہارے ہی فائدے کے لیے مانگتا ہے۔ اس کی نظیر الذاریات کی آیت۔57۔ ہے۔ جس میں ہے کہ ہم اپنے لیے کوئی بھی رزق نہیں چاہتے۔ اور بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا کہ لَا يَسْـَٔلْكُمْ سے مراد پورا مال طلب کرنا ہے۔ اس کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں فرمایا اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ کیونکہ احفاء کے معنی مبالغہ کرنے اور کسی کام میں آخر تک پہنچ جانے کے ہیں۔ اس دوسری آیت کا مفہوم سب کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے پورے اموال طلب کرتا تو تم بخل کرنے لگتے اور اس حکم کی تعمیل تمہیں ناگوار ہوتی یہاں تک کہ ادائیگی کے وقت تمہاری یہ ناگواری ظاہر ہو جاتی۔ اس طرح دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مالی فرائض تم پر عائد کیے ہیں وہ خود تمہارے ہی فائدے کے لیے ہیں اور پھر ان فرائض میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے مال کا اتنا تھوڑا سا جز و فرض کیا ہے جو کسی طرح بازِ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ میں چالیسواں حصّہ، زمین کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصّہ، سو بکریوں میں ایک بکری، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پورے اموال تو طلب نہیں کیے بلکہ اس کا قدرِ قلیل طلب فرمایا ہے۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ اس کو خوشی سے ادا کیا کرو۔ (معارف القرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفتح (48)

آیت نمبر (1 تا 7)

ترجمہ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ	فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾	لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ	مَا تَقَدَّمَ
بیشک ہم نے فیصلہ کیا آپؐ کے لیے	ایک کھلا فیصلہ	تا کہ معاف کرے آپؐ کے لیے اللہ	اس کو جو آگے ہوئی

مِنْ ذَنْۢبِكَ	وَمَا تَاَخَّرَ	وَيُتِمَّ	نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ
آپؐ کی کمی بیشی میں سے	اور اس کو جو پیچھے رہی	اور تا کہ وہ تمام کرے	اپنی نعمت کو آپؐ پر

وَيَهْدِيَكَ	صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾	وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ	نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾
اور تا کہ وہ رہنمائی کرے آپؐ کی	ایک سیدھے راستے کی طرف	اور تا کہ مدد کرے آپؐ کی اللہ	ایک زبردست مدد

هُوَ الَّذِيْٓ	اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ	فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ	لِيَزْدَادُوْٓا
وہ، وہ ہے جس نے	اتارا سکون کی کیفیت کو	مومنوں کے دلوں میں	تا کہ وہ لوگ زیادہ ہوں

اِيْمَانًا	مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ	وَلِلّٰهِ	جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
بلحاظ ایمان کے	اپنے ایمان کے ساتھ	اور اللہ ہی کے ہیں	زمین اور آسمانوں کے سارے لشکر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۴﴾	لِّيُدْخِلَ	الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ	جَنّٰتٍ
اور اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے	تا کہ وہ داخل کرے	مومن مردوں اور مومن خواتین کو	ایسے باغات میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ
بہتی ہیں جن کے نیچے سے نہریں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں	اور تا کہ وہ دور کر دے ان سے

سَيِّاٰتِهِمْ ؕ	وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ	فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿۵﴾	وَّيُعَذِّبَ
ان کی برائیوں کو	اور یہ ہے اللہ کے نزدیک	ایک عظیم کامیابی	اور تا کہ وہ عذاب دے

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ	وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ	الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ
منافق مردوں اور منافق عورتوں کو	اور شرک کرنے والے مردوں کو اور شرک کرنے والی عورتوں کو	گمان رکھنے والے اللہ کے بارے میں

ظَنَّ السَّوْءِ ؕ	عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ	وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	وَلَعَنَهُمْ
برائی کا گمان	ان پر برائی کی گردش (آفت) ہے	اور غضب کیا اللہ نے ان پر	اور اس نے لعنت کی ان کو

وَاَعَدَّ لَهُمْ	جَهَنَّمَ ؕ	وَسَآءَتْ	مَصِيْرًا ﴿۶﴾
اور اس نے تیار کیا ان کے لیے	جہنم کو	اور وہ بری ہے	بلحاظ لوٹنے کی جگہ کے

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾
اور اللہ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر	اور اللہ بالادست ہے حکمت والا ہے

نوٹ: 1

اس سورۃ میں متعدد واقعات کی طرف اشارے ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سورۃ کے نزول کے وقت کے سیاسی حالات ذہن میں واضح ہوں۔ اس لیے پہلے ان حالات کو سمجھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ نبی کا خواب وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور آگے چل کر آیت۔ 27۔ میں اللہ تعالیٰ نے خود توثیق کر دی ہے کہ یہ خواب ہم نے دکھایا تھا۔ اس لیے یہ ایک الٰہی اشارہ تھا جس کی پیروی کرنا ضروری تھا۔ جبکہ بظاہر اسباب اس ہدایت پر عمل کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ قریش نے چھ سال

سے مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اب یہ توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ وہ آپؐ اور صحابۂ کرامؓ کو مکہ میں داخل ہونے دیں گے۔ عمرے کے احرام باندھ کر جنگی ساز و سامان کے ساتھ نکلنا خود لڑائی کو دعوت دینا تھا۔ اور غیر مسلح جانے کا مطلب اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ ان حالات میں کوئی شخص یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس اشارے پر کیسے عمل کیا جائے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنا خواب صحابۂ کرامؓ کو سنا کر سفر کی تیاری شروع کر دی اور آس پاس کے قبائل میں اعلان کرا دیا کہ جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے وہ آ جائے۔ جن لوگوں کی نگاہ ظاہری اسباب پر تھی انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی آپؐ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ چودہ سو صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ اس نہایت خطرناک سفر پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

ذی القعدہ ۶ھ کے آغاز میں یہ قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا۔ قربانی کے لیے ستر اونٹ ساتھ لیے جن کی گردنوں میں ھدی کی علامت کے طور پر قلادے پڑے ہوئے تھے۔ صرف ایک ایک تلوار رکھ لی جس کی تمام زائرین حرم کو عرب کے معروف قاعدے کے مطابق اجازت تھی۔ قریش کے لوگوں کو آپؐ کے اس اقدام نے سخت پریشانی میں ڈال دیا۔ ذی القعدہ کا مہینہ ان مہینوں میں سے تھا جو حج و زیارت کے لیے محترم سمجھے جاتے تھے۔ قریش کے لوگ اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر ہم اس قافلے پر حملہ کر کے اسے مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں تو یہ ایسی غلطی ہو گی جس سے سارا عرب ہم سے منحرف ہو جائے گا کہ ہم جس سے بھی ناراض ہوں گے اسے بیت اللہ کی زیارت سے اسی طرح روک دیں گے۔ لیکن اگر ہم اس قافلہ کو اپنے شہر میں داخل ہونے دیتے ہیں تو ہماری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ آخر کار بڑی شش و پنج کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی قیمت پر بھی اس قافلے کو اس شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش نے آپؐ کا راستہ روکنے کے لیے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کا دستہ دے کر آگے بھیج دیا ہے۔ قریش کی چال یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح چھیڑ چھاڑ کر کے صحابہ کو اشتعال دلایا جائے۔ پھر اگر لڑائی ہو جائے تو مشہور کر دیں کہ یہ لوگ دراصل لڑنے کے لیے آئے تھے اور احرام دھوکہ دینے کے لیے باندھ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی راستہ بدل دیا اور ایک نہایت دشوار گزار راستہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے جو عین حرم کی سرحد پر واقع ہے۔ قریش نے یکے بعد دیگرے تین سرداروں کو بھیجا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو واپس جانے پر آمادہ کریں تینوں نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے آئے ہیں تو ان تینوں نے قریش کے سرداروں کو مشورہ دیا کہ وہ ان زائرینِ حرم کا راستہ نہ روکیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت عثمانؓ کو ایلچی بنا کر مکہ بھیجا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ زیارت کے لیے آئے ہیں، طواف اور قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو مکہ ہی میں روک لیا۔ اس دوران یہ خبر اُڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو جائیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ اب یہاں سے ہم مرتے دم تک پیچھے نہ ہٹیں گے۔ یہی وہ بیعت ہے جو بیعتِ رضوان کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ حضرت عثمانؓ خود بھی واپس آ گئے اور قریش کی طرف سے ایک وفد صلح کی بات چیت کرنے کے لیے آیا۔ طویل گفت و شنید کے بعد جن شرائط پر صلح نامہ لکھا گیا وہ یہ تھیں۔ (۱) دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی۔ (۲) اس دوران جو شخص بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا اسے وہ واپس کر دیں گے اور آپؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اسے وہ واپس نہ کریں گے۔ (۳) قبائل عرب میں سے جو قبیلہ بھی فریقین میں سے کسی ایک کا بھی حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہونا چاہے گا اسے اس کا اختیار ہو گا۔ (۴) محمد ﷺ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آ کر تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں۔ جس وقت اس معاہدے کی شرائط طے ہو رہی تھیں، مسلمانوں کا پورا لشکر سخت مضطرب تھا۔ اس

معاہدہ میں سب سے زیادہ دو باتیں لوگوں کو بری طرح کھل رہی تھیں۔ ایک شرط نمبر ۲ تھی۔ اس کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ جو ہمارے پاس سے بھاگ کر ان کے پاس چلا جائے وہ ہمارے کس کام کا ہے۔ اللہ اسے ہم سے دور ہی رکھے۔ اور جسے ہم واپس کریں گے تو اللہ اس کے لیے خلاصی کی کوئی دوسری صورت پیدا فرما دے گا۔ دوسری چیز جو لوگوں کے دلوں میں کھٹک رہی تھی وہ چوتھی شرط تھی۔ دلوں میں خلش تھی کہ ہم طواف کرنے کے لیے آئے تھے لیکن اب طواف کے بغیر واپس جانے کی شرط مان رہے ہیں، گویا ہم ناکام واپس جا رہے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں کو سمجھایا کہ خواب میں اسی سال طواف کرنے کی صراحت تو نہ تھی۔ ان شاء اللہ اگلے سال طواف ہوگا۔

اس کے بعد جب یہ قافلہ صلح حدیبیہ کو اپنی شکست اور ذلت سمجھتا ہوا مدینہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو راستہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ صلح جس کو وہ شکست سمجھ رہے ہیں دراصل فتح عظیم ہے۔ آپؐ نے سب کو جمع کر کے یہ سورۃ تلاوت فرمائی۔ اگرچہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سن کر ہی مطمئن ہو گئے تھے، مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس صلح کے فوائد ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے، وہ فوائد یہ تھے۔ (۱) اب تک عربوں کی نگاہ میں مسلمانوں کی حیثیت قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور وہ ان کو برادری سے باہر سمجھتے تھے۔ قریش نے یہ معاہدہ کر کے اسلامی ریاست کے وجود کو باقاعدہ تسلیم کر لیا اور قبائل عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ ان دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کر لیں۔ (۲) مسلمانوں کے لیے زیارتِ بیت اللہ کا حق تسلیم کر کے قریش نے گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اہل عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہو گئی جو قریش کے پروپیگنڈا سے اسلام کے خلاف پیدا ہوئی تھی۔ (۳) دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو جانے سے مسلمانوں کو امن میسر آ گیا اور انہوں نے عرب میں چاروں طرف پھیل کر تیزی سے اسلام کی اشاعت کی۔ صلح حدیبیہ سے پہلے ۱۹ سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس کے بعد دو سال کے اندر ہو گئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ صرف چودہ سو آدمی تھے۔ دو سال بعد جب حضورؐ نے مکہ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا۔ (۴) جنگ بندی کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی قوانین کے اجراء سے مسلم معاشرے کو ایک مکمل تہذیب و تمدن بنا دیں۔ (۵) قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان نصیب ہو جانے کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمالِ عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہو گیا۔ اور اس کے بعد تبوک تک کی متعدد یہودی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسطِ عرب کے وہ تمام قبیلے بھی، جو قریش اور یہود کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے تابع فرمان ہو گئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا۔ اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر اس سورۃ کو پڑھا جائے تو اسے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج ۵۔ ص ۳۴ تا ۴۱ سے ماخوذ)

نوٹ: 2

صلح حدیبیہ کے سفر میں شامل چودہ سو صحابہ کرامؓ وہ لوگ تھے جن کو سمجھانے والے سمجھاتے رہے کہ موت کے منہ میں مت جاؤ۔ پھر بھی یہ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے موت کے منہ میں جانے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے جوش و جذبہ کا کیا عالم تھا۔ پھر ان کا یہ جوش و جذبہ اپنی آخری انتہا کو پہنچ گیا جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ مرتے دم تک

پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس کے فوراً بعد صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اس ذہنی اور جذباتی کیفیت میں ان ہتک آمیز شرائط کو قبول کرنا اور عمرہ کیے بغیر مدینہ کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرنا ایک معجزہ نظر آتا ہے اور بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ کی خصوصی توفیق کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ زیر مطالعہ آیت۔4۔ میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے مومنوں کے دلوں میں سکینہ نازل کی۔ (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماخوذ)

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفان محبت عام نہیں

نوٹ: 3

زیر مطالعہ آیت۔6۔ میں اللہ کے بارے میں برا گمان کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اس میں منافقین کے ان گمانوں کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر آگے آیت۔12۔ میں کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اب واپس نہیں لوٹیں گے۔ یہاں پر منافقین اور منافقات کے ساتھ مشرکین اور مشرکات کا جوڑ اس گہری قلبی و ذہنی مماثلت کی بنا پر ہے جو دونوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ جس طرح ایک مشرک اپنے رب کی بندگی کا مدعی ہوتے ہوئے دوسرے معبودوں کی پرستش کرتا ہے اسی طرح ایک منافق بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا مدعی ہوتے ہوئے اسلام کے مخالفین سے بھی گٹھ جوڑ رکھتا ہے اور اس کا رویہ وہ ہوتا ہے جس کی نشاندہی سورہ محمدؐ کی آیت۔26۔ میں کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کیا، ان لوگوں نے کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہارا کہا مانیں گے۔ اس اشتراک کی بنا پر قرآن نے نفاق کو شرک قرار دیا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (8 تا 14)

ترکیب

(آیت۔10) یہاں عَلَيْهُ اللّٰه آیا ہے جبکہ عربی قاعدے کے مطابق اسے عَلَيْهِ اللّٰهَ ہونا چاہیے تھا۔ یہ قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ اس مقام پر اس کو عَلَيْهِ کے بجائے عَلَيْهُ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ متعدد مقامات پر اس نوعیت کی خصوصیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہمارے بزرگوں کو قرآن مجید جیسا ملا تھا، انہوں نے اسے بالکل اسی طرح ہم تک پہنچایا ہے۔ اور قرآن مجید میں زبر۔ زیر پیش تک کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ (آیت۔11) اَهْلٌ کی جمع سالم اَهْلُوْنَ۔ اَهْلِيْنَ۔ اَهْلِيْنَ آتی ہے۔ یہاں فاعل ہونے کی وجہ سے یہ اَهْلُوْنَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اور نَا کی ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	شَاهِدًا	وَّمُبَشِّرًا	وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾
بیشک ہم نے بھیجا آپؐ کو	گواہ ہوتے ہوئے	اور بشارت دینے والا	اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے

لِّتُؤْمِنُوْا	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَتُعَزِّرُوْهُ	وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ
تاکہ تم لوگ ایمان لاؤ	اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور تاکہ تم لوگ تقویت دو ان کو	اور تعظیم کرو ان کی

وَتُسَبِّحُوْهُ	بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ	اِنَّمَا
اور تاکہ تم لوگ تسبیح کرو اس (اللہ) کی	صبح و شام	بیشک جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپؐ سے	(تو) کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ	يَدُ اللّٰهِ	فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ	فَمَنْ نَّكَثَ	فَاِنَّمَا يَنْكُثُ
وہ لوگ بیعت کرتے ہیں اللہ سے	اللہ کا ہاتھ	ان کے ہاتھوں کے اوپر (ہوتا) ہے	پھر جس نے عہد شکنی کی	تو وہ تو بس عہد شکنی کرتا ہے

عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ	وَمَنْ اَوْفٰى	بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ	اللّٰهَ	فَسَيُؤْتِيْهِ	اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠ ع
اپنے آپ کے خلاف	اور جس نے پورا کیا	اس کو اس نے معاہدہ کیا جس پر	اللہ سے	تو وہ (اللہ) دے گا اس کو	ایک اجر عظیم

سَيَقُوْلُ لَكَ	الْمُخَلَّفُوْنَ	مِنَ الْاَعْرَابِ	شَغَلَتْنَآ	اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
کہیں گے آپؐ سے	پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ	بدولوگوں میں سے	مصروف کیا ہم کو	ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ	يَقُوْلُوْنَ	بِاَلْسِنَتِهِمْ	مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ	قُلْ
تو آپؐ مغفرت مانگیں (اللہ سے) ہمارے لیے	یہ لوگ کہیں گے	اپنی زبانوں سے	وہ، جو ان کے دلوں میں نہیں ہے	آپؐ کہیے

فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ	مِّنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا	اِنْ اَرَادَ بِكُمْ	ضَرًّا
تو کون اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے	اللہ سے (بچانے کا)	ذرا سا بھی	اگر وہ ارادہ کرے تمہارے بارے میں	کسی نقصان کا

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ	نَفْعًا ؕ	بَلْ كَانَ اللّٰهُ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرًا ۝١١	بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ
یا وہ ارادہ کرے تمہارے لیے	کسی نفع کا	بلکہ اللہ	اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے	بلکہ تم لوگوں نے گمان کیا کہ

لَّنْ يَّنْقَلِبَ	الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ	اَبَدًا	وَّزُيِّنَ
ہرگز نہیں پلٹیں گے	یہ رسولؐ اور مومن لوگ	اپنے گھر والوں کی طرف	کبھی بھی	اور سجا دیا گیا

ذٰلِكَ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ	وَكُنْتُمْ	قَوْمًۢا بُوْرًا ۝١٢
اس (خیال) کو	تمہارے دلوں میں	اور تم لوگوں نے گمان کیا برائی کا گمان	اور تم لوگ تھے ہی	ایک تباہ ہونے والی قوم

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا	لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝١٣
اور جو ایمان لایا ہی نہیں	اللہ پر اور اس کے رسول پر	تو بیشک ہم نے تیار کیا	کافروں کے لیے ایک بھڑکتی آگ

وَلِلّٰهِ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	يَغْفِرُ	لِمَنْ يَّشَآءُ
اور اللہ ہی کی ہے	زمین اور آسمانوں کی حکومت	وہ بخش دیتا ہے	اس کو جس کو وہ چاہتا ہے

وَيُعَذِّبُ	مَنْ يَّشَآءُ ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ	غَفُوْرًا	رَّحِيْمًا ۝١٤
اور وہ عذاب دیتا ہے	اس کو جس کو وہ چاہتا ہے	اور اللہ ہے	بے انتہا بخشنے والا	ہمیشہ رحم کرنے والا

نوٹ: 1

آیت۔10۔کو عام طور پر بیعت رضوان سے متعلق سمجھا گیا ہے۔حالانکہ اس کو بیعت رضوان سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔بیعت رضوان کا ذکر آگے آرہا ہے۔یہاں سمع وطاعت کی اس عام بیعت کا ذکر ہے جو ہر ایمان لانے والا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کرتا تھا۔یہاں اس کی عظمت اور اس کی ذمہ داریاں منافقین کو غیرت دلانے کے لیے بیان کی گئی ہیں کہ وہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت تو کر بیٹھے لیکن جب اس کے مطالبات پورے کرنے کا وقت آیا تو منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ان پر یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے معاہدہ ہے۔اگر کوئی اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرتا ہے تو وہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑتا ہے جس کا انجام دنیا اور آخرت میں رسوائی ہے۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

اسی آیت۔10 میں عَلَيْهُ اللّٰهَ کی ضمیر پر جو ضمہ (پیش) ہے، اس کی بنا پر بعض مستشرقین نے قرآن کی نحو (گرامر) پر اعتراض کیا ہے۔ ان بیچاروں کو پتہ نہیں ہے کہ گرامر کی کتابیں قرآن کے اسلوب و اعراب کو پرکھنے کے لیے کسوٹی نہیں ہیں بلکہ قرآن گرامر کی کتابوں کو جانچنے کے لیے کسوٹی ہے کیونکہ قرآن قریش کی ٹکسالی زبان کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے اور ہر پہلو سے محفوظ ہے۔ اس وجہ سے اس کی اگر کوئی چیز گرامر کے خلاف نظر آئے گی تو اسے قرآن کے نقص پر نہیں بلکہ گرامر مرتب کرنے والوں کے نقص پر محمول کریں گے۔ فصیح عربی میں آہنگ وصوت کے تقاضوں کے تحت بھی الفاظ، حروف اور ضمیروں پر ایسے ایسے تصرفات ہوئے ہیں کہ اگر کسی شخص کا علم صرف گرامر کی کتابوں ہی تک محدود ہو تو وہ ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ قرآن میں متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں کہ ضمیر لفظ کے اندر بالکل مدغم ہو کے رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ آہنگ وصوت کے تقاضے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ مثلاً الاعراف کی آیت۔ 111۔ اَرْجِهْ وَاَخَاهُ۔ اسی طرح سورۂ نور کی آیت۔ 52۔ يَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ۔ قرآن کی آخری سورتوں میں بہت سی مثالیں ملیں گی کہ صرف آہنگ وصوت کے تقاضے سے حروف، الفاظ اور ضمیروں کی ہیئت میں ایسی تبدیلیاں ہوگئی ہیں جن کی گرامر والے کوئی توجیہ نہیں کر پاتے۔ (تدبر قرآن) اس نوٹ کو سمجھانے یا یوں کہہ لیں کہ ہضم کرانے کی غرض سے ہم آسان عربی گرامر کے پہلے باب ''تمہید'' سے ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں۔

''زبان پہلے وجود میں آجاتی ہے پھر بعد میں ضرورت پڑنے پر اس کے قواعد (گرامر) مرتب کیے جاتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پہلے قواعد مرتب کر کے کوئی زبان وجود میں لائی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن قواعد معدودے چند کے ہی مرتب کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی زبان کے قواعد اس زبان کے تمام الفاظ پر حاوی نہیں ہوتے بلکہ کچھ نہ کچھ الفاظ ضرور مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہر زبان کے ساتھ ہے۔'' اس حوالہ سے اس تاریخی حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ جب غیر عرب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے، نیز اس وقت کی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے، ان لوگوں کو ضرورت پیش آئی کہ درسی طریقے سے یعنی قواعد (گرامر) کی مدد سے وہ عربی سیکھیں۔ چنانچہ اس وقت عربی گرامر مرتب کی گئی ہے۔ اس سے پہلے اور خاص طور سے نزول قرآن کے وقت عربی گرامر کا کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ قریش کی ٹکسالی زبان سے قریش کا بچہ بچہ واقف تھا۔ اگر قرآن میں کوئی بات اس زبان کے اسلوب اور اس کے صوت وآہنگ کے خلاف ہوتی تو وہ لوگ لازماً اس کو اچھالتے لیکن اس پہلو سے وہ قرآن کے کسی ایک مقام پر بھی اُنگلی نہ رکھ سکے۔ اب مغربی یونیورسٹیوں سے Ph.D کرنے والے ماہرین لسانیات میں سے کوئی اگر قرآن کے کسی مقام کو عربی گرامر کے خلاف قرار دے کر اسے قرآن کا نقص قرار دیتا ہے، تو اس کی یہ بات یا تو بدنیتی پر مبنی ہے یا جہالت پر۔ اس لیے مولانا اصلاحیؒ نے کہا ہے کہ گرامر کی کتابیں قرآن کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہیں بلکہ قرآن گرامر کی کتابوں کو جانچنے کے لیے کسوٹی ہے۔

آیت نمبر (15 تا 17)

ترجمہ

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ	اِذَا انْطَلَقْتُمْ	اِلٰى مَغَانِمَ	لِتَاْخُذُوْهَا
کہیں گے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ	جب تم لوگ روانہ ہوگے	غنیمت والے مالوں کی طرف	تاکہ تم لوگ حاصل کروان کو

ذَرُوْنَا	نَتَّبِعْكُمْ ۚ	يُرِيْدُوْنَ	اَنْ يُّبَدِّلُوْا	كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ	قُلْ
تم لوگ چھوڑو ہم کو	تو ہم تمہارے پیچھے (ساتھ) چلیں گے	وہ لوگ چاہیں گے	کہ وہ بدل دیں	اللہ کے فرمان کو	آپ کہہ دیجئے

لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا	كَذٰلِكُمْ	قَالَ اللّٰهُ	مِنْ قَبْلُ ۚ	فَسَيَقُوْلُوْنَ
تم لوگ ہمارے پیچھے ہرگز نہیں چلو گے	اس طرح	کہا اللہ نے	پہلے سے	تو وہ لوگ کہیں گے

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ	بَلْ كَانُوْا لَا	يَفْقَهُوْنَ	اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾	قُلْ
بلکہ تم لوگ حسد کرتے ہو ہم سے	بلکہ وہ (ایسے) ہیں	جو سمجھتے نہیں ہیں	مگر تھوڑا سا	آپ کہہ دیجئے

لِّلْمُخَلَّفِيْنَ	مِنَ الْاَعْرَابِ	سَتُدْعَوْنَ	اِلٰى قَوْمٍ
پیچھے چھوڑے ہوئے لوگوں سے	بدو لوگوں میں سے	تم لوگ بلائے جاؤ گے	ایک ایسی قوم کی طرف جو

اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ	تُقَاتِلُوْنَهُمْ	اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ	فَاِنْ تُطِيْعُوْا	يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ
سخت لڑائی والی ہے	تم لوگ قتال کرو گے ان سے	یا وہ تابعدار ہوں گے	پھر اگر تم لوگ فرمانبرداری کرو گے	تو دے گا تمہیں اللہ

اَجْرًا حَسَنًا ۚ	وَاِنْ تَتَوَلَّوْا	كَمَا	تَوَلَّيْتُمْ	مِّنْ قَبْلُ	يُعَذِّبْكُمْ
ایک خوبصورت اجر	اور اگر تم لوگ روگردانی کرو گے	اس کے مانند جو	تم نے روگردانی کی	اس سے پہلے	تو وہ عذاب دے گا تم کو

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾	لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى	حَرَجٌ	وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
ایک دردناک عذاب	نہیں ہے اندھے پر	کوئی گناہ	اور نہ لنگڑے پر

حَرَجٌ	وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ	وَمَنْ يُّطِعِ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	يُدْخِلْهُ
کوئی گناہ ہے	اور نہ مریض پر کوئی گناہ ہے	اور جو اطاعت کرے گا	اللہ اور اس کے رسولؐ کی	تو وہ داخل کرے گا اس کو

جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ۚ	وَمَنْ يَّتَوَلَّ	يُعَذِّبْهُ	عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾
ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے نیچے سے	نہریں	اور جو روگردانی کرے گا	تو وہ عذاب دے گا اس کو	ایک دردناک عذاب

نوٹ: 1

ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد پیش آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفر حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے بھی جہادِ خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا۔ ان کے جواب میں قرآن نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے کلام یعنی حکم کو بدلنا چاہتے ہیں۔ اور اس حکم سے مراد غزوۂ خیبر اور اس کے مغانم کا صرف اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہونا ہے۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں اس تخصیص کا ذکر نہیں ہے۔ پھر اس وعدہ کو کلام اللہ اور قال اللہ کہنا کیسے درست ہوا۔ یہ وعدہ وحیٔ غیر متلو کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا تھا۔ اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام قرآن کے علاوہ جو احکام احادیث میں مذکور ہیں وہ بھی اس آیت کی تصریح کے مطابق کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ اس سورۃ میں فَتْحًا قَرِيْبًا کے الفاظ موجود ہیں اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے، تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم کا اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آ گیا، وہی کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی اور دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث سے ہی معلوم ہوئی ہے اور وہی کلام اور قال اللہ کا مصداق ہے۔ بعض حضرات نے سورہ توبہ کی آیت۔ 83 کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ وہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے متعلق ہے جو غزوۂ خیبر کے بعد ۹ھ میں ہوا ہے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

سفر حدیبیہ سے کچھ ہی پہلے غزوۂ احزاب (جنگ خندق) ہو چکا تھا۔ یہ غزوۂ خیبر کے یہودیوں کی تحریک پر ہوا تھا۔ انہوں نے قریش اور عرب کے تقریباً تمام بڑے بڑے قبیلوں کو اکٹھا کر کے ان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اُس لشکر کی تعداد تقریباً دس بارہ ہزار تھی اور عرب کی تاریخ میں اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں بنا تھا۔ یہودیوں کے اس تاریخی کارنامے پر ان کو سزا دینا ضروری تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد صورت حال یہ بن گئی تھی کہ اب اگر مسلمان یہودیوں کے خلاف کوئی فوجی کاروائی کرتے ہیں تو قریش اور اس کے حلیف قبیلے یہودیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اگر قریش اور یہودیوں کے درمیان حلیفانہ معاہدہ ہو جاتا تو پھر مسلمان دس سال تک یہودیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے حدیبیہ سے واپسی کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کا فیصلہ کر لیا۔ (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماخوذ)

آیت نمبر (18 تا 23)

ترجمہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ	عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ	تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بیشک راضی ہو گیا اللہ	اُن مومنوں سے	جب وہ بیعت کرتے تھے آپؐ سے	اُس درخت کے نیچے

فَعَلِمَ	مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ	فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ	وَاَثَابَهُمْ
تو اس نے جانا	اس کو جو ان کے دلوں میں تھا	تو اس نے اتاری سکون کی کیفیت ان پر	اور اس نے بدلے میں دیا ان کو

فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾	وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً	يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ	عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾
ایک قریبی فتح	اور بہت ہی غنیمتیں	وہ لوگ حاصل کریں گے جن کو	اور اللہ ہے	بالا دست حکمت والا

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ	مَغَانِمَ كَثِيْرَةً	تَاْخُذُوْنَهَا	فَعَجَّلَ لَكُمْ	هٰذِهٖ
وعدہ کیا تم لوگوں سے اللہ نے	بہت سی غنیمتوں کا	تم لوگ حاصل کرو گے جن کو	پھر اس نے جلدی کر دیا تمہارے لیے	اس (غنیمت) کو

وَكَفَّ	اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ	وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
اور اس نے باندھ دیا	لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے	اور تا کہ یہ (غنیمت) ہو جائے ایک نشانی	ان (سفر حدیبیہ والے) مومنوں کے لیے

وَيَهْدِيَكُمْ	صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲۰﴾	وَّاُخْرٰى	لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
اور تا کہ وہ رہنمائی کرے تمہاری	ایک سیدھے راستے کی	اور کچھ دوسری (غنیمتیں بھی)	تم لوگوں نے قابو نہیں پایا جن پر (ابھی)

قَدْ اَحَاطَ	اللّٰهُ بِهَا ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾
احاطہ کر لیا ہے	اللہ نے ان کا	اور اللہ ہے	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ	ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ	وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾
اور اگر وہ لوگ جنگ کرتے تم سے جنہوں نے	کفر کیا	تو وہ ضرور پھیر لیتے پیٹھوں کو	پھر وہ لوگ نہ پاتے	کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ	قَدْ خَلَتْ	مِنْ قَبْلُ ۚۖ	وَلَنْ تَجِدَ	لِسُنَّةِ اللّٰهِ	تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾
اللہ کی وہ سنت ہوتے ہوئے جو	گزر چکی ہے	اس سے پہلے	اور آپؐ ہرگز نہیں پائیں گے	اللہ کی سنت کے لیے	کوئی تبدیلی کرنا

نوٹ: 1

آیت۔18۔ میں اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرما دیا ہے۔ اسی لیے اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ اس بیعت کے شرکاء کی مثال شرکاء غزوۂ بدر کی سی ہے۔ جیسا ان کے متعلق قرآن وحدیث میں رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں اسی طرح شرکاء بیعت رضوان کے لیے بھی یہ بشارت آئی ہے۔ شجرہ جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے، ایک ببول کا درخت تھا۔ مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا۔ راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں حضرت سعید بن مسیب کے پاس حاضر ہوا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب ہم اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا لیکن ہمیں بھول ہوگئی اور اس کا پتہ نہیں لگا۔ پھر حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے، ان کو تو پتہ نہیں لگا اور تمہیں وہ معلوم ہو گیا۔ عجیب بات ہے، کیا تم ان سے زیادہ واقف ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں ہے۔ پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہو گیا۔ اس لیے اس درخت کو کٹوا دیا ہو تو کیا بعید ہے۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں فَتْحًا قَرِيْبًا سے مراد فتح خیبر ہے۔ درحقیقت ایک صوبہ کا نام ہے جس میں بہت سی بستیاں اور قلعے اور باغات شامل ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ذی الحجہ ۶ ھ میں حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ محرم ۷ ھ میں آپؐ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے اور ماہ صفر ۷ ھ میں خیبر فتح ہوا۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔20۔ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہاں النَّاسِ سے مراد قریش ہیں۔ معاہدۂ حدیبیہ میں دونوں فریق یعنی مسلمان اور قریش یہ پابندی قبول کر چکے تھے کہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ انہیں خیبر کے یہودیوں کے خلاف اقدام کرنے کا اچھا موقع مل گیا اور یہ خیال کر کے کہ اب ان کو قریش کی پشت پناہی نہیں حاصل ہو سکے گی، یہودی بڑی جلدی حوصلہ ہار بیٹھے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ معاہدۂ حدیبیہ مسلمانوں کی شکست نہیں بلکہ ایک فتح عظیم اور آئندہ کی فتوحات کا دیباچہ ہے۔

آیت نمبر (24 تا 26)

ترجمہ

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ	اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ	وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ	بِبَطْنِ مَكَّةَ
اور وہ، وہ ہے جس نے روک دیا	ان کے ہاتھوں کو تم سے	اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے	مکہ کے نشیب میں

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ	اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾
اس کے بعد کہ	اس نے غالب کیا تم کو ان پر	اور اللہ ہے	اس کو جو تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَصَدُّوْكُمْ	عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	وَالْهَدْيَ	مَعْكُوْفًا
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا	اور روکا تمہیں	مسجدِ حرام سے	اور قربانی کے جانور کو	روکا ہوا ہوتے ہوئے

اَنۡ يَّبۡلُغَ	مَحِلَّهٗ ؕ	وَلَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ	وَنِسَآءٌ مُّؤۡمِنٰتٌ	لَّمۡ تَعۡلَمُوۡهُمۡ
کہ وہ پہنچے	اپنی منزل کو	اگر نہ ہوتے کچھ مومن مرد	اور مسلمان خواتین	تم لوگوں نے نہیں جانا تھا جن کو

اَنۡ تَطَـئُوۡهُمۡ	فَتُصِيۡبَكُمۡ مِّنۡهُمۡ	مَّعَرَّةٌۢ	بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ	لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ
کہ (کہیں) تم روندڈالو ان کو	نتیجتاً آ لگے تم کو ان سے	کوئی برائی	بغیر جانے بوجھے	(جنگ نہ ہونے دی) تاکہ داخل کرے اللہ

فِىۡ رَحۡمَتِهٖ	مَنۡ يَّشَآءُ ۚ	لَوۡ تَزَيَّلُوۡا	لَعَذَّبۡنَا	الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ
اپنی رحمت میں	اس کو جس کو وہ چاہے	اگر وہ لوگ الگ الگ ہوتے	تو ہم ضرور عذاب دیتے	ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے

عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۲۵﴾	اِذۡ جَعَلَ	الَّذِيۡنَ كَفَرُوا	فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ	الۡحَمِيَّةَ
ایک دردناک عذاب	جب بنایا	ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	اپنے دلوں میں	رعونت،

حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ	فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ	سَكِيۡنَتَهٗ	عَلٰى رَسُوۡلِهٖ	وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ
غلط عقائد کی رعونت	تو اتارا اللہ نے	اپنی سکنیت	اپنے رسول پر	اور مومنوں پر

وَاَلۡزَمَهُمۡ	كَلِمَةَ التَّقۡوٰى	وَكَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا
اور اس نے چپکا دیا ان کو	تقویٰ کی بات پر	اور وہ لوگ زیادہ حقدار تھے اس کے

وَاَهۡلَهَا ؕ	وَكَانَ اللّٰهُ	بِكُلِّ شَىۡءٍ	عَلِيۡمًا ﴿۲۶﴾
اور اس کی اہلیت والے تھے	اور اللہ ہے	ہر چیز کا	علم رکھنے والا

نوٹ: 1

بطن مکہ سے اشارہ حدیبیہ کی طرف ہے۔ یہ بالکل مکہ کے دامن میں ہے اس وجہ سے اس کو بطن مکہ سے تعبیر فرمایا اور اس موقع پر جنگ کی نوبت جو نہیں آئی تو یہ تدبیر الٰہی کا کرشمہ ہے۔ حکمت الٰہی کا تقاضہ یہی ہوا کہ ابھی جنگ نہ ہو اس لیے اس نے دونوں فریقوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیے (تدبر قرآن)۔ اس حکمت کا بیان آیت۔25 میں آیا ہے اور اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ میں اس وقت مسلمان مرد و زن ایسے موجود تھے جنہوں نے یا تو اپنا ایمان چھپا رکھا تھا یا جن کا ایمان معلوم تھا مگر وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے۔ اس حالت میں اگر جنگ ہوتی تو کفار کے ساتھ یہ مسلمان بھی انجانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قریش کو ایک خونریز جنگ میں شکست دلوا کر مکہ فتح کرانا نہ چاہتا تھا بلکہ اس کے پیش نظر یہ تھا کہ ان کو اس طرح بے بس کر دیا جائے کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر مغلوب ہو جائیں اور پھر پورا قبیلہ اسلام قبول کر کے اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 29)

ترکیب

(آیت۔29) اس آیت میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ فِي التَّوْرٰةِ پر وقف کیا جائے۔ اس طرح مطلب ہوگا کہ اس سے پہلے کی مثالیں تورات میں بیان ہوئی ہیں۔ اس سے آگے مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ پر وقف نہ کریں بلکہ ملا کر پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ انجیل میں صحابہ کی مثال ایک کھیتی (كَزَرْعٍ) کی مانند ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ فِي التَّوْرٰةِ پر وقف نہ ہو بلکہ فِي الْاِنْجِيْلِ پر وقف کیا جائے، تو معنی یہ ہوں گے کہ سابقہ نشانیاں تورات اور انجیل دونوں میں ہیں اور آگے كَزَرْعٍ کی مثال کو ایک الگ مثال قرار دیا جائے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں میں کسی جگہ

وقف نہ کیا جائے بلکہ ملا کر پڑھا جائے اور لفظ ذٰلِكَ اگلی مثال کی طرف اشارہ ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ تورات وانجیل دونوں میں صحابہ کی مثال زَرْعٍ یعنی کھیتی کی دی گئی ہے۔ اگر اس زمانے میں تورات وانجیل اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان کو دیکھ کر مرادِ قرآنی متعین ہو جاتی۔ لیکن ان میں تحریفات کا سلسلہ بے حد و بے شمار رہا ہے اس لیے کوئی یقینی فیصلہ نہیں ہو سکتا مگر اکثر مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے۔ (معارف القران۔ ج ۸، ص ۹۳ سے ماخوذ) ترجمہ میں ہم دوسرے احتمال کو ترجیح دیں گے۔ فَاٰزَرَهٗ میں اٰزَرَ کا مادہ ''ءزر'' ہے اور یہ باب مفاعلہ کا ماضی ہے باب افعال کا نہیں ہے۔ جن مادوں کے فا کلمہ پر ہمزہ ہوتا ہے، باب مفاعلہ اور باب افعال میں ان کا ماضی ہم شکل ہو جاتا ہے اور ان میں تمیز کرنے کے لیے کوئی پہچان یا قرینہ نہیں ہے۔ اس کے لیے ڈکشنری ہی دیکھنی ہوتی ہے۔

ترجمہ

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ	رَسُوْلَهُ	الرُّءْيَا	بِالْحَقِّ ۚ	لَتَدْخُلُنَّ	الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بیشک سچ دکھایا اللہ نے	اپنے رسول کو	وہ خواب	حق کے ساتھ	تم لوگ لازماً داخل ہو گے	مسجدِ حرام میں

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ	اٰمِنِيْنَ ۙ	مُحَلِّقِيْنَ	رُءُوْسَكُمْ	وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ
اگر چاہا اللہ نے	امن میں ہونے والے،	مونڈنے والے ہوتے ہوئے	اپنے سروں کو	اور تراشنے والے ہوتے ہوئے

لَا تَخَافُوْنَ ؕ	فَعَلِمَ	مَا لَمْ تَعْلَمُوْا	فَجَعَلَ	مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ
تم لوگ خوف نہیں کرو گے	پھر اس نے جانا	اس کو جو تم لوگ نہیں جانتے تھے	تو اس نے مقرر کیا	اس کے علاوہ

فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾	هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ	رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وَدِيْنِ الْحَقِّ
ایک قریبی فتح	وہ، وہ ہے جس نے بھیجا	اپنے رسول کو اس ہدایت (قرآن) کے ساتھ	اور الحق (اللہ تعالیٰ) کے ضابطۂ حیات کے ساتھ

لِيُظْهِرَهٗ	عَلَى الدِّيْنِ	كُلِّهٖ ؕ	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ ؕ
تا کہ وہ (رسولؐ) غالب کر دیں اس (دین) کو	نظامِ حیات پر	اس کے کل پر	اور کافی ہے اللہ	بطور معائنہ کرنے والے کے

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ	وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ	اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ	رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ	تَرٰىهُمْ
محمدؐ اللہ کے رسول ہیں	اور وہ لوگ جوانؐ کے ساتھ ہیں	سخت ہیں کافروں پر	رحیم ہیں آپس میں	تو دیکھے گا ان کو

رُكَّعًا سُجَّدًا	يَّبْتَغُوْنَ	فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	وَرِضْوَانًا ۫	سِيْمَاهُمْ
رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے	تلاش کرتے ہوئے	فضل کو اللہ سے	اور (اس کی) خوشنودی کو	ان کی علامت (پہچان)

فِيْ وُجُوْهِهِمْ	مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ	ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ	فِي التَّوْرٰىةِ ۚ	وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ
ان کے چہروں میں ہے	سجدوں کے اثر سے	یہ ان کی مثال ہے	تورات میں	اور (یہی) ان کی مثال ہے انجیل میں

كَزَرْعٍ	اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ	فَاٰزَرَهٗ	فَاسْتَغْلَظَ	فَاسْتَوٰى
(وہ لوگ) ایک ایسی کھیتی کی مانند ہیں جس نے	نکالا اپنا خوشہ	پھر اس نے مضبوط کیا اس کو	تو وہ موٹا ہوا	پھر جم گیا

عَلٰى سُوْقِهٖ	يُعْجِبُ	الزُّرَّاعَ	لِيَغِيْظَ	بِهِمُ	الْكُفَّارَ ؕ
اپنی پنڈلی پر	وہ (کھیتی) دلکش لگتی ہے	کسانوں کو	تا کہ وہ (اللہ) خون کھولائے	ان لوگوں (وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ) سے	کافروں کا

وَعَدَ اللّٰهُ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	مِنْهُمْ	مَّغْفِرَةً	وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾
وعدہ کیا اللہ نے	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	اور جنہوں نے عمل کیے نیکیوں کے	ان میں سے	مغفرت کا	اور اجرِ عظیم کا

نوٹ: 1

صحابہ کرامؓ کا یہ عزمِ عمرہ رسول اللہ ﷺ کے خواب کی بناء پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی جب صلح حدیبیہ مکمل ہوگئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ عمرہ ادا کیے بغیر واپس مدینہ جانا ہے تو بعض صحابہؓ کے دلوں میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ آپؐ کا خواب سچا نہیں ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین تو مسلمانوں کو ضرور طعنہ دیتے کہ تمہارے رسول کا خواب سچا نہیں ہوا۔ اس کے لیے آیت۔ 27۔ نازل ہوئی (معارف القرآن سے ماخوذ)۔ یہاں مسلمانوں سے وعدہ کرتے ہوئے کہ تم لوگ لازماً مسجد حرام میں داخل ہوگے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے ساتھ خود ان شاء اللہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس کا تعلق دراصل اس پس منظر سے ہے جس میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے۔ کفار مکہ کو یہ زعم تھا کہ جس کو ہم عمرہ کرنے دینا چاہیں گے وہ عمرہ کر سکے گا، اور جب ہم اسے کرنے دیں گے اسی وقت وہ کر سکے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی مشیت پر نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے۔ اس سال عمرے کا نہ ہوسکنا اس لیے نہیں ہوا کہ کفار مکہ نے یہ چاہا تھا کہ وہ نہ ہو، بلکہ یہ اس لیے ہوا کہ ہم نے اس کو نہ ہونے دینا چاہا تھا۔ اور آئندہ اگر ہم چاہیں گے تو یہ عمرہ ہوگا خواہ کفار چاہیں یا نہ چاہیں۔ اس کے ساتھ ان الفاظ میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ مسلمان بھی یہ عمرہ اپنے زور سے نہیں کریں گے بلکہ ہماری مشیت سے کریں گے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 29۔ میں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے صحابہ کرامؓ کے فضائل کا بیان ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے مخاطب وہ صحابہؓ ہیں جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شریک تھے لیکن یہاں الفاظ کے عموم کی وجہ سے سبھی صحابہ کرامؓ شامل ہیں کیونکہ آپؐ کی صحبت و معیت سب کو حاصل ہے۔ اس مقام پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اوصاف و فضائل اور خاص علامات کا ذکر تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہو تو بعید نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں تھا اس لیے قرآن نے ان کے کچھ فضائل اور علامات کا بیان فرما کر مسلمانوں کو ان کے اتباع کی ترغیب و تاکید فرما دی ہے۔

اس مقام پر صحابہ کرامؓ کا پہلا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ قرآن نے اس وصف کو مقدم بیان فرمایا کیونکہ درحقیقت اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان کامل کا اعلیٰ مقام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی محبت اور بغض دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کے کفار کے مقابلے پر سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ اور رسولؐ کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کوئی بھی چیز ان کو اس کام سے نہیں روکتی۔ جہاں تک کافروں کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے، تو خود قرآن نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جو کفار مسلمانوں کے درپے آزار اور مقابلہ پر نہیں ان کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ منع نہیں کرتا۔ (الممتحنۃ۔ 8) چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بے شمار واقعات ہیں جن میں کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کیے گئے ہیں۔ اور ان کے معاملہ میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدان کارزار میں بھی عدل و انصاف کے خلاف کوئی کاروائی جائز نہیں ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا کہ ان کا عام حال یہ ہے کہ وہ رکوع وسجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ پہلا وصف کمالِ ایمان کی علامت تھی جبکہ دوسرا وصف کمالِ عمل کا بیان ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل نماز ہے۔ اور نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی (یعنی لائف اسٹائل) بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ ان آثار سے مراد وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گزار کے چہرہ پر مشاہدہ کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے، تو دن میں اس کا چہرہ حسین پُرنور نظر آتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا تیسرا وصف ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان ہوا ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اگائے، تو اول وہ ایک ضعیف سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، پھر اس میں شاخیں نکلتیں ہیں، پھر وہ اور اور قوی ہوتا ہے، پھر اس کا مضبوط تنا بن جاتا ہے اسی طرح ایک وقت ایسا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا صرف تین مسلمان تھے۔ مردوں میں صدیق اکبرؓ، عورتوں میں بی بی خدیجہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کو ان صفات کے ساتھ مزین فرمایا تاکہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غیظ ہو اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔ اور ان سے مغفرت اور اجرِ عظیم کے وعدے کا اعلان فرمادیا، اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرامؓ سب کے سب عادل وثقہ ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں۔ جن میں سے چند آیات تو اسی سورہ میں آچکی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے۔ اس کے علاوہ احادیث بھی ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا مت کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو وہ ان کے خرچ کیے ہوئے کے ایک مُد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ نصف مُد کے برابر۔ مُد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کے برابر ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں۔ میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ مت بناؤ، کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی، اس نے مجھے ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔ آیات و احادیث اس کے متعلق بہت ہیں جن کو احقر نے اپنی کتاب مقامِ صحابہ میں جمع کر دیا ہے اور یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ (معارف القرآن۔ ج ۸، ص ۹۱ تا ۹۷ سے ماخوذ)۔

مورخہ ۳/صفر ۱۴۳۰ھ بمطابق ۳۰/جنوری ۲۰۰۹ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الحجرات (49)

آیت نمبر (1 تا 8)

م	ح	ن

(ف) مَحۡنًا آزمانا۔

(افتعال) اِمۡتِحَانًا اہتمام سے آزمانا۔امتحان لینا۔ٹیسٹ کرنا۔زیر مطالعہ آیت۔3۔

اِمۡتَحِنۡ فعل امر ہے۔تو امتحان لے۔تو جانچ لے۔﴿اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡهُنَّ ؕ﴾ (60/الممتحنۃ:10) ”جب آئیں تمہارے پاس مومن خواتین ہجرت کرنے والی ہوتے ہوئے تو تم لوگ جانچ لوان کو۔“

ترکیب

(آیت۔1) بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ میں یَدَیِ دراصل بَیۡنَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں تثنیہ کا صیغہ یَدَیۡنِ تھا۔یہ آگے لفظ اللہ کا مضاف بن رہا ہے اس لیے نون اعرابی گرا تو یَدَیۡ باقی بچا۔آگے ملانے کے لیے ی کو کسرہ دی گئی ہے۔اس حوالے سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ تثنیہ کے صیغے کی یائے ساکن کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دیتے ہیں جبکہ یائے متکلم (جو ساکن ہی ہوتی ہے) کو آگے ملانے کے لیے فتح دیتے ہیں۔(دیکھیں آیت۔2/40، ترکیب) یہی وجہ ہے کہ فِیۡ کِتَابِیَ الَّذِیۡ کا مطلب ہے میری اس کتاب میں جو۔جبکہ فِیۡ کِتَابِیَ الَّذِیۡ کا مطلب ہے ان دونوں کتابوں میں جو۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	لَا تُقَدِّمُوۡا	بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ
اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ آگے مت کرو (اپنی رائے کو)	اللہ اور اس کے رسول کے سامنے

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ	اِنَّ اللّٰہَ	سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ①	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	لَا تَرۡفَعُوۡۤا
اور اللہ (کے غضب) سے ڈرو	بیشک اللہ	سے والا جاننے والا ہے	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ بلند مت کرو

اَصۡوَاتَکُمۡ	فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ	وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ	کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ
اپنی آوازوں کو	ان نبیؐ کی آواز کے اوپر	اور اونچا مت بولو انؐ کے لیے بات میں	جیسے تمہارے کسی کا اونچا بولنا

لِبَعۡضٍ	اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ	وَ	اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ②
کسی کے لیے	کہیں اکارت جائیں تمہارے اعمال	اس حال میں کہ	تم لوگ شعور نہ رکھتے ہو

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ	اَصۡوَاتَهُمۡ	عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ	اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ	امۡتَحَنَ اللّٰہُ
بیشک جو لوگ نیچی رکھتے ہیں	اپنی آوازوں کو	اللہ کے رسول کے پاس	یہ وہ لوگ ہیں	امتحان لے لیا اللہ نے

قُلُوۡبَهُمۡ	لِلتَّقۡوٰی ؕ	لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ	وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ③	اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ
جن کے دلوں کا	تقویٰ کے لیے	ان کے لیے مغفرت ہے	اور اجرِ عظیم ہے	بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو

مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ	اَكْثَرُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴	وَلَوْ اَنَّهُمْ	صَبَرُوْا حَتّٰى
کمروں کے پیچھے سے	ان کے اکثر	عقل نہیں کرتے	اور اگر یہ کہ وہ لوگ	صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ	لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
آپ نکلتے ان کی طرف	تو یقیناً بہتر ہوتا ان کے لیے	اور اللہ بے انتہا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے	اے لوگو! جو ایمان لائے

اِنْ جَآءَكُمْ	فَاسِقٌۢ	بِنَبَاٍ	فَتَبَيَّنُوْۤا	اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا	بِجَهَالَةٍ
اگر آئے تمہارے پاس	کوئی احتیاط نہ کرنے والا	کسی خبر کے ساتھ	تو تحقیق کرلو	کہیں تم لوگ جا لگو کسی قوم کو	غلط خیالات کے سبب سے

فَتُصْبِحُوْا	عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ	نٰدِمِيْنَ ۝۶	وَاعْلَمُوْۤا	اَنَّ فِيْكُمْ
نتیجتاً تم لوگ ہو جاؤ	اس پر جو تم لوگوں نے کیا	پشیمان ہونے والے	تم لوگ جان لو	کہ تم لوگوں (کے درمیان) میں

رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ	لَوْ يُطِيْعُكُمْ	فِيْ كَثِيْرٍ	مِّنَ الْاَمْرِ	لَعَنِتُّمْ
اللہ کے رسول ہیں	اگر وہ کہا مانیں تمہارا	اکثر میں	معاملات میں سے	تو ضرور تم لوگ مشکل میں پڑو گے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ	وَ زَيَّنَهٗ	فِيْ قُلُوْبِكُمْ
اور لیکن اللہ نے	پیارا بنایا تمہارے لیے ایمان کو	اور اس نے سجا دیا اس کو	تمہارے دلوں میں

وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ	الْكُفْرَ	وَالْفُسُوْقَ	وَالْعِصْيَانَ ؕ	اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷
اور اس نے ناگوار کر دیا تمہارے لیے	کفر کو	اور غیر محتاط رویوں کو	اور نافرمانی کو	یہ لوگ ہی نیک راہ پر چلنے والے ہیں

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	وَنِعْمَةً ؕ	وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸
فضل ہوتے ہوئے اللہ (کی طرف) سے	اور نعمت ہوتے ہوئے	اور اللہ جاننے والا حکمت والا

نوٹ: 1

آیت۔ ۲/26، نوٹ۔2۔ میں ہم نے تفسیر حقانی سے فاسق کے تین درجے نقل کیے ہیں۔ اس میں پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم نے فاسق کا ترجمہ احتیاط نہ کرنے والے اور فسوق کا ترجمہ غیر محتاط رویوں سے کیا ہے۔

نوٹ: 2

اس سے پہلی دو سورتوں میں جہاد کے احکام تھے جس سے اصلاح عالم و آفاق مقصود ہے۔ اس سورت میں اصلاح نفس کے احکام مذکور ہیں، خصوصاً وہ احکام جو آداب معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن۔ خلاصۂ تفسیر سے ماخوذ) یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ قرآن میں احکام و ہدایات کا نزول حالات کے تقاضوں کے تحت ہوا ہے تاکہ لوگوں پر ان کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے۔ چنانچہ یہ سورۃ بھی ایسے حالات میں نازل ہوئی ہے جب نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کی طرف سے بعض باتیں ایسی سامنے آئیں جن سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ نہ تو رسول کے مقام و مرتبہ سے واقف ہیں اور نہ اسلامی معاشرے میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں ضروری ہدایات دے دی گئیں جو ضروری تھیں۔ ان ہدایات کا تعلق تمام تر نبی ﷺ اور مسلمانوں کے باہمی حقوق سے ہے۔ کفار کا معاملہ اس میں زیر بحث نہیں آیا۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3

ان آیات میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن جن لوگوں کا رویہ اس سورۃ میں زیر بحث آیا ہے وہ اطراف مدینہ کے بدو قبائل ہیں جو اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے لیکن یہ لوگ اسلام کو سمجھ کر نہیں بلکہ اس سے مرعوب ہو کر اس میں داخل ہوئے اور مرکز سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے ان کی تربیت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے اندر ایک غلط قسم کا پندار تھا کہ انہوں نے کسی جنگ کے بغیر نبی ﷺ کی اطاعت کر لی جو آپؐ پر ان کا ایک احسان ہے۔ اس پندار کا اثر یہ تھا کہ ان کے سردار جب مدینہ آتے تو رسول اللہ ﷺ سے اس انداز سے بات کرتے گویا وہ اسلام کے بڑے مربی و محسن ہیں۔ بغیر اس کے کہ کسی معاملہ میں آپؐ ان کی رائے دریافت کریں آگے بڑھ بڑھ کے خود ہی مشورے دینے کی کوشش کرتے۔ ان میں ہر ایک آپؐ کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتا اور اس غرض کے لیے وہ اپنے حریفوں سے متعلق بعض اوقات ایسی خبریں بھی آپؐ کو پہنچاتے جو غلط فہمی پیدا کرنے والی ہوتیں۔ یہ حالات تھے جن میں یہ سورہ نازل ہوئی۔

واضح رہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے۔ آپ صحابہ سے ان کی رائے معلوم بھی فرماتے اور صحابہ اپنی رائے پیش بھی کرتے تھے۔ یہاں ممانعت اس بات کی ہے کہ کوئی شخص اللہ کے رسول کو مجرد ایک لیڈر سمجھ کر اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مدبر خیال کر کے حضورؐ کو اپنی رائے سے متاثر کرنے اور اپنی رائے کو حضورؐ کی بات پر مقدم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ رسول کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہے۔ اللہ کا رسول اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی ہدایت کے تحت کرتا ہے۔ اگر کوئی ان کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنے کی جسارت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مقدم کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے زمانے میں یہ تنبیہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام کی خدمت کے دعوے کے ساتھ اس کی اقدار کو مسخ اور اس کے قوانین میں تحریف کر رہے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جس شکل میں اسلام دیا ہے اس شکل میں وہ اس دور میں نہیں چل سکتا۔ ضروری ہے کہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس کی اصلاح کی جائے ایک شخص بہت سے کام اپنی دانست میں دین کے کام سمجھ کر دین ہی کی خدمت کے لیے کرتا ہے لیکن اس کے اندر یہ پندار سمایا ہوا ہو کہ وہ اللہ کے دین پر کوئی احسان کر رہا ہے اور اس زعم میں وہ اللہ کے رسول کے مقام و مرتبہ کا احترام نہ کرے تو اس کے سارے اعمال اکارت ہو کے رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ہاں شرف قبولیت صرف انہی لوگوں کے اعمال کو حاصل ہوگا جو اس کے دین کی خدمت صرف اس کی رضا کے لیے اور ٹھیک ٹھیک اس کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق انجام دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی دل سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے رہیں گے کہ یہ خدمت انجام دے کر انہوں نے اللہ و رسول پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اللہ کا احسان خود ان کے اوپر ہوا ہے کہ اس نے ان کو اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا کی۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 4

آیت۔ 7۔ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں کوئی فاسق بھی ہو سکتا ہے اور یہ اس متفق علیہ ضابطہ کے خلاف ہے کہ صحابہؓ سب کے سب ثقہ ہیں اور ان کی خبر و شہادت پر کوئی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں فرمایا کہ اس معاملہ میں حق بات وہ ہے جس کی طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابۂ کرام معصوم نہیں ان سے گناہ کبیرہ بھی سرزد ہو سکتا ہے جو فسق ہے اور اس گناہ کے وقت ان سے وہی معاملہ کیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں یعنی شرعی سزا دی جائے گی۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نصوصِ قرآن و سنت کی بنا پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (9/التوبہ۔100) اور رضائے الٰہی گناہوں کی معافی کے بغیر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اعلان صرف انہی کے لیے فرمایا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ ان کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (9 تا 12)

ن ب ز

(ض) نَبْزًا کسی کو شرمندہ کرنا۔ بُرا لقب دینا۔

(تفاعل) تَنَابُزًا ایک دوسرے کو شرمندہ کرنا۔ لقب دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11

ل ق ب

(س) لَقَبًا اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام رکھنا۔ لقب رکھنا۔

لَقَبٌ ج اَلْقَابٌ اسم ذات بھی ہے۔ اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام۔

ج س س

(ن) جَسًّا نبض کو چھو کر صحت کی کیفیت معلوم کرنا۔ کسی چیز کو ٹٹول کے اس کی کیفیت معلوم کرنا۔

(تفعل) تَجَسُّسًا بتکلف کسی کے اندرونی حالات معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگنا۔ تجسس کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 12

ترجمہ

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اقْتَتَلُوْا	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا ۚ
اور اگر کوئی دو جماعت	مومنوں میں سے	آپس میں لڑ پڑیں	تو تم لوگ صلح کراؤ	ان دونوں کے درمیان

فَاِنْۢ بَغَتْ	اِحْدٰىهُمَا	عَلَى الْاُخْرٰى	فَقَاتِلُوا	الَّتِيْ	تَبْغِيْ
پھر اگر سرکشی کرے	ان دونوں کی کوئی ایک	دوسری پر	تو تم لوگ جنگ کرو	اس سے جس نے	سرکشی کی

حَتّٰى تَفِيْٓءَ	اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ	فَاِنْ فَآءَتْ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ
یہاں تک کہ وہ پلٹ آئے	اللہ کے حکم کی طرف	پھر اگر وہ پلٹ آئے	تو (پھر) صلح کراؤ	ان دونوں کے درمیان برابری سے

وَاَقْسِطُوْا ؕ	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ
اور حق کے مطابق کرو	بیشک اللہ پسند کرتا ہے	حق کے مطابق کرنے والوں کو	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ سارے ایمان لانے والے

اِخْوَةٌ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰ ع
بھائی ہیں	تو صلح کراؤ	اپنے دونوں بھائی کے درمیان	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	شاید تم لوگوں پر رحم کیا جائے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	لَا يَسْخَرْ	قَوْمٌ	مِّنْ قَوْمٍ	عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا
اے لوگو! جو ایمان لائے	مذاق نہ کرے	کوئی گروہ	کسی (دوسرے) گروہ سے	ہوسکتا ہے کہ وہ ہوں

خَيْرًا	مِّنْهُمْ	وَلَا نِسَآءٌ	مِّنْ نِّسَآءٍ	عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ
بہتر	ان سے	اور نہ ہی (مذاق کریں) عورتیں	(دوسری) عورتوں سے	ہوسکتا ہے کہ وہ ہوں

خَيْرًا	مِّنْهُنَّ ۚ	وَلَا تَلْمِزُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	وَلَا تَنَابَزُوْا	بِالْاَلْقَابِ ؕ
بہتر	ان سے	اورتم لوگ نکتہ چینی مت کرو	اپنوں کی	اورشرمندہ مت کرو (اپنوں کو)	دوسرے ناموں (لقب) سے

بِئْسَ الِاسْمُ	الْفُسُوْقُ	بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ	وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ
کتنا برا ہے نام	فسوق کا	ایمان کے بعد	اورجس نے توبہ کی ہی نہیں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اجْتَنِبُوْا	كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫
تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں	اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ بچو	بہت زیادہ گمان کرنے سے

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	اِثْمٌ	وَّلَا تَجَسَّسُوْا	وَلَا يَغْتَبْ
بیشک گمان کے بعض	گناہ ہیں	اورتجسس مت کرو	اورغیبت نہ کرے

بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ	اَيُحِبُّ	اَحَدُكُمْ	اَنْ يَّاْكُلَ	لَحْمَ اَخِيْهِ	مَيْتًا
تم میں کا کوئی کسی کی	کیا پسند کرتا ہے	تمہارا کوئی ایک	کہ وہ کھائے	اپنے بھائی کا گوشت	اس حال میں کہ (وہ بھائی) مردہ ہو

فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	تَوَّابٌ	رَّحِيْمٌ ⑫
تو تم نے کراہیت کی اس سے	اورتقویٰ اختیار کرو اللہ کا	بیشک اللہ	بار بار توبہ قبول کرنے والا	رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1

مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں اور جس پر زیادتی کی جارہی ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں یا الٹا زیادتی کرنے والے کا ساتھ دیں۔ بلکہ ان کا فرض یہ ہے کہ اگر لڑنے والے فریقین میں صلح کرانے کی تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر یہ دیکھیں کہ حق پر کون ہے۔ جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور زیادتی کرنے والے سے لڑیں۔ اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لیے یہ جہاد کے حکم میں ہے۔ اس کا شمار اس فتنے میں نہیں ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اور بیٹھ جانے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس فتنے سے مراد مسلمانوں کی وہ باہمی لڑائی ہے جس میں فریقین طلب دنیا کے لیے لڑ رہے ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی حق پر نہ ہو۔ یہ لڑائی جو زیادتی کرنے والے کے مقابلے میں برسرحق گروہ کی حمایت کے لیے لڑی جائے، وہ فتنے میں حصہ لینا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ تمام فقہاء کا اس کے وجوب پر اتفاق ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ سے مراد اس فیصلے کے آگے جھکنا ہے جو مصالحت کرانے والوں نے فریقین کے سامنے رکھا ہے۔ اگر کوئی فریق اس مصالحت سے گریز اختیار کر رہا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکنے سے گریز اختیار کر رہا ہے اس لیے کہ اس صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا حکم دیا ہے۔ اور جب اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کی حیثیت امر اللہ کی ہے۔ اب اس زمانے میں یہ پیچیدہ صورتحال پیدا ہوگئی ہے کہ بہت سی چھوٹی بڑی مسلمان حکومتیں الگ الگ قائم ہوگئی ہیں۔ ان کے درمیان اگر جنگ چھڑ جائے تو دوسری مسلمان حکومتوں کے لیے اس سے بالکل الگ تھلگ رہنا تو جائز نہیں ہے، مصالحت کی کوشش ہر ایک کو کرنی ہوگی، البتہ مداخلت کا معاملہ صورتِ حال پر منحصر ہے جس کا تعلق وقت کے سیاسی تقاضوں سے ہے۔ اگر مداخلت سے مزید بین المللی یا بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو عملی مداخلت سے تو گریز اختیار کیا جائے گا لیکن مصالحت کی جدوجہد سے گریز کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

شیطان نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے جو فتنے ایجاد کیے ہیں ان میں ایک بہت بڑا فتنہ خاندان، برادری اور کنبہ قبیلہ کے شرف و امتیاز کا فتنہ ہے اور بہت کم ایسے خوش نصیب نکلتے ہیں جو خود کو اس فتنہ سے محفوظ رکھ سکیں۔ جو لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دوسروں کو اپنے مقابلہ میں حقیر خیال کرتے ہیں جس کا اظہار ان کے قول، فعل اور رویہ سے ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ چیزیں پختہ ہو کر ان کے ہاں روایت کی حیثیت

اختیار کر لیتی ہیں۔ بلکہ جہاں بس چلتا ہے وہاں وہ ان کو مذہب کا درجہ بھی دے دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں میں برہمنوں نے، یہود میں بنی لاوی نے اور عربوں میں قریش نے اسی طرح تقدس کا ایک ایسا مقام اپنے لیے پیدا کر لیا جس کو چیلنج کرنا دوسروں کے لیے ممکن نہیں رہ گیا۔ یہی حال ہر قوم کا ہوا ہے اور مساوات انسانی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان جو اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے برپا کیے گئے تھے وہ بھی آج نہ جانے کتنی برادریوں، قبیلوں اور قوموں میں تقسیم ہیں اور ہر ایک ہمچو من دیگرے نیست کے نشہ سے سرشار ہے، جس کا اظہار ہر قوم و قبیلہ کے عوام و خواص کے بیانات اور نعروں سے ہوتا ہے جس سے فطری طور پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے جو عداوت اور بغض کی شکل اختیار کر کے بالآخر خون خرابے تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں قرآن نے مسلمانوں کو اسی آفت سے محفوظ رہنے کی ہدایت کی ہے کہ ہم کو اللہ نے تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی بخشی ہے۔ تمہارا معاشرہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کی اساس پر قائم ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لیے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ بنائے گئے ہو تو اپنے دوسرے بھائیوں کو اپنے طنز اور حقارت آمیز الفاظ کا ہدف بنا کر اس معاشرہ کا حلیہ مسخ مت کرو۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 3

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گزرے۔ یہ تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ کی دوسری نظریوں سے استفادہ کر کے فقہاء نے غیبت کی مندرجہ ذیل صورتیں جائز قرار دی ہیں۔

(۱) ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت اس شخص کے سامنے جس سے وہ یہ توقع رکھتا ہو کہ وہ ظلم کو رفع کرنے کے لیے کچھ کر سکتا ہے۔ (۲) اصلاح کی نیت سے کسی کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے جن سے یہ امید ہو کہ وہ اصلاح کرنے کے لیے کچھ کر سکیں گے۔ (۳) فتویٰ مانگنے کی غرض سے کسی مفتی کے سامنے صورت واقعہ بیان کرنا جس میں کسی کے کسی غلط فعل کا ذکر آجائے۔ (۴) کسی کو کسی کے شر سے خبردار کرنا تاکہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکے۔ مثلاً کوئی شخص کہیں شادی کا رشتہ کرنا چاہتا ہو یا کسی کے پڑوس میں مکان لینا چاہتا ہو یا کسی سے شرکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو اور آپ سے مشورہ لے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس کا عیب و صواب اسے بتا دیں تاکہ ناواقفیت میں وہ دھوکا نہ کھائے۔ (۵) جو لوگ کسی بُرے لقب سے اس قدر مشہور ہو چکے ہوں کہ وہ اس لقب کے علاوہ کسی اور لقب سے پہچانے نہ جا سکیں، ان کے لیے وہ لقب استعمال کرنا بغرض تعریف (پہچان کرانا) نہ کہ بغرض تنقیص۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ پیٹھ پیچھے کسی کی بدگوئی کرنا مطلقاً حرام ہے۔ یہ بدگوئی اگر سچی ہو تو غیبت ہے، جھوٹی ہو تو بہتان ہے اور دو آدمیوں کو لڑانے کے لیے ہو تو چغلی ہے۔ شریعت ان تینوں چیزوں کو حرام کرتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی شخص پر جھوٹی تہمت لگائی جا رہی ہو تو وہ اس کو خاموشی سے نہ سنے بلکہ اس کی تردید کرے اور اگر کسی جائز شرعی ضرورت کے بغیر کسی کی سچی برائی بیان کی جا رہی ہے تو اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو اللہ سے ڈرانے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کی تذلیل کی جا رہی ہو اور اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی تذلیل و توہین کی جا رہی ہو تو اللہ عزوجل اس کی مدد ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی مدد کرے۔

رہا غیبت کرنے والا، تو جس وقت بھی اسے احساس ہو جائے کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے یا کر چکا ہے، تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ سے توبہ کرے اور اس حرام فعل سے رک جائے۔ اس کے بعد دوسرا فرض اس پر یہ ہے کہ حتی الامکان اس کی تلافی کرے۔ اگر اس نے کسی مرے ہوئے آدمی کی غیبت کی ہو تو اس کے حق میں کثرت سے دعائے مغفرت کرے۔ اگر کسی زندہ آدمی کی غیبت کی ہو اور وہ خلاف واقعہ بھی ہو تو ان لوگوں کے سامنے اس کی تردید کرے جن کے سامنے وہ یہ بہتان تراشی کر چکا ہے۔ اور اگر سچی غیبت کی ہو تو آئندہ پھر کبھی اس کی برائی نہ کرے اور اس شخص سے معافی مانگے جس کی اس نے برائی کی تھی۔ علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ معافی صرف اس صورت میں مانگنی چاہیے جبکہ اس شخص کو اس کا علم ہو چکا ہو۔ ورنہ صرف توبہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (تفہیم القرآن۔ ج 5۔ ص 90 تا 94 سے ماخوذ)

حضرت میمونؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک زنگی کا مردہ جسم ہے اور کوئی کہنے والا مجھے مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ میں نے کہا کہ اللہ کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں۔ تو اس نے کہا اس لیے کہ تو نے فلاں شخص کے زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو اس کے متعلق کوئی اچھی یا بُری بات کی ہی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے۔ اس خواب کے بعد حضرت میمونؒ کا حال یہ ہو گیا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے۔ (معارف القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب

کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com, www.khuddam-ul-quran.com

0412437781,0412437618,03217805614

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

6744

آیت نمبر (13 تا 18)

ل	ی	ت

(ض) لَیْتًا کسی سے کسی چیز کو پھیر دینا۔ روک لینا۔ حق سے کم دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔14۔

لَیْتَ یہ حرف تمنّٰی ہے۔ گذشتہ کوتاہی پر اظہار تاسف کے لیے آتا ہے۔ کاش۔ ﴿یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾﴾ (78/النبا:40) ''اے کاش میں ہوتا ایک مٹی۔''

ترکیب

(آیت۔13) لِتَعَارَفُوْا میں تَعَارَفُوْا باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ماضی پر لام کی نہیں آتا۔ اس لیے یہ اصلاً مضارع میں تَتَعَارَفُوْنَ ہے جس کی ایک تا گرا دینا جائز ہے۔ جس کی وجہ سے یہ تَعَارَفُوْنَ ہوا۔ پھر لام کی داخل ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا تو تَعَارَفُوْا ہوگیا۔ (آیت۔14)۔ لَمَّا یہاں پر جازم مضارع کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے یہ لَمَّا یَدْخُلْ ہے۔ جسے آگے ملانے کے لیے لام کو کسرہ دی گئی ہے۔ یہ لَمْ یَدْخُلْ سے مختلف ہے۔ لَمْ یَدْخُلْ کا مطلب ہے داخل ہوا ہی نہیں۔ جبکہ لَمَّا یَدْخُلْ کے معنی ہیں ابھی تک داخل نہیں ہوا۔ لَا یَلِتْکُمْ بھی دراصل مضارع لَا یَلِیْتُکُمْ ہے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو یا گر گئی اور لَا یَلِتْ استعمال ہوا۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ	اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	مِّنْ ذَكَرٍ	وَّ اُنْثٰى	وَ جَعَلْنٰكُمْ
اے لوگو	بیشک ہم نے پیدا کیا تم لوگوں کو	ایک مرد سے	اور ایک عورت سے	اور ہم نے بنایا تم لوگوں کو

شُعُوْبًا	وَّ قَبَآىِٕلَ	لِتَعَارَفُوْا ؕ	اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	عِنْدَ اللّٰهِ
قومیں	اور قبیلے	تاکہ تم لوگ ایک دوسرے کو پہچانو	بیشک تم لوگوں کا زیادہ باعزت	اللہ کے نزدیک

اَتْقٰىكُمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾	قَالَتِ الْاَعْرَابُ	اٰمَنَّا ؕ	قُلْ
تم لوگوں کا زیادہ پرہیزگار ہے	یقیناً اللہ	جاننے والا ہے باخبر ہے	کہا بدولوگوں نے	ہم ایمان لائے	آپ کہہ دیجئے

لَمْ تُؤْمِنُوْا	وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا	اَسْلَمْنَا	وَ لَمَّا یَدْخُلِ	الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
تم لوگ ایمان نہیں لائے	اور لیکن (بلکہ) تم لوگ (یوں) کہو	ہم فرمانبردار ہوئے	اور ابھی تک داخل نہیں ہوا	ایمان تمہارے دلوں میں

وَ اِنْ تُطِیْعُوا	اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	لَا یَلِتْكُمْ	مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	شَیْـًٔا ؕ
اور اگر تم لوگ اطاعت کروگے	اللہ اور اس کے رسول کی	تو وہ کم نہیں کرے گا تمہارے لیے	تمہارے اعمال میں سے	کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾	اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
بیشک اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کچھ نہیں سوائے اس کے وہ ایمان لانے والے جو	ایمان لائے	اللہ اور اس کے رسول پر

ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا	وَ جٰهَدُوْا	بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ
پھر وہ شبہہ میں پڑے ہی نہیں	اور انہوں نے جدوجہد کی	اپنے مالوں اور اپنی جانوں (وقت اور صلاحیت) سے	اللہ کی راہ میں

أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾	قُلْ	اَتُعَلِّمُوْنَ	اللّٰهَ	بِدِيْنِكُمْ ؕ
یہ لوگ ہی سچ کہنے والے ہیں	آپؐ کہیے	کیا تم لوگ علم دیتے ہو	اللہ کو	اپنے دین کے بارے میں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ	وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
حالانکہ اللہ جانتا ہے	اس کو جو آسمانوں میں ہے	اور اس کو جو زمین میں ہے	اور اللہ ہر چیز کو

عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾	يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ	اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ	قُلْ لَّا تَمُنُّوْا
جاننے والا ہے	یہ لوگ احسان رکھتے ہیں آپؐ پر	کہ وہ لوگ فرمانبردار ہوئے	آپؐ کہیے تم لوگ احسان مت رکھو

عَلَيَّ	اِسْلَامَكُمْ ۚ	بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ	عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
مجھ پر	اپنے فرمانبردار ہونے کا	بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے	تم پر کہ اس نے ہدایت دی تم کو

لِلْاِيْمَانِ	اِنْ كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾	اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
ایمان لانے کی	اگر تم لوگ ہو	سچ کہنے والے	یقیناً اللہ جانتا ہے

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ ع
آسمانوں اور زمین کے غیب کو	اور اللہ دیکھنے والا ہے	اس کو جو تم لوگ کرتے ہو

نوٹ: 1

پچھلی آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے وہ ہدایات دی گئی تھیں جو مسلم معاشرے کو خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اب آیت۔13۔ میں پوری نوعِ انسانی کو خطاب کر کے اُس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کا موجب بنی ہے یعنی رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کا تعصب۔ قدیم زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی کہ اپنوں کے ساتھ زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو بلکہ اس تمیز نے نفرت و عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے گئے ان کو آج بیسویں صدی میں بھی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین لوگوں کی جس طرح نسل کشی کی اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کی تہہ میں یہی تصور کارفرما ہے کہ اپنے وطن اور اپنی قوم سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان و مال اور آبرو ان پر مباح ہے اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ ان کو لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑے تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی اور نسلی برتری کے تصور نے پچھلی جنگِ عظیم میں جو کرشمے دکھائے ہیں انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔

ایک یہ کہ ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوعِ وجود میں آئی ہے۔ اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلہ تخلیق میں کسی جگہ بھی اُس تفرقے اور اونچ نیچ کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعمِ باطل میں تم مبتلا ہو۔ دوسرے یہ کہ اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قبیلوں

اورقوموں میں تقسیم ہوجانا ایک فطری امر تھا۔نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود
6744
میں آئیں'اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرزِ بودوباش بھی لامحالہ مختلف ہوجانے تھے۔ مگر اس فطری فرق واختلاف کا تقاضہ یہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اونچ نیچ اور برتر وکمتر کے امتیاز قائم کیے جائیں۔ خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی ہے۔اسی طریقے سے وہ زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے ہیں۔ یہ محض شیطانی جہالت ہے جس نے اس باہمی تعارف وتعاون کے ذریعے کو باہمی تفاخر اور تنافر کا ذریعہ بنادیا اور پھر نوبت ظلم وعدوان تک پہنچادی۔ تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی کوئی بنیاد اگر ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ایک شخص برائیوں سے بچنے والا اور نیکی وپاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہے، وہ اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے خواہ وہ کسی نسل، کسی قوم یا کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔اور جس کا حال اس کے برعکس ہو وہ بہرحال ایک کمتر درجے کا انسان ہے چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہوا ہو یا مغرب میں۔

یہی حقائق جو قرآن کی ایک مختصر سی آیت میں بیان کیے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مختلف ارشادات میں زیادہ کھول کر بیان فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! تمام انسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے۔ ورنہ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک تقریر میں آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! خبردار رہو! تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ایک اور حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ حقیر ہوں گے۔

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھادی۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی، نہ کبھی پائی گئی ہے۔صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنادیا ہے۔(تفہیم القرآن۔ج۵،ص:۹۵ تا ۹۹ سے ماخوذ)

نوٹ:2

(آیت۔14) میں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں۔ اصطلاحی ایمان اور اصطلاحی اسلام اگرچہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، کہ ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام نام ہے اعمالِ ظاہرہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے کا،لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اس کا اثر اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمالِ ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے، ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس لحاظ سے اسلام اور ایمان مبدأ (ابتدا ہونے کی جگہ) اور منتہی (انتہا تک پہنچنے کی جگہ) کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں' کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہوکر ظاہراً اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہوکر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے۔مگر مصداق کے اعتبار سے یہ دونوں لازم وملزوم ہیں کہ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں۔شریعت میں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مومن نہ ہو یا مومن ہو مسلم نہ ہو۔مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے۔لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مومن نہ ہو جیسا کہ تمام منافقین کا یہی حال تھا۔(معارف القرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔15۔ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ مومنین کے عدم تذبذب کی شہادت کے طور پر آیا ہے۔ ایک شخص اگر ایک نصب العین کے لیے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تو یہ ایک ناقابل انکار شہادت اس بات کی ہے کہ اس کو اپنے نصب العین کی صداقت پر پورا یقین ہے۔ اور اگر وہ اس کی خاطر نہ مال قربان کرنے پر تیار ہے، نہ اپنی جان کو کسی خطرے میں ڈالنے کا حوصلہ رکھتا ہے، تو وہ اپنے نصب العین کے عشق میں کتنی ہی لاف زنی کرے لیکن اس کا عمل گواہی دے رہا ہے کہ وہ اس کے باب میں ابھی مبتلائے شک ہے۔ (تدبر قرآن)۔

سورۃ قٓ (50)

آیت نمبر (1 تا 11)

ب	س	ق

(ن) بُسُوْقًا درخت کا لمبے تنے کا ہونا۔
بَاسِقٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ لمبے تنے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔10

م	ج	د

(ك) مَجَادَةً بزرگی اور عظمت والا ہونا۔ بڑی شان والا ہونا۔
مَجِيْدٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بزرگ، شان والا۔ زیر مطالعہ آیت۔1

ترکیب (آیات۔1 تا3) قسم کے جواب میں عموماً ایک جوابِ قسم آتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں خدا کی قسم یہ بات یوں ہے یا یہ بات یوں نہیں ہے۔ یہاں وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ قسم ہے اور اس کا جوابِ قسم محذوف ہے۔ آگے کی آیات کے پیش نظر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے یہاں لَتُبْعَثُنَّ (تم لوگ لازماً دوبارہ اٹھائے جاؤ گے) کو محذوف مانا ہے۔ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ میں هٰذَا کا اشارہ اسی محذوف جوابِ قسم کی طرف ہے۔ ءَاِذَا شرطیہ ہے۔ مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا شرط ہے۔ اس کا جوابِ شرط محذوف ہے۔ جو لَنُبْعَثُنَّ ہے۔ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ میں ذٰلِكَ کا اشارہ اسی محذوف جوابِ شرط کی طرف ہے، (آیت۔7 تا 11)۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا میں مَدَدْنَا کی ضمیر مفعولی هَا آ گئی ہے اس لیے اَلْاَرْضَ کو اس کا مفعول مقدم ماننے کی گنجائش ختم ہوگئی۔ اب اس کو کسی فعل محذوف کا مفعول مانا جائے گا جو لَمْ يَرَوْا ہوسکتا ہے۔ اس طرح پورا جملہ یوں ہے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا الْاَرْضَ كَيْفَ مَدَدْنٰهَا۔ ذِكْرٰى یہاں محلاً حالت نصب میں ہے۔ تَبْصِرَةً اور ذِكْرٰى، دونوں کو حال بھی مانا جا سکتا ہے اور اَنْبَتْنَا کا مفعول لَهٗ بھی۔ جَنّٰتٍ۔ حَبَّ اور اَلنَّخْلَ، یہ سب فَاَنْبَتْنَا کے مفعول ہیں جبکہ رِزْقًا حال ہے۔ اَحْيَيْنَا بِهٖ میں هٖ کی ضمیر مَاءً مُّبٰرَكًا کے لیے ہے۔

ترجمہ

قٓ ج مد	وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝١ ج	بَلْ عَجِبُوْٓا	اَنْ جَآءَهُمْ
۔	اس عظیم الشان قرآن کی قسم ہے (تم لوگ لازماً اٹھائے جاؤ گے)	بلکہ ان لوگوں نے حیرت کی	کہ آیا ان کے پاس

6744

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ	فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ	هٰذَا	شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ۲	ءَاِذَا مِتْنَا
ایک خبردار کرنے والا ان میں سے	پھر کہا انکار کرنے والوں نے	یہ (اٹھایا جانا)	عجیب سی چیز ہے	کیا جب ہم مردہ ہو جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا ۚ	ذٰلِكَ	رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۳	قَدْ عَلِمْنَا
اور ہم ہو جائیں گے مٹی (تب اٹھائیں جائیں گے)	یہ (اٹھایا جانا)	بہت دور والا لوٹنا ہے	ہم جان چکے ہیں

مَا تَنْقُصُ	الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ	وَعِنْدَنَا	كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۴	بَلْ كَذَّبُوْا
اس کو جو گھٹاتی ہے	زمین ان (کی لاش) میں سے	اور ہمارے پاس	محفوظ کرنے والی کتاب ہے	بلکہ انہوں نے جھٹلایا

بِالْحَقِّ	لَمَّا جَآءَهُمْ	فَهُمْ	فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۵	اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا
حق کو	جب وہ آیا ان کے پاس	نتیجتاً وہ لوگ	ایک الجھے ہوئے معاملہ میں ہیں	تو کیا انہوں نے دیکھا ہی نہیں

اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ	كَيْفَ بَنَيْنٰهَا	وَزَيَّنّٰهَا	وَمَا لَهَا	مِنْ فُرُوْجٍ ۶
آسمان کی طرف اپنے اوپر	کیسا ہم نے بنایا اس کو	اور سجایا اس کو	اور نہیں ہیں اس میں	کوئی بھی دراڑیں

وَالْاَرْضَ	مَدَدْنٰهَا	وَاَلْقَيْنَا	فِيْهَا رَوَاسِيَ	وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا
اور (کیا دیکھتے نہیں) زمین کو	(کیسا) ہم نے پھیلایا اس کو	اور ہم نے ڈالے	اس میں کچھ پہاڑ	اور ہم نے اُگائے اس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۷	تَبْصِرَةً	وَّذِكْرٰى	لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۸
ہر شاداب جوڑے میں سے	سمجھانے (دکھا کر سمجھانے) کے لیے	اور یاد دہانی کے لیے	ہر متوجہ رہنے والے بندے کے لیے

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً مُّبٰرَكًا	فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ	جَنّٰتٍ	وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۹
اور ہم نے اتارا آسمان سے	کچھ برکت دیا ہوا پانی	پھر ہم نے اگائے ان سے	کچھ باغات	اور کاٹے ہوئے (اناج) کے دانے

وَالنَّخْلَ	بٰسِقٰتٍ	لَّهَا طَلْعٌ	نَّضِيْدٌ ۱۰	رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ
اور کھجوریں	لمبے تنے والیاں	ان کے لیے کونپل ہے	تہہ بہ تہہ	زرق ہوتے ہوئے بندوں کے لیے

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ	بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ	كَذٰلِكَ	الْخُرُوْجُ ۱۱
اور ہم نے زندہ کیا اس (پانی) سے	ایک مردہ بستی کو	اسی طرح	(قبروں سے) نکلنا ہے

نوٹ: 1

کسی معتبر روایات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سورہ کس زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ مگر مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانۂ نزول مکہ معظّمہ کا دوسرا دور ہے۔ جو نبوت کے تیسرے سال سے شروع ہو کر پانچویں سال تک رہا جب کفار کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی مگر ابھی ظلم و ستم کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ پوری سورہ کا موضوع آخرت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو لوگوں کو سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو بالکل انہونی بات ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہمارا ذرہ ذرہ زمین میں منتشر ہو چکا ہو تو ان پراگندہ اجزاء کو ہزار ہا برس کے بعد پھر سے اکٹھا کر کے ہمارا یہی جسم از سر نو بنا دیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تقریر نازل ہوئی۔ (تفہیم القرآن)۔

مُردوں کے زندہ ہونے کا انکار کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزاء کی ہو جاتے ہیں۔ 6744
پھر پانی اور ہوا اس کے ذرات کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کے لیے ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جز فلاں کا ہے یہ فلاں کا اور پھر ہر ایک کے اجزاء کو الگ الگ جمع کر دینا کس کے بس کی بات ہے۔ قرآن نے اس کا جواب دیا کہ اللہ جانتا ہے کہ مردے کے کس کس حصے کو زمین نے کھا لیا ہے۔ پھر وہ مٹی دنیا جہاں کے جس جس گوشے میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔ وہ جب چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا۔ ذرا غور کرو کہ اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے، اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں۔ کوئی غذا کی صورت میں کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے۔ اس کے لیے کیا دشوار ہے کہ ان اجزاء کو دنیا میں پھر منتشر کرنے کے بعد ایک جگہ پھر جمع کر دے۔ مَا تَنْقُصُ الْاَرْض کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے منقول ہے۔ (معارف القرآن)۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی علم کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لیے ایک دفتر بھی قائم کر رکھا ہے جس میں یہ بھی درج ہے کہ کون شخص زمین کی کس پہنائی میں دفن ہے اور اس کے جسم کے اجزاء کہاں کہاں ہیں اور ہر شخص کے تمام اقوال و افعال بھی اس میں درج ہیں۔ یہ ریکارڈ محفوظ رکھنے کا معاملہ جاہلیت کے عربوں کے لیے تو اچنبھے کا ہو سکتا تھا لیکن اس زمانے میں سائنس نے جو انکشافات کیے ہیں ان کو جاننے کے بعد، اگر کوئی شخص قرآن کے اس دعوے میں شک کرے تو ایسے ہٹ دھرموں کو کوئی بڑی سے بڑی دلیل بھی قائل نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ اس وقت مانیں گے جب ان کے ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے پکڑا دیئے جائیں گے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (12 تا 19)

ل	ف	ظ

(ض) لَفْظًا منہ سے پھینکنا۔ منہ سے بامعنی آواز نکالنا۔ زیر مطالعہ آیت۔18۔

ح	ی	د

(ض) حَيْدًا کسی چیز سے ہٹنا۔ پہلو تہی کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔19

ترکیب (آیت۔17) يَتَلَقَّى مادہ ''ل ق ی'' سے باب تفعل کا مضارع ہے اور اس سے پہلے اِذْ آیا ہے۔ اس لیے قاعدے کے لحاظ سے اس کا ترجمہ ماضی میں ہونا چاہیے تھا۔ (دیکھیں آیت۔ ۲/ ۱۱، نوٹ۔ ۱) لیکن یہاں پر آفاقی صداقت کا بیان ہو رہا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ حال میں کیا جائے گا۔ قَعِيْدٌ کی رفع بتا رہی ہے کہ یہ حال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خبر ہے۔ اس کا مبتدا هُمَا محذوف ہے۔ هُمَا کی ضمیر اَلْمُتَلَقِّيْنِ کے لیے ہے اور چونکہ قَعِيْدٌ مذکر مؤنث، واحد جمع، سب کے لیے قَعِيْدٌ ہی آتا ہے۔ (دیکھیں آیت۔ ۲/ ۱۲۷، کی لغت میں مادہ ''ق ع د'' اس لیے قَعِيْدَانِ لانے کی ضرورت نہیں۔

ترجمہ 6744

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ	قَوْمُ نُوْحٍ	وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ	وَ ثَمُوْدُ ۙ﴿۱۲﴾	وَعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ
جھٹلایا ان لوگوں سے پہلے	نوحؑ کی قوم نے	اور کنویں والوں نے	اور ثمود نے	اور عاد نے اور فرعون نے

وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ﴿۱۳﴾	وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ	وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ	كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ
اور لوطؑ کے بھائیوں (قوم) نے	اور گھنے درخت والوں نے	اور تبع کی قوم نے	سب نے جھٹلایا رسولوں کو

فَحَقَّ	وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾	اَفَعَیِیْنَا	بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ	بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ
تو سچ ہوئی	میری دھمکی	تو کیا ہم تھک گئے	پہلی بار پیدا کرنے سے	بلکہ یہ لوگ ایک شبہہ میں ہیں

مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ ع	وَ لَقَدْ خَلَقْنَا	الْاِنْسَانَ	وَنَعْلَمُ	مَا	تُوَسْوِسُ
نئے (دوبارہ) پیدا کرنے سے	اور یقیناً ہم نے (ہی) پیدا کیا ہے	انسان کو	اور ہم جانتے ہیں	اس (تک) کو جو	وسوسہ ڈالتا ہے

بِهٖ	نَفْسُهٗ ۚۖ	وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ	مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾	اِذْ یَتَلَقَّی
اس (کے ذہن) میں	اس کا نفس	اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے	بہ نسبت (اس کی) شہ رگ کے	جب لے لیتے ہیں

الْمُتَلَقِّیٰنِ	عَنِ الْیَمِیْنِ	وَعَنِ الشِّمَالِ	قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾	مَا یَلْفِظُ
دو لینے والے	دائیں طرف سے	اور بائیں طرف سے	(وہ دونوں) ہمیشہ نگران ہیں	وہ (انسان) منہ سے نہیں نکالتا

مِنْ قَوْلٍ	اِلَّا لَدَیْهِ	رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾	وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ	بِالْحَقِّ ؕ
کوئی بھی بات	مگر (یہ کہ) اس کے پاس	ایک چوکس نگران ہوتا ہے	اور آئی موت کی مدہوشی	حق کے ساتھ

ذٰلِكَ مَا	كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾
یہ وہ ہے	تو جس سے کنّی کتراتا تھا

نوٹ: 1 پورے قرآن مجید میں اصحاب الرَّس کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک اس سے پہلے سورۂ فرقان کی آیت۔38 میں اور دوسرے اب زیر مطالعہ آیت۔12 میں۔ مگر دونوں جگہ انبیاء کو جھٹلانے والی قوموں کے سلسلے میں صرف ان کا نام ہی لیا گیا ہے۔ ان کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی اور نہ کوئی قابل اعتماد تفصیل کسی روایت میں ملتی ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح ان کی طرف محض ایک اشارہ کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں اہل عرب بالعموم اس قوم اور اس کے قصے (کرتوتوں) سے واقف تھے لیکن بعد میں ان کے متعلق روایات تاریخ میں محفوظ نہ رہ سکیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2 (آیات۔12۔14) میں آخرت کے حق میں تاریخی استدلال ہے۔ ان آیات میں عرب اور اس کے گرد و پیش کی قوموں کے انجام کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ آخرت کا جو عقیدہ تمام انبیاء پیش کرتے رہے ہیں، وہی حقیقت کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس کا انکار جس قوم نے بھی کیا، وہ اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود، شدید اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو کر رہی اور آخر کار خدا کے عذاب نے اس کے وجود سے دنیا کو پاک کیا۔ کسی کام سے اگر پے در پے غلط نتائج برآمد ہوتے چلے جائیں تو یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ وہ کام حقیقت سے متصادم ہو رہا ہے۔

(آیت۔15) میں آخرت کے حق میں عقلی استدلال ہے۔ جو شخص خدا کا منکر نہ ہو اور حماقت کی اس حد تک نہ پہنچ گیا ہو کہ اس عظیم کائنات اور اس کے اندر انسان کی پیدائش کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے لگے، اس کے لیے یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ خدا ہی نے اس پوری کائنات کو اور ہمیں پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے بعد وہی خدا ایک دوسرا نظام عالم نہ بنا سکے گا اور موت کے بعد ہمیں پیدا نہ کر سکے گا، تو وہ محض ایک خلاف عقل بات کہتا ہے۔ اس بات کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو توڑ کر اسے پھر سے دوبارہ بنا دینے سے وہ عاجز ہو جائے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

قیامت کے باب میں نادانوں کو جہاں یہ شبہہ لاحق ہوتا ہے کہ انسان مرکر زمین میں رل مل جانے کے بعد اس کے تمام اجزاءِ جسم کو فراہم کرنا اور اس کو از سرِ نو زندہ کر کے کھڑا کر دینا کس کے بس میں ہے، وہیں بہتوں کو یہ شبہ بھی لاحق ہوتا ہے کہ ایک ایک شخص کے خلوت وجلوت کے تمام اقوال وافعال کا ریکارڈ کون رکھ سکتا ہے۔ یہ دونوں شبہات بالکل توام (جڑواں) ہیں اس وجہ سے اوپر آیت۔4۔ میں ان دونوں کا جواب اجمالی طور پر دیا ہے پھر تفصیل کے ساتھ پہلے شبہے کی تردید فرمائی ہے۔ اور اب آیات۔16 تا18۔ میں دوسرے شبہے کا جواب دیا ہے۔ فرمایا کہ انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے اور اس کے اقوال وافعال تو درکنار، اس کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو بھی ہم جانتے ہیں پھر فرمایا کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اگر وہ ہم کو دیکھ نہیں رہا ہے تو ہم اس سے دور ہیں۔ ہم ہر شخص کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں، یعنی ہمارا علم اور ہماری قدرت ہر شخص کا پہلو سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کا ظاہر و باطن ہر لحہ ہماری نگاہوں میں ہے۔ پھر اپنے ذاتی علم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اقوال وافعال کو ریکارڈ کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر شخص پر دو۔ دو فرشتے مامور کر رکھے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی عدالت میں کسی شخص کو محض اپنے ذاتی علم کی بنا پر سزا نہ دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کر کے اس کو سزا دے گا۔ اس لیے دنیا میں ہر شخص کے اقوال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار کرایا جا رہا ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (20 تا29)

ترکیب

(آیت۔24) یہاں اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ کیوں آیا ہے۔ گرامر والوں (نحویوں) کا کہنا ہے کہ یہ عربوں کے رواج کے مطابق ہے۔ اونٹ کے بڑے ریوڑ کو چرانے کے لیے عموماً تین آدمی جاتے تھے۔ ان میں سے کسی کو جب اپنے کسی ساتھی کو بلانا ہوتا تھا تو عموماً وہ تثنیہ کے صیغے میں پکارتا تھا کہ دونوں میں سے کوئی بھی سن لے۔ اس طرح ان کی یہ عادت ہوگئی کہ کسی ایک کو مخاطب کرنے کے لیے وہ تثنیہ کا صیغہ استعمال کر لیتے تھے۔ ایک کو دو کے صیغے میں پکارنا عربوں کا محاورہ ہے (حافظ احمد یار صاحب کے کیسٹ سے ماموخوذ ہے)۔ اس لحاظ سے یہاں تثنیہ اَلْقِیَا واحد کے مفہوم ہے یعنی تو ڈال دے۔

عام طور پر مفسرین نے اس کا مخاطب انہی دو فرشتوں کو قرار دیا ہے جن کا ذکر آیت۔21۔ میں سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ کہ الفاظ سے گزر چکا ہے۔ ان دونوں کو یہ حکم دینے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہی اس کو جہنم میں ڈالیں بھی۔ یہ محض حکم کا بیان ہے۔ اس کی تعمیل میں وہ مجرم کو جہنم میں جھونکنے والے فرشتوں کے حوالے کر دیں گے۔ البتہ اس سے متعلق زمخشریؒ نے عربی کے ایک مشہور ادیب کا قول نقل کیا ہے کہ فصیح عربی بولنے والے تثنیہ کا صیغہ بعض اوقات تکرارِ فعل کے مفہوم کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح اَلْقِیَا کا مفہوم اس آیت میں ان کے نزدیک ''ڈال دو۔ ڈال دو'' ہوگا۔ اس سے مقصود اظہار غضب اور تاکیدِ حکم ہے۔ (تدبر قرآن)۔ اردو میں تکرار فعل کا رواج زیادہ

ہے۔جیسے ہم لوگ کہتے ہیں اٹھو اٹھو۔چلو چلو۔کھاؤ کھاؤ وغیرہ ترجمہ میں ہم جمہور مفسرین کی رائے کو اختیار کریں گے۔دوسری آراء اس لیے لکھ دیتے ہیں کہ کسی طالبعلم کی نظر سے اگر کوئی مختلف ترجمہ گزرے تو اس کا ذہن پریشان نہ ہو۔عربی اسالیب کے مطابق تینوں طرح کے ترجمے درست مانے جائیں گے۔قَالَ قَرِيْنُهٗ یہاں دومرتبہ آیا ہے۔پہلے آیت۔23۔میں اس کے بعد آیت۔27۔میں۔اکثر مفسرین نے پہلے قَرِيْنٌ سے مراد یہ لیا ہے کہ یہ بات کہنے والا ان دو میں سے کوئی ایک فرشتہ ہوگا جو دنیا میں اس کے اعمال ریکارڈ کرتے تھے۔جبکہ دوسرے قَرِيْنٌ سے مراد وہ شیطان ہے جو دنیا میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ان آیات میں چونکہ قیامت کے واقعات کا ذکر ہے اس لیے ماضی کے صیغوں کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔(دیکھیں آیت۔2/27،نوٹ۔3)

ترجمہ

وَنُفِخَ	فِي الصُّوْرِ ؕ	ذٰلِكَ	يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾	وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ
اور پھونکا جائے گا	صور میں	(پھر کہا جائے گا) یہ ہے	وعدۂ (عذاب) کا دن	اور آئے گی ہر جان

مَّعَهَا	سَآئِقٌ	وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾	لَقَدْ كُنْتَ	فِيْ غَفْلَةٍ	مِّنْ هٰذَا
اس کے ساتھ	ایک ہانکنے والا	اور ایک گواہ ہوگا	یقیناً تو رہ چکا ہے	غفلت میں	اس (دن) سے

فَكَشَفْنَا	عَنْكَ غِطَآءَكَ	فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ	حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾	وَقَالَ قَرِيْنُهٗ
تو ہم نے کھول دیا	تجھ سے تیرا پردہ	نتیجتاً تیری بصارت آج کے دن	تیز (Sharp) ہے	اور کہے گا اس کا ہمنشین (فرشتہ)

هٰذَا مَا	لَدَيَّ	عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾	اَلْقِيَا	فِيْ جَهَنَّمَ	كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾
یہ وہ ہے جو	میرے پاس تھا	تیار (حاضر) ہے	تم دونوں ڈال دو	جہنم میں	ہر ناشکرے مخالف کو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ	مُعْتَدٍ	مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾	الَّذِيْ جَعَلَ
(ہر ایک) بھلائی سے منع کرنے والے کو	(ہر) حد سے بڑھنے والے کو	(ہر) شبہ ڈالنے والے کو	جس نے بنایا

مَعَ اللّٰهِ	اِلٰهًا اٰخَرَ	فَاَلْقِيٰهُ	فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾	قَالَ قَرِيْنُهٗ
اللہ کے ساتھ	کوئی دوسرا الٰہ	تو تم دونوں ڈال دو اس کو	شدید عذاب میں	کہے گا اس کا ہمنشین (شیطان)

رَبَّنَا	مَآ اَطْغَيْتُهٗ	وَلٰكِنْ كَانَ	فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾
اے ہمارے رب	سرکشی پر میں نے نہیں اکسایا اس کو	اور لیکن وہ تھا	ایک دوری والی گمراہی میں

قَالَ	لَا تَخْتَصِمُوْا	لَدَيَّ	وَ	قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ
وہ (اللہ) کہے گا	تم لوگ جھگڑا مت کرو	میرے پاس	درآں حالیکہ	میں آگے بھیج چکا تم لوگوں کی طرف

بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾	مَا يُبَدَّلُ	الْقَوْلُ	لَدَيَّ	وَمَآ اَنَا	بِظَلَّامٍ	لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع
وعدۂ (عذاب) کو	تبدیل نہیں کیا جاتا	بات کو	میرے پاس	اور میں نہیں ہوں	ذرا بھی ظلم کرنے والا	بندوں پر

نوٹ:1 (آیت۔22) کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خواب کی سی ہے اور آخرت کی مثال بیداری کی سی ہے۔جیسے خواب میں آدمی کی آنکھیں بند

ہوتی ہیں اور وہ حقائق کو نہیں دیکھ پاتا، اسی طرح انسان ان حقائق کو جن کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے۔، ان کو وہ اس دنیا میں آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ مگر یہ ظاہری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ خواب کا عالم ختم ہوجاتا ہے اور بیداری کا عالم شروع ہوتا ہے جس میں وہ سارے حقائق سامنے آجاتے ہیں جن کا علم انسان کو علم وحی کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی میں سب انسان سورہے ہیں، جب مریں گے اس وقت جاگیں گے (معارف القرآن)۔ علم وحی کی بنیاد پر آخرت کے اَن دیکھے حقائق کا یقین کرنا علم الیقین کا مرحلہ ہے اور یہی باعثِ نجات ہے۔ مرنے کے بعد عین الیقین کے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے لیکن یہ مفید نہیں ہے۔ اسی لیے عالم نزع طاری ہوجانے کے بعد کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر جب انسانوں کو جنت یا دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تو حق الیقین کے مرحلے کا آغاز ہوگا جو دائمی ہے جبکہ علم الیقین اور عین الیقین کے مرحلے عبوری (Transitionary) ہیں۔

نوٹ:2

آیات 24 تا 26 میں اللہ تعالیٰ نے وہ صفات گن گن کر بتادی ہیں جو انسان کو جہنم کا مستحق بنانے والی ہیں۔ (۱) انکار حق اور خدا کی ناشکری (کَفَّار)۔ (۲) حق اور اہل حق سے عناد (عَنِیْد)۔ (۳) بھلائی کے راستے میں سَدِّ راہ بننا اور اپنے مال سے خدا اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنا (مَنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ)۔ (۴) اپنے معاملات میں حدود سے تجاوز کرنا اور لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنا۔ (مُعْتَدٍ)۔ (۵) دین کی صداقتوں پر شک کرنا اور دوسروں کے دلوں میں شکوک ڈالنا (مُرِیْب)۔ (۶) اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو خدائی میں شریک ٹھہرانا۔ (تفہیم القرآن)۔

(آیت۔28) میں قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے متنبہ کردیا تھا کہ جو بہکائے گا وہ بھی سزا پائے گا اور جو بہکے گا اسے بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری اس تنبیہ کے باوجود جب تم دونوں اپنے اپنے حصے کا جرم کرنے سے باز نہ آئے تو اب جھگڑا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ بہکنے والے کو بہکنے کی اور بہکانے والے کو بہکانے کی سزا تو اب لازماً ملنی ہی ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (30 تا 37)

ترجمہ

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ	هَلِ امْتَلَاْتِ	وَتَقُوْلُ	هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾	وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ
جس دن ہم کہیں گے جہنم سے	کیا تو بھر گئی	اور وہ کہے گی	کیا کچھ مزید ہے	اور نزدیک کی جائے گی جنت

لِلْمُتَّقِیْنَ	غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿۳۱﴾	هٰذَا مَا	تُوْعَدُوْنَ
متقی لوگوں کے لیے	دور ہوئے بغیر	یہ وہ ہے جو	تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا تھا

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿۳۲﴾	مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ	بِالْغَیْبِ	وَجَآءَ
(یہ) ہر بار بار رجوع کرنے والے ہمیشہ حفاظت کرنے والے کے لیے ہے	جو ڈر ارحمٰن سے	بن دیکھے	اور وہ آیا

بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾	اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ	ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾	لَهُمْ مَّا
ایک متوجہ ہونے والے دل کے ساتھ	تم لوگ داخل ہوجاؤ اس میں سلامتی کے ساتھ	یہ ہمیشہ ایک حالت میں رہنے کا دن ہے	ان کے لیے ہوگا وہ جو

يَشَآءُوْنَ	فِيْهَا	وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾	وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ	6744 مِّنْ قَرْنٍ
وہ لوگ چاہیں گے	اس (جنت) میں	اور ہمارے پاس مزید ہے	اور کتنی ہی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے	قومیں

هُمْ	اَشَدُّ مِنْهُمْ	بَطْشًا	فَنَقَّبُوْا	فِي الْبِلَادِ ؕ	هَلْ
وہ لوگ	ان سے زیادہ سخت تھے	بلحاظ گرفت کرنے کے	تو انہوں نے بھاگ دوڑ کی	شہروں میں	(کہ) کیا

مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	لَذِكْرٰى	لِمَنْ	كَانَ لَهٗ	قَلْبٌ
کوئی بھی بچنے کی جگہ ہے	بیشک اس میں	یقیناً بڑی نصیحت ہے	اس کے لیے	جس کے لیے ہو	ایک دل (تفقہہ والا)

اَوْ اَلْقَى	السَّمْعَ	وَهُوَ	شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾
یا وہ ڈالے (دھرے)	کان (بات پر)	اس حال میں کہ وہ	معائنہ کرنے والا ہو

نوٹ: 1

اوّاب کے معنی رجوع ہونے والے کے ہیں، مراد وہ شخص ہے جو معاصی (گناہوں) سے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ حضرت عبید بن عمیرؓ نے فرمایا کہ اوّاب وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھے تو اللہ اس کے وہ سب گناہ معاف فرمادیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے۔ دعا یہ ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اور حَفِيْظ کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے هُوَ الْحَافِظُ لِاَمْرِ اللّٰهِ کے منقول ہیں یعنی جو شخص اللہ کے احکام کو یاد رکھے (معارف القرآن)۔ منیب کے معنی ایک طرف رخ کرنے اور بار بار اسی طرف پلٹنے کے ہیں۔ جیسے قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب ہی کی طرف رخ کیے رہتی ہے۔ خواہ آپ اسے کتنا ہی ہلائیں جلائیں وہ گھوم پھر کر پھر قطب کی سمت میں آجاتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ اس طرح قلب منیب سے مراد وہ دل ہے جو رنج و راحت اور امید و بیم، ہر حال میں اپنے رب ہی کی طرف متوجہ رہا۔ کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑ کر کسی اور سے اس نے لَو نہیں لگائی۔ (تدبر قرآن)۔

آیات۔ 31۔ 33 میں اللہ تعالیٰ نے وہ صفات بتادی ہیں جن کی بنا پر کوئی شخص جنت کا مستحق ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) تقویٰ (۲) رجوع الی اللہ۔ (۳) اللہ سے اپنے تعلق کی حفاظت (۴) اللہ کو دیکھے بغیر اور اس کی رحیمی پر یقین رکھنے کے باوجود اس سے ڈرنا۔ اور (۵) قلب منیب لیے ہوئے اللہ کے ہاں پہنچنا۔

نوٹ: 2

(آیت۔ 36) میں قریش کو وارننگ ہے کہ وہ اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ان کو بڑی قوت و شوکت حاصل ہے اور وہ اپنی جگہ سے ہلائے نہیں جا سکتے۔ ان سے پہلے کتنی ہی قومیں گزری ہیں جو قوت و عظمت میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے اگر کچھ ہلاک ہونے سے بچ بھی رہے تو وہ مختلف ملکوں میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب کسی قوم پر تباہی آتی ہے تو اس کا حال یہی ہوتا ہے۔ قوم کے کارفرما عناصر، جو سارے فساد کے ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ عوام میں سے جو بچ رہتے ہیں وہ قومی جمعیت کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد پراگندہ ہو کر اس طرف کا رخ کر لیتا ہے۔ جہاں اس کو پناہ ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ قرآن میں جن قوموں کے حالات بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض تو پوری کی پوری تباہ ہو گئیں۔ جیسے قومِ نوحؑ، عاد اور ثمود وغیرہ۔ جبکہ بعض قوموں کا حال یہ ہوا کہ ان کے کارفرما عناصر تو تباہ ہو گئے اور ان کے عوام ادھر ادھر پراگندہ ہو گئے۔

فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کی صورت یہی تھی۔ اس سے ملتے جلتے حالات ملکِ سبا میں پیش آئے۔ بے شمار افراد تو سیلاب کی نذر ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ مجبور ہوئے کہ پناہ کی تلاش میں دوسرے علاقوں کا رخ کریں۔ یہود پر جو تباہیاں آئیں ان کی نوعیت بھی یہی تھی۔ جو قتل سے بچے وہ دنیا کے کونے کونے میں آوارہ ہو کر پھرے۔ خود ہماری تاریخ میں بھی اس کی نہایت عبرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔ بغداد پر، قرطبہ پر، دلی پر جو تباہیاں آئیں ان کے احوال تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان کو پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ اس آیت میں صرف قریش ہی کو تنبیہ نہیں ہے بلکہ خود ہمارے لیے بھی اس میں بڑا درس ہے۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (38 تا 45)

ترکیب

(آیت۔40) اَدْبَارَ یہاں ظرف زمان کے طور پر آیا ہے۔ اس لیے حالت نصب میں ہیں۔ سَجَدَ۔ یَسْجُدُ کا مصدر بھی سُجُوْدٌ آتا ہے، جبکہ سجدہ کی جمع بھی سُجُوْدٌ آتی ہے۔ اس لیے دونوں طرح کے ترجمے درست مانے جائیں گے۔ (آیت۔41) یُنَادِ دراصل باب مفاعلہ کا مضارع یُنَادِیْ ہے۔ یہاں اس کی یا گری ہوئی ہے۔ اس کا اسم الفاعل مُنَادٍ یہاں اس کے فاعل کے طور پر آیا ہے۔ اس پر لام تعریف داخل ہوا تو تنوین ختم ہو گئیں۔ (آیت۔44) تَشَقَّقُ دراصل باب تفعل کے مضارع میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ تَتَشَقَّقُ ہے جس کی ایک تا گری ہوئی ہے اور اَلْاَرْضُ اس کا فاعل ہے۔

ترجمہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	وَمَا بَيْنَهُمَا	فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ
اور یقیناً ہم نے پیدا کیا ہے	آسمانوں کو اور زمین کو	اور اس کو جو ان دونوں کے درمیان ہے	چھ دنوں میں

وَّمَا مَسَّنَا	مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾	فَاصْبِرْ عَلٰى مَا	يَقُوْلُوْنَ	وَسَبِّحْ
اور ہم کو نہیں چھوا	ذرا سی بھی تھکان نے	تو آپ صبر کریں اس پر جو	یہ لوگ کہتے ہیں	اور آپ تسبیح کریں

بِحَمْدِ رَبِّكَ	قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ	وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾	وَمِنَ الَّيْلِ
اپنے رب کی حمد کے ساتھ	سورج کے طلوع ہونے کے پہلے	اور (اس کے) غروب کے پہلے	اور رات میں سے

فَسَبِّحْهُ	وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾	وَاسْتَمِعْ	يَوْمَ	يُنَادِ الْمُنَادِ
پھر آپ تسبیح کریں اس کی	اور سجدوں کے پیچھے (بعد بھی)	اور دھیان سے سنو	(اس دن کی بات) جس دن	پکارے گا پکارنے والا

مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾	يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ	الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ	ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾
ایک قریب والی جگہ سے	جس دن وہ لوگ سنیں گے	چنگھاڑ کو حق کے ساتھ	یہ نکلنے کا دن ہو گا

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ	وَنُمِيْتُ	وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾	يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ
بیشک ہم ہی زندگی دیتے ہیں	اور ہم (ہی) موت دیتے ہیں	اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے	جس دن پھٹ پڑے گی زمین

عَنْهُمْ	سِرَاعًا ؕ	ذٰلِكَ حَشْرٌ	عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾
لوگوں (کے اوپر) سے	تو لوگ نکلیں گے) باہم سبقت کرتے ہوئے	یہ ایک ایسا اکٹھا کرنا ہے جو	ہم پر آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ	بِمَا	يَقُوْلُوْنَ	وَمَآ اَنْتَ
ہم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں	اس (بکواس) کو جو	یہ لوگ (قیامت کے بارے میں) کہتے ہیں	اور آپ نہیں ہیں (بات منوانے کے لیے)

عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ	فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ	مَنْ يَّخَافُ	وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾
ان پر جبر کرنے والے	تو آپؐ یاددہانی کراتے رہیں قرآن کے ذریعہ	اس کو جو ڈرتا ہے	میری دھمکی سے

نوٹ:1

(آیت۔38) میں یہود و نصاریٰ پر ایک لطیف طنز ہے جن کی بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اگرچہ اب مسیحی پادری اس بات سے شرمانے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمہ میں ''آرام کیا'' کو ''فارغ ہوا'' سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمس کی مستند انگریزی بائبل میں And he rested on the seventh day کے الفاظ صاف موجود ہیں اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۴ء میں یہودیوں نے فلڈلفیا سے شائع کیا۔ عربی ترجمہ میں بھی فَاَسْتَرَاحَ (پھر اس نے استراحت کی) کے الفاظ ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

آیات 39۔40 میں وہ ذریعہ بتایا گیا ہے جس سے آدمی کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں اسے خواہ کیسے ہی دل شکن اور روح فرسا حالات سے سابقہ پیش آئے، اس کی کوشش کا کوئی نتیجہ نکلتا بھی نظر نہ آئے، پھر بھی وہ پورے عزم کے ساتھ زندگی بھر کلمۂ حق بلند کرنے اور دنیا کو خیر کی طرف بلانے کی جدوجہد جاری رکھے۔ رب کی حمد اور اس کی تسبیح سے مراد یہاں نماز ہے۔ جس مقام پر بھی قرآن میں حمد و تسبیح کو خاص اوقات کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، وہاں اس سے مراد نماز ہی ہوتی ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی نماز ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے دو نمازیں ظہر اور عصر ہیں۔ ''رات میں سے'' یعنی رات کے کچھ اوقات میں مغرب اور عشا ہیں اور تہجد بھی رات کی تسبیح میں شامل ہے۔ رہی وہ تسبیح جو مسجدوں سے فارغ ہونے کے بعد کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، تو اس سے مراد ذکر بعد الصلوٰۃ بھی ہوسکتا ہے اور فرض کے بعد نوافل ادا کرنا بھی۔

جو اصحاب قرآن مجید کی اس ہدایت پر عمل کرنا چاہیں وہ مشکوٰۃ شریف میں باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں سے کوئی ذکر یاد کرلیں اور پھر اس کا التزام کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ذکر سے بہتر اور کون سا ذکر ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خیال رکھیں کہ ذکر سے مقصود چند مخصوص الفاظ کو زبان سے گزار دینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود اُن معانی کو ذہن میں تازہ اور مستحکم کرنا ہے جو ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے جو بھی ذکر کیا جائے اس کے معنی اچھی طرح یاد کرلینے چاہئیں اور پھر معنی کے استحضار کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ:3

کوئی شخص جب کوئی بات کرتا ہے یا کسی مجلس میں کچھ لوگ آپس میں جو بات کرتے ہیں، تو جو شخص وہاں موجود نہیں ہوتا، اسے جب اس کی اطلاع دی جاتی ہے تو اسے بات کا خلاصہ بتا دیا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ فلاں نے کیا کہا ہے یا فلاں مجلس میں کیا بات ہوئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بات کے ایک ایک لفظ کے ساتھ آواز کا زیر و بم، چہرے کا اتار چڑھاؤ، اعضاء و جوارح کی جنبشیں (Body Language) دل میں چھپے ہوئے جذبات، نیت وغیرہ یہ سب چیزیں اس کے علم میں ہوتی ہیں۔ اس لیے آیت۔45 میں فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ (ہم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6744

سورۃ الذریات (51)

آیت نمبر (1 تا 23)

ج ب ك

(ن) حَبۡكًا مضبوط کرنا۔ جولاہے کا کپڑے کو عمدہ بننا۔

حَبِيۡكٌ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اسم المفعول کے معنی میں۔ مضبوط کیا ہوا۔ بنا ہوا۔

حَبِيۡكَةٌ ج حُبُكٌ۔ حَبِيۡكٌ کا مؤنث ہے۔ ریت کے ٹیلے کا راستہ۔ ستاروں کے درمیان کا راستہ۔ زیر مطالعہ آیت۔ 7۔

س ھ و

(ن) سَهۡوًا دل کا دوسری طرف پھر جانا۔ غافل ہونا۔ بھولنا۔ چوک جانا۔

سَاهٍ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بھولنے والا۔ غافل۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11۔

ھ ج ع

(ف) هُجُوۡعًا رات کو سونا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 17

ترکیب

(آیات۔ 1 تا 4)۔ اَلۡحٰمِلٰتِ۔ اَلۡجٰرِيٰتِ اور اَلۡمُقَسِّمٰتِ، یہ سب واو قسمیہ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہیں۔ اَلۡجٰرِيٰتِ اسم الفاعل جَارٍ کی مؤنث جَارِيَةٌ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں جاری ہونے والیاں۔ پھر یہ کشتی کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں پر اس کا ترجمہ اگر ''کشتیاں'' کیا جائے تو يُسۡرًا بے معنی ہو جائے گا۔ اس لیے یہاں اس کا لغوی ترجمہ کرنا بہتر ہے۔ (آیت۔ 9) عَنۡهُ میں هُ کی ضمیر قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس کے لیے ہوتی تو يُؤۡفَكُ بِهٖ آتا۔ ضمیر کے ساتھ عَنۡ کا صلہ بتا رہا ہے کہ یہ ضمیر اس کے لیے ہے جس کے بارے میں قول یعنی رائے مختلف ہے، اور وہ اَلۡمُرۡسَلُوۡنَ ہے۔ (آیت۔ 10) قُتِلَ یہاں خبر یہ نہیں بلکہ دعائیہ ہے۔ یہ ہم بتا چکے ہیں کہ دعا کی بعض صورتوں میں عربی میں فعل امر کے بجائے ماضی یا مضارع استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیں آیت۔ 2/ البقرۃ: 72، نوٹ: 2)۔ (آیت۔ 17) اس آیت کی مختلف ترکیبیں کی گئی ہیں۔ سادہ اور عام فہم ترکیب یہ ہے کہ كَانُوۡا يَهۡجَعُوۡنَ کو ماضی استمراری مانا جائے۔ ایسی صورت میں مَا زائدہ ہوگا اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

ترجمہ

وَالذّٰرِيٰتِ	ذَرۡوًا ۙ﴿۱﴾	فَالۡحٰمِلٰتِ	وِقۡرًا ۙ﴿۲﴾
قسم ہے دھواں اڑانے والیوں (ہواؤں) کی	جیسا اڑانے کا حق ہے	پھر اٹھانے والیوں کی	بوجھ (بادل) کو

فَالۡجٰرِيٰتِ	يُسۡرًا ۙ﴿۳﴾	فَالۡمُقَسِّمٰتِ	اَمۡرًا ۙ﴿۴﴾	اِنَّمَا	تُوۡعَدُوۡنَ
پھر چلنے والیوں کی	نرمی ہوتے ہوئے	پھر تقسیم کرنے والیوں کی	ایک حکم کو	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	تم لوگوں سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَصَادِقٌ ۝۵	وَّ اِنَّ الدِّيْنَ	لَوَاقِعٌ ۝۶	وَالسَّمَآءِ	ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷
(وہ) یقیناً سچ ہونے والا ہے	اور بیشک بدلہ	یقیناً واقع ہونے والا ہے	قسم ہے آسمان کی	جو راستوں والا ہے

6744

اِنَّكُمْ	لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸	يُّؤْفَكُ	عَنْهُ	مَنْ	اُفِكَ ۝۹
یقیناً تم لوگ	لازماً ایک اختلاف کرنے والی بات میں ہو	پھیرا جاتا ہے	اس (دی) سے	اس کو جو	ضعیف العقل ہوا

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰	الَّذِيْنَ هُمْ	فِيْ غَمْرَةٍ	سَاهُوْنَ ۝۱۱
مارے جائیں جھوٹ اڑانے والے	وہ لوگ کہ وہی	مدہوشی میں	غافل ہونے والے ہیں

يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ	يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲	يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ	يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳	ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ
پوچھتے ہیں کب ہے	بدلے کا دن	جس دن وہ لوگ آگ پر	عذاب دیئے جائیں گے	تم لوگ چکھو اپنے عذاب کو

هٰذَا الَّذِيْ	كُنْتُمْ بِهٖ	تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴	اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۱۵
یہ وہ ہے	تم لوگ جس کی	جلدی مچاتے تھے	یقیناً پرہیز گار لوگ	باغوں اور چشموں میں ہوں گے

اٰخِذِيْنَ	مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ	اِنَّهُمْ كَانُوْا	قَبْلَ ذٰلِكَ	مُحْسِنِيْنَ ۝۱۶
لینے والے ہوتے ہوئے	اس کو جو دے گا ان کو ان کا رب	بیشک یہ لوگ تھے	اس سے پہلے	حسن دینے والے (نیکی کو)

كَانُوْا	قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا	يَهْجَعُوْنَ ۝۱۷	وَبِالْاَسْحَارِ	هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۱۸
یہ لوگ	رات میں سے تھوڑا سا	سویا کرتے تھے	اور صبح کے تڑکوں میں	وہ لوگ مغفرت مانگتے تھے

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ	حَقٌّ	لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹	وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ
اور ان کے مالوں میں	حق ہوتا تھا	مانگنے والوں کے لیے اور محروم لوگوں کے لیے	اور زمین میں نشانیاں ہیں

لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝۲۰	وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱	وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ	وَمَا
یقین کرنے والوں کے لیے	اور تمہاری جانوں میں بھی	تو کیا تم لوگوں کو سجھائی نہیں دیتا	اور آسمانوں میں تمہارا رزق ہے	اور وہ (بھی) ہے جس کا

تُوْعَدُوْنَ ۝۲۲	فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ	اِنَّهٗ لَحَقٌّ	مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ	تَنْطِقُوْنَ ۝۲۳ ع
تم سے وعدہ کیا جاتا ہے	تو زمین و آسمان کے رب کی قسم ہے	کہ یہ (دین) لازماً حق ہے	اس کے مانند جیسے کہ تم لوگ	بولتے ہو

نوٹ: 1

پچھلی سورۂ (ق) میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کے اس دعوے کو بعید از امکان قرار دیتے تھے کہ لوگ مرنے کے بعد از سر نو زندہ کر کے اٹھائیں جائیں گے۔ اس سورہ میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر قرآن کے عذاب کے وعدے (دھمکی) کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور جزاء وسزا (بدلہ) کو بھی۔ استدلال کی بنیاد آفاق وانفس کے دلائل پر ہے۔ (تدبر قرآن)

یہاں جن مظاہرِ کائنات کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ غبار اڑانے والی یعنی تیز وتند ہوائیں جب چلتی ہیں تو بادلوں کو لے کر چلتی ہیں۔ پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، جہاں جتنا حکم ہوتا ہے، پانی تقسیم کرتی ہیں۔ قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ عذاب کا وعدہ اور جزاء وسزا یقینی ہے۔ اس قسم کا مطلب یہ ہے کہ جس نظم اور باقاعدگی کے ساتھ بارش کا یہ نظام تمہاری آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ دنیا کوئی بے مقصد اور بے معنی گھروندا نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکیمانہ نظام ہے جس میں ہر

کام کسی مقصد اور کسی مصلحت کے لیے ہو رہا ہے۔ اس نظام میں یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ انسان جیسی باشعور اور تمیز و تصرف کے اختیار والی مخلوق کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اور اس سے کبھی کوئی باز پرس نہ ہو۔ 6744

جزاء و سزا کے تصور میں جس طرح بعث بعد الموت کا تصور از خود شامل ہے، اسی طرح جزاء و سزا کی دلیل کے طور پر جس نظام کائنات کو بطور گواہ پیش کیا گیا ہے اسی طرح بعث بعد الموت کی دلیل بھی اس نظام میں از خود شامل ہے۔

سورج کی شعاعیں روئے زمین کے ان تمام ذخائر آب پر اثر انداز ہوتی ہیں جن تک ان کی حرارت پہنچتی ہے۔ اس عمل سے پانی کے بے حد و حساب قطرے اڑ جاتے ہیں اور اپنے مخزن میں باقی نہیں رہتے۔ مگر وہ فنا نہیں ہو جاتے بلکہ بھاپ بن کر ایک ایک قطرہ ہوا میں محفوظ رہتا ہے۔ پھر جب خدا کا حکم ہوتا ہے تو یہی ہوا اُن قطروں کی بھاپ کو سمیٹ لاتی ہے، اُس کو کثیف بادلوں کی شکل میں جمع کرتی ہے، ان بادلوں کو لے کر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل جاتی ہے اور خدا کی طرف سے جو وقت مقرر ہے ٹھیک اسی وقت ایک ایک قطرے کو اُسی شکل میں جس میں وہ پہلے تھا زمین پر واپس پہنچا دیتی ہے۔ یہ منظر جو آئے دن انسان کی آنکھوں کے سامنے گزر رہا ہے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ مرے ہوئے انسان کے اجزاء جسم اللہ تعالیٰ کے ایک اشارے پر جمع ہو سکتے ہیں اور انسان کو اسی شکل میں پھر اٹھا کر کھڑا کیا جا سکتا ہے جس میں وہ پہلے تھا۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ مفعول کے ساتھ مَا کا استعمال اسے غیر معین کرتا ہے۔ جیسے مَثَلًا مَا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔ (دیکھیں آیت۔2/26، نوٹ۔1) اسی طرح تمیز کے ساتھ بھی مَا کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قَلِيْلًا مَّا کا مطلب ہے بہت ہی تھوڑا۔ گزشتہ متعدد آیات میں ہم نے اسی لحاظ سے ترجمہ کیا ہے، جیسے الاعراف کی آیات۔3۔ اور 10۔ وغیرہ۔ زیر مطالعہ آیت۔17۔ میں گنجائش ہے کہ قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا میں مَا کو قَلِيْلًا سے متعلق مانا جائے۔ ایسی صورت میں آیت کا مطلب ہو جاتا ہے کہ رات میں بہت ہی تھوڑا سا سوتے تھے لیکن یہ مفہوم سورۃ المزمل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ وہاں ہدایت ہے کہ رات میں قیام کرو سوائے تھوڑی سی (قَلِيْلًا) رات کے۔ اس کے آگے قَلِيْلًا کی وضاحت ہے کہ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔ اردو محاورہ میں اس کو یوں سمجھیں کہ لگ بھگ آدھی رات قیام کے لیے اور لگ بھگ آدھی رات سونے کے لیے پسندیدہ ہے۔ یہ مفہوم قَلِيْلًا مَّا سے نہیں بلکہ قَلِيْلًا سے ادا ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں ہم نے مَا کا زائدہ ماننے کو ترجیح دی ہے۔

نوٹ:3

آیت۔18۔ میں ان کی شب بیداری اور عبادت کی غایت بیان ہوئی ہے کہ ان کا آخری کام یہ ہوتا ہے کہ سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس بات کی توقع نہیں رکھتے کہ اس شب بیداری کے صلہ میں ان کو حضور و شہود کا کوئی بڑا مقام حاصل ہو گا۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عبادت اور ریاضت کا مقصود دوسرے مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ دوسرے مذاہب میں عبادت و ریاضت کا اصل مقصود کشف، مشاہدہ، تجلی ذات، ذات خداوندی میں انضمام اور اس قبیل کی دوسری چیزیں ہیں۔ جوگی، سنیاسی اور راہب جو ریاضتیں کرتے ہیں، ان سے ان کے پیش نظر یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن اسلام میں ریاضت و عبادت کا اصل مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی کی طلب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اگر عبادت کے مقصد کی حیثیت حاصل کر لے تو اسلام میں اس عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

آیت نمبر (24 تا 37)

6744

ص	ك	ك

(ن) صَكًّا اپنا سر پیٹنا۔ کسی کو تھپڑ مارنا۔ زیر مطالعہ آیت۔29۔

ترکیب

''ض ی ف'' کی لغت میں ہم بتا چکے ہیں کہ ضَيْفٌ کا لفظ مذکر، مؤنث، واحد، جمع سب کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع ضیوف بھی آتی ہے۔ یہاں ضیف جمع کے مفہوم میں آیا ہے، اسی لیے اس کی صفت اَلْمُكْرَمِيْنَ جمع میں آئی ہے آگے افعال دَخَلُوْا اور قَالُوْا جمع کے صیغے میں آئے ہیں۔ قَالُوْا کے آگے سَلٰمًا کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ قَالُوْا کا مفعول ہے یعنی بات Indirect Tense میں ہے جب کہ آگے، قَالَ کے بعد سَلٰمٌ حالت رفع میں ہے۔ یہ بات Direct Tense میں ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/58، ترکیب)

ترجمہ

هَلْ اَتٰىكَ	حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۘ﴿۲۴﴾	اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ
کیا پہنچی آپؐ کے پاس	ابراہیمؑ کے عزت دیئے ہوئے مہمانوں کی بات	جب وہ داخل ہوئے انؑ پر

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ	قَالَ سَلٰمٌ ۚ	قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۚ﴿۲۵﴾	فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
تو انہوں نے کہا سلامتی ہو	انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا سلامتی ہے	(تم) اجنبی لوگ ہو	پھر وہ آئے اپنے گھر والوں کی طرف

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۙ﴿۲۶﴾	فَقَرَّبَهٗٓ	اِلَيْهِمْ	قَالَ	اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۚ﴿۲۷﴾
تو وہ لائے ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا)	پھر انہوں نے قریب کیا اس کو	ان لوگوں کی طرف	انہوںؑ نے کہا	کیا تم لوگ کھاتے نہیں ہو

فَاَوْجَسَ	مِنْهُمْ	خِيْفَةً ؕ	قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ	وَبَشَّرُوْهُ
تو انہوں نے محسوس کیا	ان لوگوں سے	ایک خوف	ان لوگوں نے کہا آپ مت ڈریں	اور ان لوگوں نے بشارت دی انؑ کو

بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾	فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ	فِيْ صَرَّةٍ	فَصَكَّتْ وَجْهَهَا
ایک علم والے لڑکے کی	تو سامنے آئیں ان کی بیوی	اونچی آواز میں (بولتی ہوئی)	پھر انہوں نے پیٹا اپنے چہرے کو

وَقَالَتْ	عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾	قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ	قَالَ رَبُّكِ ؕ
اور کہا	(کیا جنے گی) بڑھیا بانجھ	ان لوگوں نے کہا اسی طرح	کہا آپ کے رب نے

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾	قَالَ	فَمَا خَطْبُكُمْ	اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾
بیشک وہ ہی حکمت والا علم والا ہے	انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا	پھر تمہارا کیا مدعا ہے	اے بھیجے ہوئے لوگو

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ	اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ﴿۳۲﴾	لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ	حِجَارَةً	مِّنْ طِيْنٍ ۙ﴿۳۳﴾
ان لوگوں نے کہا بیشک ہم بھیجے گئے ہیں	ایک مجرم قوم کی طرف	تا کہ ہم چھوڑیں ان پر	کچھ ایسے پتھر جو	گارے سے ہوں

مُّسَوَّمَةً	عِنْدَ رَبِّكَ	لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾	فَاَخْرَجْنَا	مَنْ كَانَ فِيْهَا
نشان لگے ہوئے	آپؐ کے رب کے پاس	حد سے بڑھنے والوں کے لیے	پھر ہم نے نکالا	اس کو جو تھا اس (بستی) میں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾	فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا	غَيْرَ بَيْتٍ	مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾
ایمان لانے والوں میں سے	تو ہم نے نہیں پایا اس میں	سوائے ایک گھر کے	فرمانبرداری کرنے والوں میں سے

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً	لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ	الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾
اور ہم نے چھوڑی اس میں ایک نشانی	ان لوگوں کے لیے جو خوف کھاتے ہیں	دردناک عذاب سے

نوٹ:1

اس سورہ میں اب تک جو دعوے مذکور ہیں' اب (آیات۔24 تا46) ان کے حق میں تاریخی شہادت پیش کی جارہی ہے۔قرآن کا یہ عام اصول ہے کہ وہ عقلی و انفسی دلائل کے پہلو بہ پہلو تاریخی شواہد بھی پیش کرتا ہے تاکہ مخاطب کے سامنے بات اچھی طرح مبرہن بھی ہو جائے اور اگر دلوں کے اندر اثر پذیری کی کچھ رمق ہو تو ان سے لوگ عبرت بھی حاصل کریں۔ان شہادتوں میں تین پہلو ملحوظ ہیں۔ایک یہ کہ جن قوموں کی ہلاکت بیان ہوئی ہے ان کی تباہی میں بادل اور ہوا کے تصرفات کو خاص دخل رہا ہے۔اس پہلو سے یہ واقعات گویا ان قسموں کی تصدیق ہیں جو اس سورہ کے شروع میں کھائی گئی ہیں۔دوسرا یہ کہ ان میں جزا اور سزا دونوں پہلو نمایاں ہوئے ہیں، جو فرشتے حضرت لوطؑ کی قوم کے لیے عذاب لے کر آئے تھے، وہی حضرت ابراہیمؑ کے لیے اولاد کی بشارت لے کر آئے تھے۔تیسرا یہ کہ اللہ کی گرفت بالکل بے پناہ ہے۔کوئی قوم کتنی ہی زور آور ہو،لیکن اللہ تعالیٰ جب اس کو فنا کرنا چاہتا ہے تو چشم زدن میں فنا کر دیتا ہے۔(تدبر قرآن)

نوٹ:2

آیت۔34 اور 35 کے درمیان یہ قصہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے یہ فرشتے کس طرح حضرت لوطؑ کے ہاں پہنچے اور وہاں ان کے اور قومِ لوطؑ کے درمیان کیا کچھ پیش آیا۔یہ تفصیلات سورۂ ھود، الحجر اور العنکبوت میں گزر چکی ہیں۔یہاں صرف آخری وقت کا ذکر ہے جب اس قوم پر عذاب نازل ہونے والا تھا۔(تفہیم القرآن)۔فرشتوں کی بات آیت۔34۔پر ختم ہوگئی ہے۔اب آگے کی سرگزشت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اس کے بعد اس نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔(تدبر قرآن)۔آیت۔37۔میں نشانی سے مراد بحیرۂ مردار ہے جس کا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم الشان تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے۔(تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (38 تا46)

ترجمہ

وَفِيْ مُوْسٰٓى	اِذْ اَرْسَلْنٰهُ	اِلٰى فِرْعَوْنَ	بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
اور (ہم نے چھوڑی ایک نشانی) موسیٰؑ میں	جب ہم نے بھیجا انؑ کو	فرعون کی طرف	ایک واضح دلیل کے ساتھ

فَتَوَلّٰى	بِرُكْنِهٖ	وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾
تو اس (فرعون) نے منہ موڑا	اپنے سہاروں (لشکر) کے ساتھ	اور اس نے کہا (یہ) جادوگر ہے یا مجنون ہے

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ	فَنَبَذْنٰهُمْ	فِي الْيَمِّ	وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾
پھر ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکروں کو	تو ہم نے پھینک دیا ان سب کو	پانی میں	اس حال میں کہ وہ خود کو ملامت کرنے والا تھا

وَفِیۡ عَادٍ	اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ	الرِّیۡحَ الۡعَقِیۡمَ ﴿۴۱﴾	مَا تَذَرُ
اور (ایک نشانی) عاد میں	جب ہم نے بھیجا ان پر	بے برکت سخت ہوا (آندھی) کو	وہ نہیں چھوڑتی

مِنۡ شَیۡءٍ	اَتَتۡ عَلَیۡهِ	اِلَّا	جَعَلَتۡهُ	کَالرَّمِیۡمِ ﴿۴۲﴾
کسی بھی چیز کو	وہ پہنچی جس پر	سوائے اس کے کہ	وہ کر دیتی اس کو	بوسیدہ چیز کی طرح

وَفِیۡ ثَمُوۡدَ	اِذۡ قِیۡلَ لَهُمۡ	تَمَتَّعُوۡا	حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۴۳﴾	فَعَتَوۡا
اور (ایک نشانی) ثمود میں	جب کہا گیا ان لوگوں سے	تم لوگ فائدہ اٹھالو	ایک وقت تک	پھر انہوں نے سرتابی کی

عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ	فَاَخَذَتۡهُمُ	الصّٰعِقَةُ	وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۴۴﴾	فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا
اپنے رب کے حکم سے	پھر پکڑا ان کو	آسمانی بجلی نے	اس حال میں کہ وہ دیکھتے تھے	تو وہ لوگ قدرت نہیں رکھتے تھے

مِنۡ قِیَامٍ	وَّمَا کَانُوۡا	مُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿۴۵﴾	وَقَوۡمَ نُوۡحٍ
کسی طرح کھڑے ہونے کی	اور وہ لوگ نہیں تھے	بدلہ لینے والے	اور (ہم نے ہلاک کیا) نوحؑ کی قوم کو

مِّنۡ قَبۡلُ ؕ	اِنَّهُمۡ کَانُوۡا	قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۴۶﴾
اس سے پہلے	یقیناً وہ تھے	ایک نافرمانی کرنے والی قوم

نوٹ: 1

آیت۔43۔ میں ہے کہ ایک وقت تک مزے کرلو۔ اس بارے میں دو رائے ہیں کہ اس سے کون سی مہلت مراد ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ سورہ ہود کی اُس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ جب ثمود کے لوگوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خبردار کر دیا گیا کہ تین دن تک مزے کرلو، اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بات حضرت صالحؑ نے اپنی دعوت کے آغاز میں اپنی قوم سے فرمائی تھی کہ تم اگر توبہ و ایمان کی راہ اختیار نہ کرو گے تو ایک خاص وقت تک ہی عیش کرنے کی مہلت نصیب ہو سکے گی، اس کے بعد تم پر عذاب آجائے گا۔ دوسری رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ آگے کی آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ یہ بات بتاتی ہے کہ جس مہلت کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے وہ سرتابی سے پہلے دی گئی تھی اور انہوں نے سرتابی اس تنبیہہ کے بعد کی۔ اس کے برعکس سورہ ہود والی آیت میں جس مہلت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان کی طرف سے آخری اور فیصلہ کن سرتابی کا ارتکاب ہو جانے کے بعد دی گئی تھی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (47 تا 60)

ترکیب

(آیت۔47)۔ وَالسَّمَآءَ حالت نصب میں ہے۔ اس کا مفعول مقدم ماننے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ فعل بَنَیۡنٰهَا کے ساتھ ضمیر مفعولی هَا لگی ہوئی ہے۔ اس لیے اس سے پہلے کسی فعل کو محذوف ماننا بہتر ہے۔ ہماری ترجیح یہ ہے کہ تَنَظَّرْ (بتکلف غور سے دیکھ) کر محذوف مانا جائے۔ یَدٌ (ہاتھ) کی جمع بھی اَیۡدٍ آتی ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:66، مادہ ''ی دی'')۔ جبکہ اَیۡدٌ (مضبوطی۔قوت) سے لکھا جاتا ہے یعنی اَیۡدٍ کے بجائے اَیۡیدٍ لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ یَدٌ کی جمع نہیں ہے بلکہ اَیۡدٌ حالت جرّ میں ہے۔ (آیت۔59)۔ یہاں ذَنُوۡبٌ نہیں بلکہ ذَنُوۡبٌ آیا ہے جو مبالغہ کے وزن فَعُوۡلٌ پر ہے۔ (دیکھیں آیت۔3/آل عمران: 11، مادہ ''ذ ن ب'')۔ فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ میں نون کی کسرہ بتا رہی ہے کہ یہ نون وقایہ ہے اور لَا یَسۡتَعۡجِلُوۡا فعل نہی ہے۔

ترجمہ

وَالسَّمَآءَ	بَنَيْنٰهَا	بِاَيْىدٍ	وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾
اور (بغور دیکھ) آسمان کو	ہم نے بنایا اس کو	قوت سے	اور بیشک ہم یقیناً کشادہ کرنے والے ہیں

وَالْاَرْضَ	فَرَشْنٰهَا	فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾	وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ
اور (بغور دیکھ) زمین کو	ہم نے بچھایا اس کو	تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں	اور ہر چیز میں سے

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ	لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾	فَفِرُّوْٓا	اِلَى اللّٰهِ ؕ	اِنِّیْ لَكُمْ
ہم نے پیدا کیے جوڑے جوڑے	شاید تم لوگ یاددہانی حاصل کرو	تو تم لوگ لپکو	اللہ کی طرف	بیشک میں تمہارے لیے

مِّنْهُ	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۵۰﴾	وَلَا تَجْعَلُوْا	مَعَ اللّٰهِ	اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ	اِنِّیْ لَكُمْ
اس (کی طرف) سے	ایک واضح خبردار کرنے والا ہوں	اور تم لوگ مت بناؤ	اللہ کے ساتھ	دوسرا الٰہ	بیشک میں تمہارے لیے

مِّنْهُ	نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۵۱﴾	كَذٰلِكَ	مَآ اَتَى الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّنْ رَّسُوْلٍ
اس (کی طرف) سے	ایک واضح خبردار کرنے والا ہوں	اسی طرح	نہیں پہنچا ان کے پاس جو	ان لوگوں سے پہلے تھے	کوئی بھی رسول

اِلَّا قَالُوْا	سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۙ﴿۵۲﴾	اَتَوَاصَوْا	بِهٖ ۚ	بَلْ هُمْ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾
مگر (یہ کہ) اُن لوگوں نے کہا	جادوگر ہے یا مجنون ہے	کیا وہ ایک دوسرے کو وصیت کر گئے	اس کی	بلکہ وہ لوگ	ایک سرکشی کرنے والی قوم تھے

فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ	فَمَآ اَنْتَ	بِمَلُوْمٍ ق ﴿۵۴﴾	وَّ ذَكِّرْ	فَاِنَّ الذِّكْرٰى
پھر آپؐ بے رخی برتیں	اِن لوگوں سے	تو آپ نہیں ہوں گے	ملامت کیے ہوئے	اور آپؐ نصیحت کرتے رہیں	تو بیشک نصیحت

تَنْفَعُ	الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	وَمَا خَلَقْتُ	الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
نفع دیتی ہے	ایمان لانے والوں کو	اور میں نے نہیں پیدا کیا	جنوں کو اور انسانوں کو	سوائے اس کے کہ وہ بندگی کریں میری

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ	مِّنْ رِّزْقٍ	وَّمَآ اُرِيْدُ	اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾	اِنَّ اللّٰهَ
میں نہیں چاہتا ان سے	کوئی بھی رزق	اور میں نہیں چاہتا	کہ وہ کھلائیں مجھ کو	یقیناً اللہ

هُوَ الرَّزَّاقُ	ذُو الْقُوَّةِ	الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾	فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	
ہی مسلسل رزق دینے والا ہے	قوت والا ہے	مضبوط ہے	تو بیشک ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا	

ذَنُوْبًا	مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ	فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾
ایک بھیانک انجام ہے	ان کے ساتھیوں کے بھیانک انجام کی مانند	پس چاہیے کہ یہ لوگ جلدی نہ مانگیں مجھ سے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ	يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع
تو تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے انکار کیا	ان کے اس دن سے جس کا	ان کو وعدہ دیا جاتا ہے

نوٹ: 1 آیت۔47۔ کا مطلب یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو ہم بس ایک بار بنا کر نہیں رہ گئے ہیں بلکہ ہم اس میں مسلسل توسیع کر رہے ہیں۔ اور ہر آن اس میں ہماری تخلیق کے نئے نئے کرشمے رونما ہو رہے ہیں۔ ایسی زبردست خلاق ہستی کو آخر تم اعادۂ خلق سے عاجز کیوں

سمجھتے ہو۔(تفہیم القرآن) آج کل کے سائنس دن (Expanding Universe) کی بات کر رہے ہیں۔اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔(حافظ احمد یار صاحب) 6744

نوٹ:2

آیت۔49۔آخرت کی بدیہی دلیل ہے۔تَذَکَّرُوْنَ کے الفاظ سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز کا جوڑے جوڑے ہونا اس امر کی یاددہانی کراتا ہے جب اس دنیا کی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے اور ہر چیز اسے جوڑے کے ساتھ مل کر اپنی غایت کو پہنچتی ہے،تو ضروری ہے کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہو،تاکہ اس میں جو خلا نظر آتا ہے وہ اس جوڑے کے ساتھ مل کر بھر جائے۔یہ جوڑا آخرت ہے۔ آخرت کو مان لینے کے بعد یہ دنیا ایک بامقصد اور باحکمت چیز بن جاتی ہے اور آخرت کو نہ مانیئے تو ایک بالکل باطل اور رعبث چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔54۔میں دین کی تبلیغ کا ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ایک داعی جب کسی شخص کے سامنے معقول دلائل کے ساتھ اپنی دعوت صاف صاف پیش کر دے اور اس کے شبہات،اعتراضات اور دلائل کا جواب بھی دے دے تو حق واضح کرنے کا جو فرض اس کے ذمہ تھا اس سے وہ سبکدوش ہو جاتا ہے۔وہ شخص نہیں مانتا تو نہ مانے۔اب اس کی طرف التفات نہ کرنے پر داعی کو یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ تم نے ایک شخص کو گمراہی میں مبتلا رہنے دیا،کیونکہ اب اپنی گمراہی کا وہ شخص خود ذمہ دار ہے۔ہوتا یہ ہے کہ ایک داعی جب سمجھانے کا حق ادا کر چکتا ہے اور ان کے اندر جھگڑالو پن کے آثار دیکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اس پر الزام رکھتے ہیں کہ ہم آپ سے بات سمجھنے کے لیے بحث کرنا چاہتے ہیں اور آپ ہماری طرف التفات نہیں کرتے۔حالانکہ ان کا مقصد بات کو سمجھنا نہیں بلکہ داعی کو بحث میں الجھا کر اس کا وقت ضائع کرنا ہوتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ ایسے لوگوں کی طرف التفات نہ کرو اور ان سے بے التفاتی کرنے پر تمہیں کوئی ملامت نہیں کی جا سکتی۔

آگے آیت۔55 میں تبلیغ دین کا دوسرا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔دعوتِ حق کا اصل مقصد ان سعید روحوں تک ایمان کی نعمت پہنچانا ہے جو اس نعمت کی قدر شناس ہوں اور اسے خود حاصل کرنا چاہیں۔مگر داعی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ معاشرے کے ہزاروں لاکھوں افراد میں وہ سعید روحیں کہاں ہیں۔اس لیے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ جہاں جہاں ایمان قبول کرنے والے افراد موجود ہوں وہاں اس کی آواز پہنچ جائے۔انہی کی تلاش اس کا اصل کام ہے۔اس تلاش میں معاشرے کا فضول عنصر بھی اس کو ملے گا۔اس کی طرف بس اسی وقت تک داعی کو توجہ کرنی چاہیے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔یعنی ان کے اندر حق کی تلاش کا جذبہ مفقود ہے،پھر داعی کو اپنا وقت اس جنس کے لوگوں پر ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ اُس کی تذکیر سے نفع اٹھانے والے لوگ نہیں ہیں۔ایسے لوگوں پر وقت صرف کرنے سے نقصان اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو اس سے نفع اٹھانے والے ہیں۔(تفہیم القرآن)۔

نوٹ:4

آیت۔56۔کی مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں عبادت کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہو۔چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی طور پر موجود ہے۔پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے اور کوئی اس استعداد کو اپنی خواہشات میں ضائع کر دیتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں یا مجوسی۔(معارف القرآن)۔

اس آیت میں عبادت کا لفظ محض نماز روزے اور اس نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس کا مطلب یہ لے لے کہ جن اور انسان صرف نماز پڑھنے،روزے رکھنے اور تسبیح وتہلیل کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔اگرچہ یہ مفہوم بھی اس میں شامل ہے مگر یہ اس کا پورا مفہوم نہیں ہے۔اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش،اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔ان کا کام کسی اور کے بنائے ہوئے دین (نظام حیات) کی پیروی کرنا،کسی اور کو اپنی قسمتوں کو بگاڑنے اور

بنانے والا سمجھنا اور کسی دوسری ہستی کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلانا نہیں ہے۔(تفہیم القرآن)۔

ایک اطاعت وہ بھی ہے جو بدرجہ مجبوری اور بے دلی سے کی جاتی ہے۔ یہ غلامی ہے، بندگی نہیں ہے۔ جب کسی ہستی کے احسانات اور اس کی جود وسخا کے احساس سے انسان کے اندر سے ایک جذبۂ شکر پھوٹ بہتا ہے، پھر انسان اس جذبہ میں ڈوب کر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اس ہستی سے محبت کرتا ہے اور اسی جذبے سے پوری دلی آمادگی کے ساتھ دل وجان سے اس کی اطاعت کرتا ہے، تو یہ بندگی ہے، یہ عبادت ہے۔ عبادت کی یہ استعداد انسان کی فطرت میں Inbuilt ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فطری بیٹری کو چارج کیا جائے اور پھر چارج رکھا جائے۔ جس طرح سیل فون کو ہم وقفہ وقفہ سے چارجر پر لگاتے رہتے ہیں۔ نماز، روزہ، تسبیح وتہلیل وغیرہ اس بیٹری کے چارجر ہیں۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب

کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com, www.khuddam-ul-quran.com

0412437781,0412437618,03217805614

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

6744

6744

6744

6744

6744

6744

6744

6744

6744

6744

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6776

سورۃ الطور (52)

آیت نمبر (1 تا 16)

ر	ق	ق

(ض) رِقَّةً پتلا ہونا۔ نرم ہونا۔

رَقٌّ پتلی چیز۔ پتلا کاغذ۔ زیر مطالعہ آیت۔3۔

م	و	ر

(ن) مَوۡرًا کسی چیز کا تیزی سے ہلنا۔ کپکپانا۔ ڈھاٹھیں مارنا۔ زیر مطالعہ آیت،9۔

د	ع	ع

دَعًّا سختی سے ہٹانا۔ دھکا دینا۔ زیر مطالعہ آیت۔13۔

ترکیب

آیات۔1 تا6 تک جو قسمیں آئی ہیں ان کے ترجمہ کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ان میں ہر واو کو قسمیہ مانیں۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا قسم ہے طور کی۔ قسم ہے ایک لکھی ہوئی کتاب کی۔ اسی طرح آخرت تک۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف پہلے واو کو قسمیہ مانیں اور بعد میں آنے والے تمام واو کو عاطفہ مانیں۔ ان اسماء کو حالت جر میں ہونے کی وجہ سے پہلے واو القسمیہ پر عطف مانے جائیں۔ ایسی صورت میں ترجمہ ہوگا قسم ہے طور کی اور قسم ہے ایک کھلی کتاب کی۔ اسی طرح آخر تک دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ نکرہ مخصوصہ ہے۔ اور فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ اس کی خصوصیت ہے۔ (آیت۔14)۔ اَلنَّارُ پر لام تعریف ہے اور یہ ھٰذِہٖ کی خبر معرفہ ہے۔ جبکہ اَلَّتِیۡ سے تُکَذِّبُوۡنَ تک پورا جملہ اَلنَّارُ کی صفت ہے۔

ترجمہ

الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾	وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾	فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾
قسم ہے طور کی	اور ایک ایسی لکھی ہوئی کتاب کی قسم ہے جو	ایک پھیلائی ہوئی پتلی چیز میں ہے

وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾	وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾	وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾
اور قسم ہے اس آباد کئے ہوئے گھر کی	اور قسم ہے اس بلند کی ہوئی چھت کی	اور قسم ہے اس جوش دیئے ہوئے سمندر کی

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ	لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾	مَّا لَہٗ	مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾	یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ
بیشک آپؐ کے رب کا عذاب	یقیناً وقوع پذیر ہونے والا ہے	نہیں ہے اس کے لیے	کوئی بھی دفع کرنے والا	جس دن لہریں لے گا آسمان

مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾	وَّ تَسِیۡرُ	الۡجِبَالُ	سَیۡرًا ؕ﴿۱۰﴾	فَوَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ	لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۙ﴿۱۱﴾
جیسے لہریں لیتے ہیں	اور چلیں گے	پہاڑ	جیسے چلتے ہیں	پس بربادی ہے اس دن	جھٹلانے والوں کے لیے

الَّذِیۡنَ ہُمۡ	فِیۡ خَوۡضٍ	یَّلۡعَبُوۡنَ ۘ﴿۱۲﴾	یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ	اِلٰی نَارِ جَہَنَّمَ
یہ وہ لوگ ہیں جو	بے پر کی اڑانے میں	کھیلتے ہیں	جس دن وہ لوگ دھکیلے جائیں گے	جہنم کی آگ کی طرف

دَعًّا ﴿۱۳﴾	هٰذِهِ النَّارُ	الَّتِیْ	كُنْتُمْ بِهَا	تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾
جیسے دھکیلے جاتے ہیں	یہ ہے وہ آگ	وہ	تم لوگ جس کو	جھٹلایا کرتے تھے

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ	اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾	اِصْلَوْهَا	فَاصْبِرُوْٓا	اَوْ لَا تَصْبِرُوْا
تو کیا جادو ہے یہ	یا تم لوگ بصیرت سے کام نہیں لیتے	تم لوگ جا پڑو اس میں	پھر (چاہے) صبر کرو	یا صبر مت کرو

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ	اِنَّمَا تُجْزَوْنَ	مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾
برابر ہے تم لوگوں پر	تم لوگوں کو تو بس بدلہ دیا جاتا ہے	وہ (ہی) جو	تم لوگ عمل کیا کرتے تھے

نوٹ:1 سورۂ ذاریات میں آخرت کے امکان اس کے وجود اور وقوع کے دلائل دیے جا چکے تھے۔ اس لیے یہاں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ البتہ آخر کی شہادت دینے والے چند حقائق و آثار کی قسم کھا کر پورے زور کے ساتھ فرمایا کہ وہ یقیناً واقع ہو کر رہے گی۔ طور وہ جگہ ہے جہاں ایک دبی اور پسی ہوئی قوم کو اٹھانے اور ایک غالب و قاہر قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور یہ فیصلہ قانونِ طبیعی (Physical Laws) کی بنیاد پر نہیں بلکہ قانونِ اخلاقی (Moral Law) اور قانونِ مکافاتِ عمل (Law of Retribution) کی بنیاد پر تھا اس لیے آخرت کے حق میں تاریخی استدلال کے طور پر طُور کو بطور ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2 ایک پھیلائی ہوئی پتلی چیز میں لکھی ہوئی کتاب سے شاید لوحِ محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا اعمالنامہ یا قرآن یا تورات یا عام کُتبِ سماویہ مراد ہوں یہ سب احتمالات ہیں۔ (شیخ الہندؒ)

آیت نمبر (17 تا 28)

ء ل ت

(ض) اَلْتًا کسی کے حق میں کمی کرنا۔ گھٹانا۔ (متعدی) کسی چیز کا کم ہو جانا۔ گھٹنا۔ (لازم)۔ زیر مطالعہ آیت۔21۔

ترکیب (آیت۔24)۔ ''طوف''۔ کی لغت آیت نمبر۔2 / البقرۃ:125 میں گزر چکی ہے۔ اس میں یہ اضافہ کر لیں کہ اس کے مفعول پر جب بِ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی جگہ یا مکان کے چاروں طرف چکر لگانا یعنی طواف کرنا۔ اور جب علیٰ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کے پاس یا کسی جگہ آنا جانا کرنا۔ چکر لگانا۔ (آیت 28) ''ب ر ر'' کی لغت آیت نمبر۔2 / البقرۃ:44 میں گزر چکی ہے۔ وہاں بتایا ہے کہ بَرٌّ اسم الفاعل ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ یہ دراصل بَارِرٌ ہے۔ عربی کے کچھ الفاظ میں فَاعِلٌ کے وزن کا الف گرا دیتے ہیں۔ اس میں بھی بَارِرٌ کا الف گرا ہوا ہے اس لیے یہ بَرِرٌ ہوا۔ پھر ادغام کر کے بَرٌّ ہو گیا۔ جیسے رَبٌّ مصدر بھی ہے اور اسم الفاعل بھی۔ جس میں یہ اصلاً رَابِبٌ ہے۔ اس کا الف گرا تو یہ رَبٌّ استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ	وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾	فٰكِهِيْنَ	بِمَآ
بیشک تقویٰ اختیار کرنے والے	باغوں میں	اور ہمیشہ خوشحالی میں ہوں گے	خوش ہونے والے	اس پر جو

اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ	وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ	عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾
دیا ان کو ان کے رب نے	اور بچایا ان کو ان کے رب نے	آگ کے عذاب سے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	هَنِيْٓـًٔا	بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾	مُتَّكِـِٕيْنَ
(کہا جائے گا) تم لوگ کھاؤ اور پیو	خوشگوار ہوتے ہوئے	بسبب اس کے جو تم لوگ عمل کیا کرتے تھے	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے

عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ	وَزَوَّجْنٰهُمْ	بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾
قطار لگائے ہوئے تختوں پر	اور ہم جوڑے بنا دیں گے ان کے	خوبصورت بڑی آنکھوں والیوں سے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَاتَّبَعَتْهُمْ	ذُرِّيَّتُهُمْ	بِاِيْمَانٍ	اَلْحَقْنَا بِهِمْ
اور جو لوگ ایمان لائے	اور پیروی کی جن کی	ان کی اولاد نے	ایمان کے ساتھ	ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ

ذُرِّيَّتَهُمْ	وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ	مِّنْ عَمَلِهِمْ	مِّنْ شَيْءٍ ؕ	كُلُّ امْرِئٍۢ
ان کی اولاد کو	اور ہم حق تلفی نہیں کریں گے ان کی	ان کے عمل میں سے	ذرا سا بھی	ہر شخص

بِمَا كَسَبَ	رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾	وَاَمْدَدْنٰهُمْ	بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ
بسبب اس کے جو اس نے کمائی کی	گروی رکھا ہوا ہے	اور ہم دراز کریں گے دینا ان کو	پھلوں اور گوشت سے

مِّمَّا	يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾	يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا	كَاْسًا	لَّا لَغْوٌ فِيْهَا
اس میں سے جو	ان کا جی چاہے گا	چھینا جھپٹی کریں گے اس میں	ایک ایسے جام کی	کوئی بیکار بات نہ ہوگی جس میں

وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾	وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ	غِلْمَانٌ لَّهُمْ	كَاَنَّهُمْ	لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾
اور نہ کوئی الزام تراشی	اور گھومیں پھریں گے ان کے گرد	ان کے خدمت گزار	جیسے کہ وہ	چھپائے ہوئے موتی ہوں

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ	عَلٰى بَعْضٍ	يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾	قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا
اور سامنے ہوگا ان کا کوئی	کسی کے	باہم پوچھتے ہوئے	وہ کہیں گے بیشک ہم تھے

قَبْلُ	فِيْٓ اَهْلِنَا	مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾	فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا
اس سے پہلے	اپنے گھر والوں میں	ڈرنے والے	تو احسان کیا اللہ نے ہم پر

وَوَقٰىنَا	عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾	اِنَّا	كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ
اور اس نے بچایا ہم کو	جھلس دینے والی لُو کے عذاب سے	بیشک ہم	اس سے پہلے ہم پکارا کرتے تھے اس کو

اِنَّهٗ	هُوَ الْبَرُّ	الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾
یقیناً وہ (ہے کہ)	وہی احسان کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1 انسان کا کوئی لطف و سرور بھی بیوی بچوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے فرمایا کہ: زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ یعنی اللہ تعالیٰ جنت میں یہ نعمت بھی اہل ایمان کے لیے مہیا فرمائے گا۔ اس کے لیے الفاظ وہ استعمال فرمائے ہیں جن سے ہم اس کا فی الجملہ تصور کر سکیں اس کی اصل حقیقت تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ آخرت میں ہی واضح ہوگی۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2

آیت۔21۔کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجے میں پہنچادیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا۔اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجے کو نہیں پہنچے۔یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لیے اور ان سب کے لیے کیا تھا۔توحق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں ان کے ساتھ رکھا جائے۔ابن کثیرؒ نے روایاتِ مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ آباء صالحین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا۔اس کا دوسرا رخ کہ اولاد صالحین کی وجہ سے والدین کو نفع پہنچے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کا درجہ جنت میں ان کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کردیں گے۔تو وہ پوچھے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ درجہ کہاں سے مل گیا تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لیے استغفار اور دُعا کی اس کا یہ اثر ہے۔(معارف القرآن)۔

آیت نمبر(29تا43)

ك	هـ	ن

(ف) كَهَانَةً غیب کی خبریں بتانا۔(ظن وگمان سے)

كَاهِنٌ غیب کی خبریں بتانے والا۔زیر مطالعہ آیت۔29۔

ترجمہ

فَذَكِّرْ	فَمَآ اَنْتَ	بِنِعْمَتِ رَبِّكَ	بِكَاهِنٍ	وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾
تو آپؐ یاددہانی کراتے رہیں	پھر آپ نہیں ہیں	اپنے رب کی نعمت (فضل) کے سبب سے	کوئی کاہن	اور نہ کوئی مجنون

اَمْ يَقُوْلُوْنَ	شَاعِرٌ	نَّتَرَبَّصُ بِهٖ	رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾
یا یہ لوگ کہتے ہیں	(کہ یہ) ایک ایسا شاعر ہے	ہم انتظار کرتے ہیں جس کے بارے میں	گردش زمانہ کا

قُلْ	تَرَبَّصُوْا	فَاِنِّيْ مَعَكُمْ	مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾	اَمْ تَاْمُرُهُمْ	اَحْلَامُهُمْ
آپؐ کہیے	تم لوگ انتظار کرو	تو میں (بھی) تمہارے ساتھ	انتظار کرنے والوں میں سے ہوں	یا حکم دیتی ہیں ان کو	ان کی عقلیں

بِهٰذَآ	اَمْ هُمْ	قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾	اَمْ يَقُوْلُوْنَ	تَقَوَّلَهٗ	بَلْ
اس (حرکت) کا	یا یہ لوگ	ایک سرکشی کرنے والی قوم ہیں	یا یہ لوگ کہتے ہیں	اس نے گھڑ لیا اس کو	بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ)

لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾	فَلْيَاْتُوْا	بِحَدِيْثٍ	مِّثْلِهٖٓ	اِنْ كَانُوْا	صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾
یہ لوگ ایمان نہیں لاتے	پس چاہیے کہ یہ لوگ لائیں	کوئی بات	اس (قرآن) کے جیسی	اگر یہ لوگ ہیں	سچ کہنے والے

اَمْ خُلِقُوْا	مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ	اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾	اَمْ خَلَقُوا
یا یہ لوگ پیدا کیے گئے	کسی چیز (نطفہ) کے بغیر	یا یہ لوگ ہی پیدا کرنے والے ہیں	یا انہوں نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ	بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾	اَمۡ عِنۡدَهُمۡ	خَزَآئِنُ رَبِّكَ
آسمانوں اور زمین کو	بلکہ یہ یقین نہیں کرتے	یا ان کے پاس	آپؐ کے رب کے خزانے ہیں

اَمۡ هُمُ الۡمُصَيۡطِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾	اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ	يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ ۚ	فَلۡيَاۡتِ
یا یہ لوگ ہی (خزانوں کے) داروغہ ہیں	یا ان کے لیے کوئی ایسی سیڑھی ہے	یہ لوگ کان لگاتے ہیں جس میں	تو چاہیے کہ لائے

مُسۡتَمِعُهُمۡ	بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۸﴾	اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ	وَلَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۳۹﴾
ان کا کان لگانے والا	کوئی واضح دلیل	یا اس کے لیے بیٹیاں ہیں	اور تم لوگوں کے لیے بیٹے ہیں

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ	اَجۡرًا	فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ	مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾	اَمۡ عِنۡدَهُمُ
یا آپؐ مانگتے ہیں ان سے	کوئی اجرت	تو یہ لوگ کسی تاوان سے	لادے ہوئے ہیں	یا ان کے پاس

الۡغَيۡبُ	فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۱﴾	اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ	كَيۡدًا ؕ	فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
غیب ہے	تو یہ لوگ لکھتے ہیں (اس کو)	یا یہ لوگ ارادہ کرتے ہیں	کسی چالبازی کا	تو جن لوگوں نے انکار کیا

هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ﴿۴۲﴾	اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ	غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ	سُبۡحٰنَ اللّٰهِ	عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۳﴾
وہی چالبازی کا نشانہ ہیں	یا ان کے لیے کوئی اِلٰہ ہے	اللہ کے علاوہ	اللہ کی پاکیزگی ہے	اس سے جو یہ لوگ شریک کرتے ہیں

نوٹ: 1

سب سے پہلے زیر مطالعہ آیت۔34۔ میں نہ صرف قریش کو بلکہ تمام دنیا کے مفکرین کو یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم قرآن کو انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس پائے کا کوئی کلام لا کر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکہ میں اور آخری بار مدینہ میں اسے دہرایا گیا۔ سورہ یونس۔38، ھود۔13، بنی اسرائیل۔88، البقرۃ 23۔ اس وقت سے آج تک کسی کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کے مقابلے میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید عربی ادب کا مکمل ترین اور بلند ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی زبان داں اسے سن کر متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ چودہ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے۔ عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں اس کے قریب نہیں پہنچتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیار فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشاء، محاورے، قواعدِ زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا۔ اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے اور تحریر و تقریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو چودہ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (44تا49)

6776

ترجمہ

وَاِنْ يَّرَوْا	كِسْفًا	مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا	يَّقُوْلُوْا
اور اگر وہ لوگ دیکھیں گے	کسی ٹکڑے کو	آسمان سے گرنے والا ہوتے ہوئے	تو کہیں گے

سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾	فَذَرْهُمْ	حَتّٰى يُلٰقُوْا	يَوْمَهُمُ الَّذِىْ
(یہ) تہہ بہ تہہ کیا ہوا بادل ہے	تو آپ چھوڑیں ان کو	یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں	اپنے اس دن سے

فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾	يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ	كَيْدُهُمْ	شَيْـًٔا
جس میں ان پر بجلی گرائی جائے گی	جس دن کام نہ آئے گی ان کے	ان کی چالبازی	ذرا سا بھی

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾	وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	عَذَابًا	دُوْنَ ذٰلِكَ
اور نہ ان کی مدد کی جائے گی	اور بیشک ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا	ایک عذاب ہے	اس کے علاوہ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾	وَاصْبِرْ	لِحُكْمِ رَبِّكَ
اور لیکن ان کے اکثر	جانتے نہیں ہیں	اور آپ ثابت قدم رہیں	اپنے رب کے حکم کے لیے

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا	وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾
تو بیشک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں	اور آپ تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ	جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں

وَمِنَ الَّيْلِ	فَسَبِّحْهُ	وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع
اور رات میں سے	پھر آپ تسبیح کریں اس کی	اور ستاروں کے پیٹھ پھیرنے (ڈوبنے) کے وقت

نوٹ: 1

آیت۔47۔کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً شخصی اور قومی مصیبتیں نازل کر کے ہم انہیں یاد دلاتے رہیں گے کہ اوپر کوئی بالاتر طاقت ان کی قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے اور کوئی ان کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔لیکن جو لوگ جہالت میں مبتلا ہیں انہوں نے نہ پہلے کبھی ان واقعات سے سبق لیا ہے اور نہ آئندہ لیں گے۔وہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث کی ہر وہ تاویل کرتے ہیں جو حقیقت کو سمجھنے سے ان کو دور لے جائے اور کسی ایسی تاویل کو ان کا ذہن قبول نہیں کرتا جو ان کی دہریت یا شرک کی غلطی ان پر واضح کر دے۔یہی بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اچھا ہوتا ہے تو اس کی مثال اُس اُونٹ کی سی ہے جسے اس کے مالک نے باندھا تو اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں باندھا ہے اور جب کھول دیا۔تُو وہ کچھ نہ سمجھا کہ کیوں کھول دیا ہے۔(تفہیم القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6776

سورۃ النجم (53)

آیت نمبر (1 تا 18)

ق و ب

(ن) قَوۡبًا زمین کو گول دائرے میں کھودنا۔

قَابَ کمان کے ایک کونے سے درمیان میں پکڑنے کا فاصلہ۔ زیر مطالعہ آیت۔9۔

ق و س

(س) قَوَسًا کمر کا جھک جانا۔

قَوۡسٌ کمان۔ ہر وہ چیز جو کمان کی شکل پر ہے جیسے محراب۔ زیر مطالعہ آیت۔9۔

ترکیب

آیت۔1۔ میں هَوٰی اور آیت۔3 میں اَلۡهَوٰی میں جو فرق ہے اس کو سمجھ لیں۔ مادہ ''ھ و ی'' کی لغت آیت نمبر۔2/البقرۃ:87۔ میں دی ہوئی ہے۔ اس حوالے سے نوٹ کریں کہ یہ مادہ جب باب ضَرَبَ سے آتا ہے تو فعل ماضی کا پہلا صیغہ هَوَیَ بنتا ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر هَوٰی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں وہ اترا۔ آیت زیر مطالعہ میں اِذَا کے ساتھ آیا ہے اس لیے معنی ہیں جب وہ اترتا ہے۔ یہی مادہ جب باب سَمِعَ سے آتا ہے تو اس کے فعل ماضی کا پہلا صیغہ هَوِیَ بنتا ہے اور یہ تبدیلی کے بغیر استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مصدر هَوًیٌ ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر حالت رفع اور جر میں هَوٍی اور نصب میں هَوًی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں پسند کرنا۔ جی چاہنا۔ اِس مصدر پر جب لام تعریف داخل ہوتا ہے تو یہ هَوًیٌ سے اَلۡهَوًیُ ہو جاتا ہے۔ اب اس پر مختلف قاعدے کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ تبدیل ہو کر اَلۡهَوٰی استعمال ہوتا ہے۔ هَوٰی اور اَلۡهَوٰی میں تمیز لام تعریف کی وجہ سے آسانی سے ہو جاتی ہے کیونکہ لام تعریف فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

ترجمہ

وَالنَّجۡمِ	اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾	مَا ضَلَّ	صَاحِبُكُمۡ	وَمَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾	وَمَا يَنۡطِقُ
قسم ہے ستارے کی	جب وہ اترتا (ڈوبتا) ہے	نہیں بھٹکے	تمہارے ساتھی	اور نہ وہ بے راہ ہوئے	اور وہ نہیں بولتے

عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾	اِنۡ هُوَ	اِلَّا وَحۡیٌ	يُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾	عَلَّمَهٗ
جی چاہنے سے	نہیں ہے یہ (قرآن)	مگر ایک ایسی وحی جو	وحی کی جاتی ہے	تعلیم دی ان کو

شَدِيۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾	ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ﴿۶﴾	فَاسۡتَوٰی	وَهُوَ
قوتوں کے شدید	دائمی حالت والے نے	پھر وہ (جبریلؑ) جم گئے	اس حال میں کہ وہ

بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۷	ثُمَّ دَنَا	فَتَدَلّٰی ۸	فَكَانَ	قَابَ قَوْسَيْنِ
بلند ترین کنارے پر تھے	پھر وہؐ نزدیک ہوئے	تو وہؐ جھکے	تو وہ تھے	دو کمانوں کے فاصلے پر

اَوْ اَدْنٰی ۹	فَاَوْحٰۤی	اِلٰی عَبْدِهٖ	مَاۤ	اَوْحٰی ۱۰	مَا كَذَبَ
یا (اس سے) زیادہ نزدیک	تو اس (اللہ) نے وحی بھیجی (جبریلؑ کے ذریعے)	اپنے بندے کی طرف	وہ جو	اس نے وحی کی	جھوٹ نہ جانا

اَلْفُؤَادُ	مَا	رَاٰی ۱۱	اَفَتُمٰرُوْنَهٗ	عَلٰی مَا	یَرٰی ۱۲	وَ
دل نے	اس کو جو	انہوں (رسولؐ) نے دیکھا	تو کیا تم لوگ جھگڑتے ہو انؐ سے	اس پر جو	وہ دیکھتے ہیں	اس حال میں کہ

لَقَدْ رَاٰهُ	نَزْلَةً	اُخْرٰی ۱۳	عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۱۴	عِنْدَهَا	جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۱۵
یقیناً وہ دیکھ چکے ہیں ان (جبریلؑ) کو	اترتے ہوئے	ایک اور بار	رکنے کی جگہ کی بیری کے پاس	جس کے پاس	ٹھکانے کی جگہ کا باغ ہے

اِذْ یَغْشَی	السِّدْرَةَ	یَغْشٰی ۱۶	مَا زَاغَ الْبَصَرُ	وَمَا طَغٰی ۱۷
جب چھاتا تھا	اُس بیری پر	وہ جو چھاتا تھا	کج نہیں ہوئی نگاہ	اور نہ وہ حد سے بڑھی

لَقَدْ رَاٰی	مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ	الْكُبْرٰی ۱۸
بیشک اس نے دیکھا ہے	اپنے رب کی نشانیوں میں سے	زیادہ بڑی کو

نوٹ: 1

سورۃ النجم پہلی سورت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں مجمع عام میں تلاوت فرمائی اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے سجدۂ تلاوت کیا۔ وہاں پر موجود مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں سجدہ کیا اور جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ سب بھی سجدہ میں گر گئے سوائے ایک شخص کے۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔ 1-2 کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کسی غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بھٹکے اور نہ جان بوجھ کر بے راہ ہوئے۔ جس طرح ستارے طلوع سے غروب تک ایک مقرر رفتار سے متعین راستہ پر چلے جاتے ہیں اسی طرح آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ پر چلتا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوئی ہے اور جس طرح ستاروں کے ڈوبنے کے بعد آفتاب طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف آوری کے بعد آفتاب محمد طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر مضبوط و محکم ہوگا جس سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نوٹ: 3

آیت۔ 3۔ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کریں، اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔ احادیث سے وحی کی بہت سی اقسام ثابت ہیں۔ ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اِس کا نام قرآن ہے۔ دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اُس معنی کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ اِس کا نام حدیث اور سنت ہے۔ پھر حدیث میں جو مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے۔ جبکہ کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتایا جاتا ہے جس

سے احکام رسول اللہ ﷺ اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں جس میں غلط کا امکان ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان سے کوئی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے۔ احادیث میں متعدد واقعات ایسے مذکور ہیں کہ آپ ﷺ نے کوئی حکم دیا پھر بذریعہ وحی اس کو بدلا گیا چونکہ ایسے اجتہادی فیصلوں کا استخراج جس قاعدہ کلیہ سے کیا گیا تھا وہ اللہ کی طرف سے آئے تھے، اس لیے ایسے احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (19 تا 28)

ض	ی	ز

(ض) ضَیْزًا / ضِیْزٰی — حق سے کم دینا۔ ناانصافی کرنا۔ (یہ دراصل فُعْلٰی کے وزن پر ضُیْزٰی ہے۔ یا کی مناسبت سے ض کی ضمہ کو کسرہ میں تبدیل کر کے ضِیْزٰی استعمال کرتے ہیں۔) زیادہ یا سب سے زیادہ ناانصافی۔ پھر مجرد بڑی ناانصافی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔22۔

ترجمہ

اَفَرَءَیْتُمُ	اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾	وَمَنٰوةَ	الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾
تو کیا تم لوگوں نے (کبھی) غور کیا	لات اور عزّٰی پر	اور منات پر	جو ایک اور تیسری ہے

اَلَكُمُ الذَّكَرُ	وَلَهُ	الْاُنْثٰی ﴿۲۱﴾	تِلْكَ اِذًا	قِسْمَةٌ ضِیْزٰی ﴿۲۲﴾
کیا تمہارے لیے لڑکا ہے	اور اس (اللہ) کے لیے	لڑکی ہے	یہ تو پھر	بڑی ناانصافی والی تقسیم ہے

اِنْ هِیَ	اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ	سَمَّیْتُمُوْهَاۤ	اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ	مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
نہیں ہیں یہ	مگر کچھ ایسے نام	تم لوگوں نے نام دھرے جن کے	تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے	نہیں اتاری اللہ نے

بِهَا	مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ	اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ	اِلَّا الظَّنَّ	وَمَا	تَهْوَی
جن کے بارے میں	کوئی بھی سند	وہ لوگ نہیں پیروی کرتے	مگر گمان کی	اور اس کی جو	پسند کرتے ہیں

الْاَنْفُسُ ۚ	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ	مِّنْ رَّبِّهِمُ	الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ ؕ	اَمْ لِلْاِنْسَانِ
(ان کے) جی	حالانکہ آ چکی ہے ان کے پاس	ان کے رب (کی طرف) سے	ہدایت	یا انسان کے لیے

مَا	تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ ۖ	فَلِلّٰهِ	الْاٰخِرَةُ	وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ ع	وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ
وہ ہے جو	وہ تمنا کرے	تو اللہ ہی کے لیے ہے	(ہر چیز کا) آخر	اور پہل (ابتداء)	اور کتنے ہی فرشتے ہیں

فِی السَّمٰوٰتِ	لَا تُغْنِیْ	شَفَاعَتُهُمْ	شَیْـًٔا	اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ
آسمانوں میں	کام نہیں آتی	جن کی شفاعت	ذرا سا بھی	مگر اس کے بعد	کہ اجازت دے اللہ

لِمَنْ يَّشَآءُ	وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾	اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	بِالْاٰخِرَةِ	لَيُسَمُّوْنَ
جس کے لیے وہ چاہے	اور راضی ہو	بیشک جو لوگ ایمان نہیں رکھتے	آخرت پر	وہ یقیناً نام رکھتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةَ	تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾	وَمَا لَهُمْ	بِهٖ	مِنْ عِلْمٍ ؕ
فرشتوں کے	جیسے عورتوں کا نام رکھنا ہے	حالانکہ ان کے لیے نہیں ہے	اس بارے میں	کوئی بھی علم

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	اِلَّا الظَّنَّ ۚ	وَاِنَّ الظَّنَّ	لَا يُغْنِيْ	مِنَ الْحَقِّ	شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ ۚ
یہ لوگ پیروی نہیں کرتے	مگر گمان کی	درآنحالیکہ یقیناً گمان	بے نیاز نہیں کرتا	حق سے	ذرا سا بھی

نوٹ: 1

آیت۔24۔کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تمناؤں کی رہنمائی میں جو چاہے فلسفہ بنا ڈالو،لیکن ضروری نہیں ہر تمنا پوری ہو۔حقیقت اور آرزو میں بڑا فرق ہے۔جب حقیقت سامنے آئے گی تب دیکھ لوگے کہ جو خیالی محل تم نے تعمیر کیے تھے اس کی بنیاد ریت پر تھی۔تمہارے یہ معبود کسی کے کام آنے والے نہیں بنیں گے۔یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ جس طرح مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کے بل پر بہت سی تمنائیں اپنے دِلوں میں پال رکھی ہیں اسی طرح یہود،نصاریٰ اور مسلمانوں نے بھی اپنے دلوں میں بہت سی جھوٹی آرزوئیں پال رکھی ہیں جو محض خواہش نفس سے وجود میں آئی ہیں۔قرآن نے اس آیت میں لفظ انسان سے خطاب کر کے بلا استثناء سب کو آگاہی دی ہے کہ تمنائیں جس کا جو جی چاہے پال رکھے،لیکن یہ یاد رکھے کہ کسی کی آرزوؤں کی خاطر نہ حقائق میں تبدیلی ہوگی اور نہ خدا کا قانون کسی کی جانب داری کرے گا۔(تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (29 تا 32)

ل	م	م

(ن) لَمًّا جمع کرنا۔سمیٹنا۔﴿وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾﴾ (89/الفجر:19)''اور تم لوگ کھاتے ہو میراث کا مال جیسے سمیٹتے ہوئے کھانے کا حق ہے۔''

لَمَمَ چھوٹے گناہ کا ارتکاب کرنا۔زیر مطالعہ آیت۔32۔

ترجمہ

فَاَعْرِضْ	عَنْ مَّنْ	تَوَلّٰى ۙ	عَنْ ذِكْرِنَا	وَلَمْ يُرِدْ
تو آپ توجہ ہٹالیں	اس سے جس نے	منہ موڑا	ہماری یاد سے	اور اس نے ارادہ کیا ہی نہیں (کسی بات کا)

اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ؕ	ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ	مِّنَ الْعِلْمِ ؕ	اِنَّ رَبَّكَ	هُوَ اَعْلَمُ
سوائے اس دنیوی زندگی کے	یہ ان کے پہنچنے کی جگہ ہے	علم میں سے	بیشک آپ کا رب	ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے

بِمَنْ ضَلَّ	عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ	وَهُوَ اَعْلَمُ	بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾
اس کو جو جھک گیا	اس کے راستے سے	اور وہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے	اس کو جس نے ہدایت پائی

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ	لِيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا 6776
اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے	اور وہ (بھی) جو زمین میں ہے	نتیجتاً وہ بدلہ دے گا	ان کو جنہوں نے بُرا کیا

بِمَا	عَمِلُوْا	وَيَجْزِيَ	الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا	بِالْحُسْنٰى ۚ ۳۱	اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ
بسبب اس کے جو	انہوں نے عمل کیا	اور وہ بدلہ دے گا	ان کو جنہوں نے اچھا کیا	بڑی بھلائی سے	وہ لوگ جو بچتے ہیں

كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ	وَالْفَوَاحِشَ	اِلَّا اللَّمَمَ ۭ	اِنَّ رَبَّكَ	وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ
گناہ کے بڑوں سے	اور بے حیائیوں سے	سوائے چھوٹی موٹی غلطی کرنے کے	بیشک آپ کا رب	مغفرت کو وسعت دینے والا ہے

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ	اِذْ اَنْشَاَكُمْ	مِّنَ الْاَرْضِ	وَاِذْ اَنْتُمْ	اَجِنَّةٌ	فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
وہ خوب جاننے والا ہے تم لوگوں کو	جب اس نے بنایا تم لوگوں کو	زمین سے	اور جب تم لوگ	چھپائے گئے تھے	تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں

فَلَا تُزَكُّوْٓا	اَنْفُسَكُمْ ۭ	هُوَ اَعْلَمُ	بِمَنِ اتَّقٰى ۧ ۳۲
تو تم لوگ تزکیہ (کا چرچا) مت کرو	اپنے آپ کا	وہ خوب جانتا ہے	اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا

نوٹ: 1

آیت۔30 میں ذٰلِكَ کا اشارہ گزشتہ آیت میں اَلْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کی طرف ہے۔اس طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا علم دنیوی زندگی تک محدود ہے۔نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ علم کی پہنچ دنیوی زندگی تک ہے۔کیونکہ علم کی پہنچ تو اس سے آگے بھی ہے۔اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ علم کے ذریعہ یہ لوگ دنیوی زندگی کی سہولیات حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اس سے آگے کا علم حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔یہی بات سورہ روم کی آیت۔7۔میں اس طرح کہی گئی کہ یہ لوگ دنیوی زندگی میں سے کچھ ظاہر کا علم رکھتے ہیں اور اس کے انجام یعنی آخرت سے غفلت برتنے والے ہیں۔یعنی ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی دنیوی زندگی کے انجام کا علم حاصل نہ کریں اور اس سے غافل ہی رہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے توہمات اور تمناؤں کی بنیاد پر انہوں نے جو خیالی محل سجا رکھے ہیں، آخرت کا علم انہیں چکنا چور کر دیتا ہے۔اس لیے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے وہ بنکارتے ہیں کہ کہاں ہے بلی!

بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔پھر یہ لوگ اپنے طرزِ فکر کو منطقی استدلال کا جامہ بھی پہناتے ہیں یعنی اسے Rationalise بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو چیز ہمارے حواس خمسہ کے دائرے کے اندر ہے اسے تو ماننا چاہیے اور ہم مانتے ہیں۔دانشمندی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تحقیق کرنے کے بعد ایسی چیزوں کو مان لیا جائے۔لیکن جس چیز کو ہم نے چھوا نہیں، چکھا نہیں، سونگھا نہیں، سنا نہیں، دیکھا نہیں دانشمندی کو آج کے ترقی یافتہ دور میں سائنٹفک طرزِ فکر کہتے ہیں۔زمانۂ جاہلیت میں ''خیالی چیزوں'' کو ماننے والوں کو بطور تضحیک اور استہزاء ''سُفَهَاءَ'' کہا جاتا تھا، آج بالکل اسی انداز میں ایسے لوگوں کی سوچ کو غیر سائنٹفک قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ جس سائنٹفک طرزِ فکر پر یہ اتنا تراتے ہیں اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک شخص کو کسی جگہ سے دھواں اٹھتا نظر آتا ہے تو وہ مان لیتا ہے کہ ہاں! وہاں دھواں ہے۔لیکن جب ہم اسے بتاتے ہیں کہ وہاں آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ بنکارتا ہے کہ کہاں ہے آگ! کیونکہ آگ نظر نہیں آ رہی ہے۔جبکہ زمینی حقیقت یہ ہے کہ دھواں آگ کی علامت ہے۔دھویں کا وجود آگ کے وجود کا ثبوت ہے۔

اب ''اسلام کا جائزہ'' کورس میں ''وجود باری تعالیٰ'' کے سبق کو ذہن میں تازہ کریں جس میں آپ کو بتایا جا چکا ہے کس طرح انسان کو 6776 بہت کچھ سکھا پڑھا کر اور بہت سی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔ ان میں ایک صلاحیت یہ بھی ہے کہ کسی بات کے آثار اور علامات کو دیکھ کر انسان کا ذہن بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس صلاحیت کے استعمال کو قرآن میں تفقہہ کرنا کہا گیا ہے۔ اس امتحان گاہ میں انسان کو جو امتحان کا پرچہ ملتا ہے، اس کا پہلا سوال اِس صلاحیت کے استعمال کسے متعلق ہے اور یہ سوال لازمی (Compulsory) ہے، اسے انسان (Choice) میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اِس صلاحیت کو استعمال کرنے سے انکار کو ہمارے دانشمند اور سائنسدان بڑے فخر سے سائنٹفک طرزِ فکر کہتے ہیں اور قرآن ہمیں بتا رہا ہے کہ یہ ہے اُن کے پہنچنے کی وہ جگہ جہاں تک وہ لوگ اپنے علم سے پہنچ سکے ہیں۔

نوٹ: 2

آیت۔32 میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا ہے کہ وہ اپنی جان کا اتنا علم نہیں رکھتا جتنا اس کے خالق کو ہے۔ کیونکہ ماں کے پیٹ میں تخلیق کے جو مختلف دور اس پر گزر رہے ہیں اس کا اسے کوئی علم و شعور حاصل نہیں ہے مگر اس کو بنانے والا خوب جانتا تھا جس کی حکیمانہ تخلیق اس کو بنا رہی تھی، اس طرح انسان کو اس کی کم علمی اور عجز پر تنبیہہ کر کے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ جو بھی کوئی نیک کام کرتا ہے، وہ اس کا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ اللہ کا بخشا ہوا انعام ہے۔ کام کرنے کے اعضاء و جوارح اس نے بنائے، اس میں حرکت کی قوت اس نے بخشی، دل میں نیک کام کرنے کا داعیہ اس نے دیا پھر اس پر عزم و عمل اسی کی توفیق سے ہوا۔ اس لیے کسی بڑے سے بڑے متقی و پرہیز گار انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے عمل پر فخر کرے۔ اور اس عمل کو اپنا کمال قرار دے کر غرور میں مبتلا ہو۔

بی بی زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام ان کے والدین نے بَرّہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار۔ آپ ﷺ نے اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کے زینب رکھا دیا۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (33 تا 46)

ك	د	ی

(ض) كَدْيًا — کسی کو روکنا۔ دینے میں بخل کرنا۔

(افعال) اِكْدَاءً — کسی چیز سے باز رکھنا۔ روک لینا۔ زیر مطالعہ آیت۔34۔

ترکیب

(آیت۔41)۔ مادہ ''وف ی'' سے باب افعال میں ماضی کا صیغہ اصلاً اَوْفَیَ ہوتا ہے جو اَوْفٰی استعمال ہوتا ہے۔ افعل تفضیل میں یہ اصلاً اَوْفَیُ ہوتا ہے اور یہ بھی اَوْفٰی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ اَلْجَزَاءَ کی صفت کے طور پر آیا ہے، اس لیے یہ ماضی کا صیغہ نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ افعل تفضیل ہے۔ (آیت۔43-44) اَضْحَکَ، اَبْکٰی، اَمَاتَ اور اَحْیَا، یہ سب ماضی کے صیغے ہیں لیکن ان کا ترجمہ حال میں ہوگا کیونکہ یہ آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ 49، نوٹ۔2)

ترجمہ

اَفَرَءَيْتَ	الَّذِیْ	تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾	وَاَعْطٰی	قَلِيْلًا	وَّاَكْدٰی ﴿۳۴﴾
تو کیا آپؐ نے دیکھا	اس کو جس نے	منہ موڑا	اور اس نے دیا	تھوڑا سا	اور ہاتھ روک لیا

اَعِنْدَهٗ	عِلْمُ الْغَيْبِ	فَهُوَ يَرٰی ﴿۳۵﴾	اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ	بِمَا
کیا اس کے پاس	غیب کا علم ہے	تو وہ دیکھتا ہے (غیب کو)	یا اس کو بتایا ہی نہیں گیا	اس کے بارے میں جو

6776

فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ﴿۳۶﴾	وَاِبْرٰهِيْمَ	الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ﴿۳۷﴾	اَلَّا تَزِرُ
موسیٰؑ کے اوراق میں ہے	اور ابراہیمؑ کے (بھی)	وہ جنہوں نے حق ادا کر دیا	(یہ) کہ نہیں اٹھائے گی

وَازِرَةٌ	وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ﴿۳۸﴾	وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ	اِلَّا مَا	سَعٰى ۙ﴿۳۹﴾
کوئی اٹھانے والی	کسی دوسری (جان) کا بوجھ	اور (یہ) کہ نہیں ہے انسان کے لیے	سوائے اس کے جو	اس نے کوشش کی

وَاَنَّ سَعْيَهٗ	سَوْفَ يُرٰى ۖ﴿۴۰﴾	ثُمَّ يُجْزٰىهُ	الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ﴿۴۱﴾
اور یہ کہ اس کی کوشش	عنقریب دکھائی جائے گی	پھر بدلے میں دیا جائے گا اس کو	بھرپور بدلہ

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ	الْمُنْتَهٰى ۙ﴿۴۲﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ	اَضْحَكَ	وَاَبْكٰى ۙ﴿۴۳﴾
اور یہ کہ آپؐ کے رب کی طرف ہی	رکنے کی جگہ ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ	ہنساتا ہے	اور رلاتا ہے

وَاَنَّهٗ	هُوَ اَمَاتَ	وَاَحْيَا ۙ﴿۴۴﴾	وَاَنَّهٗ	خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ
اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ موت دیتا ہے	اور زندگی دیتا ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	اس نے پیدا کیے دو جوڑے

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ﴿۴۵﴾	مِنْ نُّطْفَةٍ	اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾
مذکر اور مؤنث	کسی بوند سے	جب وہ گرائی جاتی ہے

نوٹ:1

آیت۔33 تا35۔ میں ان لوگوں کے کردار کو ایک تمثیل کے پیرائے میں پیش کیا ہے جو اللہ کی راہ میں کچھ دینے دلانے کا تو حوصلہ نہیں رکھتے، اور اگر کبھی کچھ دیتے بھی ہیں تو بس ذرا سا لیکن اپنے فرضی معبودوں کی شفاعت اور اپنے خاندانی شرف کے زعم میں اللہ کے ہاں اپنے لیے اونچے اونچے مرتبوں کے مدعی ہیں۔ فرمایا کہ کیا ان کے پاس علم غیب کی دوربین ہے جس کی مدد سے وہ اپنے مراتب کو دیکھ رہے ہیں۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:2

آیت۔38۔ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کا عذاب دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ نہ کسی کو اس کا اختیار ہوگا کہ وہ دوسرے کا عذاب اپنے سر لے لے۔ آیت۔39 میں ہے کہ اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے عمل کے بدلے خود عمل کرے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی طرف سے فرض نماز ادا کر دے یا فرضی روزے رکھ لے اور وہ دوسرا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے۔ ایک شخص کی دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت۔39۔ کو بعض لوگ معاشیات پر غلط طریقے سے منطبق کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی (Earned Income) کے سوا کسی چیز کا جائز مالک نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ بات قرآن مجید ہی کے احکام سے ٹکراتی ہے۔ مثلاً قانون وراثت جس کی رو سے ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں درآنحالیکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی۔ اسی طرح احکام زکوٰۃ و صدقات، جن کی رو سے ایک آدمی کے مال کے دوسرے لوگ جائز مالک ہوتے ہیں حالانکہ اس مال کو پیدا کرنے میں ان کی

محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے اپنے نتائج نکالنا جو قرآن ہی کی دوسری تعلیمات سے متصادم ہوں، قرآن کی منشا کے بالکل خلاف ہے۔

بعض دوسرے لوگ اس آیت کو آخرت سے متعلق مان کر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کے اجر کو دوسرے کی طرف منتقل کر سکے؟ اس کا جواب اگر نفی میں ہو تو دوسرے کے حق میں دعائے استغفار، ایصال ثواب، حج بدل وغیرہ سب ناجائز ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ انتہائی نقطۂ نظر اہل اسلام میں سے معتزلہ کے سوا کسی نے اختیار نہیں کیا۔ جبکہ اہل سنت دوسروں کے حق میں دعائے استغفار کا نافع ہونا بالاتفاق مانتے ہیں، کیونکہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔ البتہ ایصال ثواب میں ان کے درمیان اصولاً نہیں بلکہ صرف تفصیلات میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا، البتہ مالی عبادات مثلاً صدقہ یا مالی و بدنی مرکب عبادات مثلاً حج کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ جبکہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انسان اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے خواہ وہ خالص بدنی ہوں' مالی ہوں یا مالی و بدنی مرکب ہوں۔ یہ بات بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ ان کے دادا العاص نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ ان کے چچا ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کر دیے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے باپ نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو تم ان کی طرف سے روزہ رکھو یا صدقہ کرو، وہ ان کے لیے نافع ہوگا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں اپنے والدین کی خدمت ان کی زندگی میں تو کرتا رہا، ان کے مرنے کے بعد کیسے کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی ان کی خدمت ہی ہے کہ ان کے مرنے کے بعد تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے بھی روزے رکھے۔ ایک اور حدیث میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا قبرستان پر گزر ہوا اور وہ گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا اجر مرنے والوں کو بخش دے تو جتنے مردے ہیں اتنا ہی اجر عطا کر دیا جائے گا۔

ایسی کثیر روایات ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں اور اس امر کی تصریح کر رہی ہیں کہ ایصال ثواب نہ صرف ممکن ہے، بلکہ ہر طرح کی عبادات اور نیکیوں کے ثواب کا ایصال ہو سکتا ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لیں کہ نیک عمل کے دو فائدے ہیں۔ ایک اس کے وہ نتائج جو عمل کرنے والے کی اپنی روح اور اخلاق پر مترتب ہوتے ہیں، اور جن کی بنا پر وہ اللہ کے ہاں بھی جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسرے اس کا وہ اجر ہے جو اللہ تعالیٰ بطور انعام اسے دیتا ہے۔ ایصال ثواب کا تعلق پہلی چیز سے نہیں ہے بلکہ صرف دوسری چیز سے ہے۔ اسی لیے اس کو ایصال جزا نہیں بلکہ ایصال ثواب کہا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن۔ ج5۔ ص215 تا217 سے ماخوذ)۔

آیت نمبر (47 تا62)

ق	ن	ی

(ض۔س) قَنْوًا اللہ کا کسی کو مال دینا۔ مالدار کرنا۔ (اتنا مال دینا جو ضرورت پوری ہونے کے بعد بچ رہے)۔

(افعال) اِقْنَاءً ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔ نمبر 48۔

س	م	د

6776

(ن) سُمُوْدًا تکبر سے سر اونچا کرنا اور سینہ تاننا۔ اکڑ دکھانا۔

سَامِدٌ اسم الفاعل ہے۔ اکڑ دکھانے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔61۔

ترکیب (آیت۔50 تا52) اَهْلَكَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے عَادًا۔ ثَمُوْدَا۔ اور قَوْمَ نُوْحٍ حالت نصب میں ہیں۔ ثَمُوْدُ غیر منصرف ہے اس لیے یہ ثَمُوْدًا کے بجائے ثَمُوْدَ ہے۔ اس کے آگے الف اضافی ہے اور یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ (آیت۔53)۔ اَلْمُؤْتَفِكَةَ اَهْلَكَ کا مفعول نہیں ہے بلکہ یہ اَهْوٰى کا مفعول مقدم ہے۔

ترجمہ

وَاَنَّ عَلَيْهِ	النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿47﴾	وَاَنَّهٗ	هُوَ اَغْنٰى	وَاَقْنٰى ﴿48﴾
اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے	دوسری اٹھان	اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ ہی ضرورت پوری کرتا ہے	اور مالدار کرتا ہے

وَاَنَّهٗ	هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿49﴾	وَاَنَّهٗۤ	اَهْلَكَ	عَادَا الْاُوْلٰى ﴿50﴾	وَثَمُوْدَا
اور حقیقت یہ ہے کہ	وہ ہی شعریٰ کا مالک ہے	اور حقیقت یہ ہے کہ	اس نے ہلاک کیا	پہلے (قبیلہ) عاد کو	اور ثمود کو

فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿51﴾	وَقَوْمَ نُوْحٍ	مِّنْ قَبْلُ ؕ	اِنَّهُمْ كَانُوْا
تو اس نے باقی نہ چھوڑا	اور نوحؑ کی قوم کو	اس سے پہلے	بیشک وہ لوگ تھے

هُمْ اَظْلَمَ	وَاَطْغٰى ﴿52﴾ ؕ	وَالْمُؤْتَفِكَةَ
ہی سب سے زیادہ ظلم کرنے والے	اور سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے	اور الٹ جانے والی بستی کو

اَهْوٰى ﴿53﴾	فَغَشّٰىهَا	مَا غَشّٰى ﴿54﴾ ۚ	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ
اس نے نیچے گرایا	پھر چھایا اس پر	وہ جو چھایا	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس پر

تَتَمَارٰى ﴿55﴾	هٰذَا نَذِيْرٌ	مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾	اَزِفَتِ	الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾ ۚ
تو شک کرے گا	یہ ایک خبردار کرنے والے ہیں	پہلے خبردار کرنے والوں میں سے	قریب ہوئی	قریب ہونے والی (قیامت)

لَيْسَ لَهَا	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	كَاشِفَةٌ ﴿58﴾ ؕ	اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ
نہیں ہے اس کو	اللہ کے سوا	کوئی دور کرنے والی (ہستی)	تو کیا اس بات سے

تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾	وَتَضْحَكُوْنَ	وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿60﴾	وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾
تم لوگ تعجب کرتے ہو	اور تم لوگ ہنستے ہو	اور روتے نہیں	اور تم لوگ اکڑ دکھانے والے ہو

فَاسْجُدُوْا	لِلّٰهِ	وَاعْبُدُوْا ﴿62﴾ ۩
تو تم لوگ سجدہ کرو	اللہ کو	اور تم لوگ بندگی کرو (اس کی)

نوٹ: 1 آیت۔48۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہی ہے جو انسان کی محتاجی کو غِنا سے بدل دیتا ہے۔ یعنی اس کو اتنا مال دیتا ہے کہ اس کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ اور کسی کو اتنا مال دیتا ہے کہ ضروریات پوری کرنے کے بعد کچھ مال بچ رہتا ہے جسے وہ جمع کرتا رہتا ہے اور مالدار بن جاتا ہے۔ (تدبر القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

شِعرٰی آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے۔ انگریزی میں اس کو (Dogstar) کہتے ہیں۔ یہ سورج سے 23 گنا زیادہ روشن ہے۔ مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے۔ اس لیے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے۔ اہلِ مصر اس کی پرستش کرتے تھے کیونکہ اس کے طلوع کے زمانے میں دریائے نیل کا فیضان شروع ہوتا تھا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ یہ اس ستارے کے طلوع کا فیضان ہے۔ جاہلیت میں اہلِ عرب کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ ستارہ لوگوں کی قسمت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آیت۔49۔ کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری قسمتیں شِعرٰی نہیں بناتا بلکہ وہ بناتا ہے جو شعرٰی کا بھی مالک ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔55۔ میں لفظ تتمارٰی استعمال ہوا ہے جس کے معنی شک کرنے کے بھی ہیں اور جھگڑنے کے بھی۔ ضمیر واحد آئی ہے یعنی جو شخص بھی اس کلام کو سن رہا ہو اس کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو جھٹلانے اور ان کے بارے میں پیغمبروں سے جھگڑا کرنے کا جو انجام انسانی تاریخ میں ہو چکا ہے کیا اس کے بعد بھی تو اسی حماقت کا ارتکاب کرے گا۔ پچھلی قوموں نے یہی تو شک کیا تھا کہ جن نعمتوں سے وہ اس دنیا میں مستفید ہو رہے تھے وہ خدائے واحد کی نعمتیں ہیں، یا کوئی اور بھی ان کے مہیا کرنے میں شریک ہے، یا یہ کسی کی فراہم کی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ فراہم ہو گئی ہیں۔ اسی شک کی بنا پر انہوں نے انبیاء سے جھگڑا کیا تھا۔ وہ قومیں اپنے اس شک کا انجام دیکھ چکی ہیں۔ کیا تو بھی وہی شک کرے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ القمر (54)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترکیب

(آیت۔4) جَاءَ کا فاعل مَا ہے۔ فِیۡهِ کی ضمیر ما کی ضمیر عائد ہے۔ مُزۡدَجَرٌ کا مادہ ''ز ج ر'' ہے، یہ باب افتعال سے اسم المفعول ہے اور مبتدا مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ جو مَوۡجُوۡدٌ ہو سکتی ہے۔ جبکہ فِیۡهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ (آیت۔5)۔ النُّذُرُ، نَذِیۡرٌ کی جمع مکسر ہے۔ اس لحاظ سے فعل واحد مؤنث تُغۡنِ آیا ہے۔ یہاں کوئی ایسا عامل نہیں ہے جس کی وجہ سے تُغۡنِ کو منصوب یا مجزوم مانا جا سکے۔ اس لیے یہ مضارع معروف تُغۡنِیۡ ہی ہے۔ اِس آیت میں اس کی یا کو گرا کر لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ (آیت۔6) اسی طرح سے یَدۡعُ اور اَلدَّاعِ دراصل یَدۡعُوۡ اور اَلدَّاعِیۡ ہیں۔ یہاں پر ان کی واو اور یا کو گرا کر لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ (آیت۔7)۔ خُشَّعٌ جمع مکسر ہے۔ اسم الفاعل خَاشِعٌ کی۔ حال ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس نے فعل کی طرح عمل کیا ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ 54، نوٹ۔1) اَبۡصَارُهُمۡ اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے۔

ترجمہ

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ	وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ①	وَاِنۡ یَّرَوۡا	اٰیَةً
قریب ہوئی وہ گھڑی (قیامت)	اور پھٹ گیا چاند	اور اگر وہ لوگ دیکھتے ہیں	کوئی نشانی

يُّعْرِضُوْا	وَيَقُوْلُوْا	سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢	وَكَذَّبُوْا	وَاتَّبَعُوْٓا
تو وہ بے رخی برتتے ہیں	اور کہتے ہیں	(یہ) ہمیشہ ہونے والا جادو ہے	اور انہوں نے جھٹلایا	اور پیروی کی

اَهْوَآءَهُمْ	وَكُلُّ اَمْرٍ	مُّسْتَقِرٌّ ۝٣	وَلَقَدْ جَآءَهُمْ	مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
اپنی خواہشات کی	اور ہر معاملہ	قرار پانے والا ہے	اور بیشک آچکی ہے ان کے پاس	خبروں میں سے

مَا	فِيْهِ	مُزْدَجَرٌ ۝٤	حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ	فَمَا تُغْنِ	النُّذُرُ ۝٥
وہ	جس میں	ایک روکی ہوئی بات (نصیحت آمیز جھڑکی) ہے	جو سمجھ میں آنے والی دانائی ہے	تو بے پرواہ نہیں کرتے	خبردار کرنے والے

فَتَوَلَّ	عَنْهُمْ ۘ	يَوْمَ يَدْعُ	الدَّاعِ	اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦	خُشَّعًا
تو آپؐ منہ پھیر لیں	ان لوگوں سے	جس دن پکارے گا	وہ پکارنے والا	ایک ناگوار چیز کی طرف	اس حال میں کہ جھکنے والی ہوں گی

اَبْصَارُهُمْ	يَخْرُجُوْنَ	مِنَ الْاَجْدَاثِ	كَاَنَّهُمْ	جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٧
ان کی آنکھیں	وہ لوگ نکلیں گے	قبروں میں سے	جیسے کہ وہ	پھیلنے والی ٹڈی دل ہیں

مُّهْطِعِيْنَ	اِلَى الدَّاعِ ؕ	يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ	هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨
دوڑنے والے ہوتے ہوئے	اس پکارنے والے کی طرف	کہیں گے کافر لوگ	یہ ایک سخت دن ہے

نوٹ: 1

آیت۔ 1۔ میں شق قمر کے واقعہ کو قربِ قیامت کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قیامت کو کفار ایک بعید از عقل چیز خیال کرتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ کس طرح ممکن ہوگا کہ یہ ساری کائنات ایک دن بالکل درہم برہم ہو جائے۔ زمین اور اس کے پہاڑوں وغیرہ کو وہ اٹل اور غیر فانی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شقِ قمر کی نشانی دکھا کر بتا دیا کہ اس کائنات کی کوئی بھی چیز نہ خود مختار ہے اور نہ غیر فانی ہے بلکہ ہر چیز اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے گا ان کو درہم برہم کر دے گا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے یہ قیامت کے دن پیش آنے والے واقعہ کی خبر ہے جس کو ماضی کے صیغے میں اس کی قطعیت کے اظہار کے لیے بیان فرمایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت میں پیش آنے والے واقعات قرآن میں ماضی کے صیغے میں بیان ہوئے ہیں لیکن اگر یہاں یہ معنی لیے جائیں تو مفہوم آگے والی بات سے بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ آگے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ کوئی سی بھی نشانی دیکھیں گے تو اس میں اعراض ہی کریں گے۔ اگر چاند کے پھٹنے کا تعلق قیامت سے ہوتا تو اس کے آگے نشانی کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ (تدبر قرآن)۔

اعتراض کرنے والے ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کرّے کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں میل کے فاصلے تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر باہم جڑ جائیں۔ قدیم زمانے میں تو شاید یہ اعتراض چل سکتا تھا لیکن موجودہ دور میں سیاروں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی بنا پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کرّہ اپنے اندر کی آتش فشانی کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے دور تک چلے جائیں اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے سبب سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ آملیں۔ (تفہیم القرآن)۔

دوسرا عام شبہہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے۔ اُس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا۔ اور بعض ممالک میں نصف شب یا آخر شب ہو گی جب عام دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے۔ پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا۔ اس لیے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور اور مستند ''تاریخ فرشتہ'' میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان کی ریاست مالیبار کے راجہ نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوا دیا تھا اور یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس واقعہ کے وقت منیٰ میں موجود تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دیکھ کر کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے۔ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس لیے باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو کہ انہوں نے بھی یہ دیکھا ہے کہ نہیں۔ پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے، جو ہر طرف سے آئے تھے۔ انہوں نے تحقیق کی سب نے اعتراض کیا کہ ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (9 تا 17)

ھ م ر

(ن) هَمَرًا پانی گرانا۔

(انفعال) اِنْهِمَارًا پانی کا گرنا۔ برسنا۔ پانی کا بہنا۔

مُنْهَمِرٌ اسم الفاعل ہے۔ برسنے والا۔ بہنے والا، زیر مطالعہ آیت نمبر۔ 11۔

د س ر

دَسْرًا نیزہ مارنا۔ زور سے گھسانا۔ کیل ٹھونکنا۔

دِسَارٌ ج دُسُرٌ۔ میخ۔ کیل۔ زیر مطالعہ آیت نمبر۔ 13۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ	قَوْمُ نُوْحٍ	فَكَذَّبُوْا	عَبْدَنَا	وَقَالُوْا
جھٹلایا ان لوگوں سے پہلے	نوحؑ کی قوم نے	تو انہوں نے جھٹلایا	ہمارے بندے کو	اور کہا

مَجْنُوْنٌ	وَّازْدُجِرَ ۝۹	فَدَعَا رَبَّهٗٓ	اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ	فَانْتَصِرْ ۝۱۰
(یہ) دیوانہ ہے	اور جھڑکا گیا اس کو	تو انہوںؑ نے پکارا اپنے رب کو	کہ میں مغلوب ہوں	پس تو بدلہ لے

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ	بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱	وَّفَجَّرْنَا	الْاَرْضَ
تو ہم نے کھولے آسمان کے دروازے	برسنے والے پانی کے ساتھ	اور ہم نے پھاڑ کر بہایا	زمین کو

عُيُوْنًا	فَالْتَقَى الْمَآءُ	عَلٰٓى اَمْرٍ	قَدْ قُدِرَ ۝۱۲	وَحَمَلْنٰهُ
بطور چشموں کے	پھر مل گیا وہ پانی	ایک ایسے معاملہ پر جو	اندازہ (مقرر) کیا جا چکا تھا	اور ہم نے سوار کیا انؑ کو

عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ﴿۱۳﴾	تَجْرِيْ	بِاَعْيُنِنَا ۚ	جَزَآءً	لِّمَنْ
ایک تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر	وہ چلتی تھی	ہماری آنکھوں کے سامنے	بدلہ ہوتے ہوئے	اس کے لیے جس کا

كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾	وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ	اٰيَةً	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾
انکار کیا جاتا تھا	اور بیشک ہم نے چھوڑ دیا ہے اس کو	بطور ایک نشانی کے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِيْ	وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
تو کیسا تھا	میرا عذاب	اور میرا خبردار کرنا	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے

الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾
قرآن کو	یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

نوٹ: 1

(آیت۔15) کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اِس عقوبت کو (یعنی طوفان نوح کو) ایک نشانِ عبرت بنا کر چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زیادہ قابل ترجیح معنی یہ ہیں کہ اُس کشتی کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ ایک بلند و بالا پہاڑ پر اس کا موجود ہونا، ہزاروں برس تک لوگوں کو خدا کے غضب سے خبردار کرتا رہا۔ مسلمانوں کی فتح عراق کے زمانے میں یہ کشتی جُودی پر موجود تھی اور ابتدائی دور کے اہل اسلام نے اسے دیکھا تھا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

لفظ ذکر یہاں (آیت۔17) وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تعلیم، تذکیر، آگاہی، تنبیہہ، نصیحت، موعظت، حصولِ عبرت اور اتمام حُجت، یہ سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ قرآن مجید ہمارے اوپر کوئی چیز خارج سے نہیں لادتا بلکہ ہماری فطرت اور عقل میں اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کے جو خزانے ودیعت کیے ہیں اور جن سے ہم غافل ہیں انہی کو ہمارے سامنے اجاگر کرتا ہے اور ان سے بہرہ مند ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

اسلام کا جائزہ خط و کتابت کورس کے حصہ اوّل میں ہم بتا چکے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ پہلے بچے کو کچھ سکھاتے پڑھاتے ہیں، پھر اس کا امتحان لیتے ہیں۔ اسی اصول کے تحت انسان کو جو کچھ سکھا پڑھا کر دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید اور نیکی و بدی کا شعور سرفہرست ہیں۔ البتہ اس دنیا میں آکر انسان انہیں بھول جاتا ہے۔ یعنی وہ باتیں انسان کے شعور سے اتر کر تحت الشعور میں چلی جاتی ہیں۔ اسی لیے انسان کو یاددہانی کی ضرورت ہے تاکہ اس کے بھولے ہوئے اسباق اس کے تحت الشعور سے ابھر کر اس کے شعور میں آجائیں۔ اس لحاظ سے یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کی یاددہانی ہے۔ جبکہ قرآن مجید عقائد اور اعمال کے لیے ایک جامع اور مکمل یاددہانی ہے۔ اور انسان کو اس کے بھولے ہوئے اسباق یاد دلاتا ہے جن سے مسلّح کر کے اسے اس امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو اٰیۃٌ (نشانی) کہا گیا ہے اور قرآن مجید کے جملوں اور فقروں کو بھی آیت کہا گیا ہے کیونکہ کسی انجانی بات کا علم دینا نشانی کا کام (Function) نہیں ہے بلکہ نشانی کا کام یہ ہے کہ وہ اُس بھولی ہوئی چیز کی یاد دلا دے جس کی وہ نشانی ہے۔ شارجہ سے آئے ہوئے میرے ایک دوست نے مجھے ایک گھڑی تحفہ میں دی تھی۔ میری نظر جب بھی اس گھڑی پر پڑتی ہے تو وہ دوست مجھے یاد آجاتا ہے۔ اس دوست کی یاددہانی حاصل کرنے کے لیے مجھے نہ تو کسی منطقی استدلال کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کوئی فیثاغورث کی تھیورم حل کرنی پڑتی ہے۔ بس ایک نشانی نے اس کام کو میرے لیے انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ (مرتب)

ذکر کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کے بھی۔ یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ تورات، زبور یا انجیل لوگوں کو زبانی یاد ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے آسان کرنے کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورا قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے مضامین عبرت ونصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے کہ بڑے سے بڑا عالم، فلسفی اور حکیم جس طرح ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ایک عام آدمی جس کو علوم سے کوئی مناسبت نہ ہو، وہ بھی مضامینِ قرآن کو سمجھ کر ان سے متاثر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (18 تا 32)

ق	ع	ر

(ف) قَعْرًا درخت کو جڑ سے اکھاڑنا۔

(انفعال) اِنْقِعَارًا اکھڑ جانا۔ مر جانا۔

مُنْقَعِرٌ اسم الفاعل ہے۔ اکھڑ جانے والا۔ زیر مطالعہ آیت۔20۔

ء	ش	ر

(س) اَشَرًا مغرور ہونا۔ اترانا۔

اَشِرٌ صفت ہے۔ اترانے والا۔ خود پسند۔ زیر مطالعہ آیت نمبر 25۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ عَادٌ	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
جھٹلایا عاد نے	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا خبردار کرنا	بیشک ہم نے بھیجی ان لوگوں پر

رِيْحًا صَرْصَرًا	فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾	تَنْزِعُ النَّاسَ	كَاَنَّهُمْ
ایک تیز وتند ہوا	ہمیشگی والے نحوست کے دن میں	جو اکھاڑتی تھی لوگوں کو	جیسے کہ وہ لوگ

اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
اکھڑ جانے والے کھجور کے تنے ہوں	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا ڈرانا	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع	كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ	بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾
قرآن کو یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے	جھٹلایا ثمود نے	خبردار کرنے والوں کو

فَقَالُوْٓا	اَبَشَرًا	مِّنَّا	وَاحِدًا	نَّتَّبِعُهٗٓ	اِنَّآ اِذًا	لَّفِيْ ضَلٰلٍ	وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾
تو انہوں نے کہا	کیا ایک ایسا بشر	ہم میں سے	جو تنہا ہے	ہم پیروی کریں گے اس کی	بیشک تب تو ہم	یقیناً گمراہی میں	اور دیوانگی میں ہیں

ءَاُلْقِيَ	الذِّكْرُ	عَلَيْهِ	مِنْۢ بَيْنِنَا	بَلْ هُوَ	كَذَّابٌ	اَشِرٌ ﴿٢٥﴾
کیا ڈالا گیا	اس نصیحت کو	اس پر	ہمارے درمیان سے	بلکہ وہ	انتہائی جھوٹا ہے	خود پسند ہے

سَيَعْلَمُوْنَ	غَدًا	مَّنِ الْكَذَّابُ	الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾	اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ
وہ لوگ جان لیں گے	کل کو	کون انتہائی جھوٹا ہے	خود پسند ہے	بیشک ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں

فِتْنَةً	لَّهُمْ	فَارْتَقِبْهُمْ	وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾	وَنَبِّئْهُمْ	اَنَّ الْمَآءَ
بطور ایک کسوٹی کے	ان کے لیے	تو آپؑ انتظار کریں ان کا	اور ثابت قدم رہیں	آپؑ جتادیں ان کو	کہ یہ پانی

قِسْمَةٌۢ	بَيْنَهُمْ ۚ	كُلُّ شِرْبٍ	مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾	فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
بانٹ ہے	ان کے درمیان	ہر پینے کی باری پر	حاضر کرنے کا وقت ہے	پھر ان لوگوں نے پکارا اپنے ساتھی کو

فَتَعَاطٰى	فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾	فَكَيْفَ كَانَ	عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
تو اس نے ہاتھ بڑھایا (ہتھیار لینے کو)	پھر اس نے ٹانگیں کاٹ دیں	تو کیسا تھا	میرا عذاب اور میرا ڈرانا	بیشک ہم نے بھیجی ان پر

صَيْحَةً وَّاحِدَةً	فَكَانُوْا	كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
ایک ہی چنگھاڑ	تو وہ لوگ تھے	باڑھ بنانے والے کی توڑی ہوئی ٹہنی کی مانند	اور بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو

لِلذِّكْرِ	فَهَلْ	مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾
یاددہانی کے لیے	تو کیا	کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔19۔کا مطلب یہ ہے کہ وہ تند ہوا ایسی نہیں تھی کہ چند جھونکے آئے اور گزر گئے۔ بلکہ وہ ایسے دن شروع ہوئی جس کی نحوست کئی روز تک مسلسل جاری رہی۔ سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت۔16 میں اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (نحوست والے دنوں) کے الفاظ آئے ہیں۔ اور سورہ الحاقہ کی آیت۔7۔ میں فرمایا گیا ہے کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا۔ مشہور یہ ہے کہ جس دن یہ عذاب شروع ہوا وہ بدھ کا دن تھا۔ اسی سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن منحوس ہے اور کوئی کام اس دن شروع نہ کرنا چاہیے۔ لیکن علما نے اس خیال کی تردید کی ہے۔ محقق مناوی کہتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑنا اور نجومیوں کے سے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام، سخت حرام ہے کیونکہ سارے دن اللہ کے ہیں، کوئی دن بذاتِ خود نہ نفع دینے والا ہے اور نہ نقصان۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ سارے دن یکساں ہیں۔ رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے جو کسی کے لیے اچھی، کسی کے لیے بری نہ ہو۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کسی کے لیے موافق اور کسی کے لیے ناموافق حالات پیدا کرتا رہتا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (33 تا 55)

د	ھـ	ی

(ف)

دَهْيًا — مرتبہ گھٹانا۔ مصیبت پہنچانا۔

اَدْهٰى — افعل تفضیل ہے۔ زیادہ یا سب سے بڑی مصیبت ہے۔ زیر مطالعہ آیت۔46۔

س ق ر

6776

(ن) سَقْرًا جھلس دینا۔

سَقَرُ (غیر منصرف ہے) دوزخ (جھلس دینے والی) زیر مطالعہ آیت۔48۔

ترجمہ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ	بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾	اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ	حَاصِبًا	
جھٹلایا لوطؑ کی قوم نے	خبردار کرنے والوں کو	بیشک ہم نے بھیجی ان پر	کنکریاں مارنے والی تند ہوا	
اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ	نَجَّيْنٰهُمْ	بِسَحَرٍ ۙ ﴿٣٤﴾	نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ	
سوائے لوطؑ کے پیروکاروں کے	ہم نے نجات دی ان کو	صبح تڑکے	نعمت ہوتے ہوئے ہمارے پاس سے	
كَذٰلِكَ نَجْزِيْ	مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾	وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ	بَطْشَتَنَا	
اس طرح ہم جزاء دیتے ہیں	اس کو جس نے شکر ادا کیا	اور بیشک اس (لوطؑ) نے خبردار کر دیا تھا	ہماری پکڑ سے	
فَتَمَارَوْا	بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾	وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ	عَنْ ضَيْفِهٖ	
تو انہوں نے شک کیا	ڈرانے کے بارے میں	اور بیشک وہ لوگ پھسلا (چکے) انؑ کو	ان کے مہمانوں کے بارے میں	
فَطَمَسْنَآ	اَعْيُنَهُمْ	فَذُوْقُوْا	عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾	
تو ہم نے مٹا دیں	ان کی آنکھیں	نتیجتاً (اب) تم لوگ چکھو	میرے عذاب کو اور میرے خبردار کرنے کو	
وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ	بُكْرَةً	عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾	فَذُوْقُوْا	
اور بیشک صبح کو آ چکا ہے ان کے پاس	سویرے سویرے	قرار پانے والا عذاب	تو اب چکھو	
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ	لِلذِّكْرِ	فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾	
میرا عذاب اور میرا خبردار کرنا	اور بیشک ہم آسان کر چکے اس قرآن کو	یاددہانی کے لیے	تو کیا کوئی بھی نصیحت حاصل کرنے والا ہے	
وَلَقَدْ جَآءَ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	النُّذُرُ ﴿٤١﴾	كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا	
اور بیشک آ چکے	فرعون کے پیروکاروں کے پاس	خبردار کرنے والے	انہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	
كُلِّهَا	فَاَخَذْنٰهُمْ	اَخْذَ عَزِيْزٍ	مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾	اَكُفَّارُكُمْ
ان کے کل کو	تو ہم نے پکڑا ان کو	ایک زبردست کا پکڑنا	جو پوری طرح قابو یافتہ ہے	کیا تمہارے کافر لوگ
خَيْرٌ	مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ	اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ	فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾	اَمْ يَقُوْلُوْنَ
بہتر ہیں	اُن لوگوں سے	یا تمہارے لیے کوئی (اعلان) براءت ہے	صحیفوں میں	یا وہ لوگ کہتے ہیں
نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾	سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ	وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾		
ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں	شکست دی جائے گی اس جماعت کو	اور وہ لوگ پھیر دیں گے پیٹھوں کو		

بَلِ السَّاعَةُ	مَوْعِدُهُمْ	وَالسَّاعَةُ	اَدْهٰى وَ	اَمَرُّ ﴿۴۶﴾	اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ
بلکہ وہ گھڑی	ان کے وعدے کا وقت ہے	اور وہ گھڑی	سب سے بڑی مصیبت ہے	اور انتہائی کڑوی ہے	بیشک جرم کرنے والے

6776

فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾	يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ	فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ	ذُوْقُوْا
گمراہی اور جنون میں ہیں	جس دن وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے	آگ میں اپنے چہروں کے بل	(اور کہا جائے گا) تم لوگ چکھو

مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾	اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ	خَلَقْنٰهُ	بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾	وَمَآ اَمْرُنَآ	اِلَّا وَاحِدَةٌ
دوزخ کی چھواہٹ (آنچ) کو	بیشک ہر چیز!	ہم نے پیدا کیا اس کو	ایک اندازے سے	اور نہیں ہے ہمارا حکم	مگر ایک (فرمان)

كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾	وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ	اَشْيَاعَكُمْ	فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾
چشم زدن کی طرح	اور بیشک ہم ہلاک کر چکے ہیں	تمہارے گردنواں کو	تو کیا کوئی بھی یاددہانی حاصل کرنے والا ہے

وَكُلُّ شَيْءٍ	فَعَلُوْهُ	فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾	وَكُلُّ صَغِيْرٍ	وَّ كَبِيْرٍ	مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾
اور ہر ایسی چیز	انہوں نے ارتکاب کیا جس کا	صحیفوں میں ہے	اور ہر چھوٹی (چیز)	اور بڑی (چیز)	لکھی ہوئی ہے

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ	فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾	فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ	عِنْدَ مَلِيْكٍ	مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع
بیشک متقی لوگ	باغوں اور نہر میں ہوں گے	سچائی کی بیٹھنے کی جگہ میں	ایک ایسے دائمی بادشاہ کے پاس جو	پوری قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ:1

آیت۔37۔ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل سورہ ہود کی آیات 77 تا 83 میں اور سورہ حجر کی آیات 61 تا 74 میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قومِ لوطؑ پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے ہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا۔ ان کی قوم کے لوگوں نے جب انہیں دیکھا تو حضرت لوطؑ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مہمان ان کے حوالے کر دیں۔ لوطؑ نے ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکالنے کی کوشش کی۔ یکا یک ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ وہ اور ان کے گھر والے صبح ہونے سے پہلے اس بستی سے نکل جائیں۔

بائبل میں یہ بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''تب وہ اُس مرد (یعنی لوطؑ) پر پل پڑے اور نزدیک آئے تا کہ کواڑ توڑ ڈالیں۔ لیکن اُن مردوں (یعنی فرشتوں) نے ہاتھ بڑھا کر لوطؑ کو گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر دیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے اندھا کر دیا سو وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔'' (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

آیت۔43 میں قریش سے خطاب کر کے فرمایا کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام تم نے سن لیا۔ اب بتاؤ کہ انہی کی روش جب تم نے اختیار کی ہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں کرے گا۔ کیا تمہاری قوم کے کفار اِن سے بہتر ہیں یا آسمانی صحیفوں میں تمہارے لیے کوئی برأت نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرو تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ اللہ کے عدل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی قانون کے تحت معاملہ کرے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیات۔ 44۔ 45۔ میں وہ صریح پیشگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت، جس کی طاقت کا

انہیں بڑا زعم تھا، مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی۔ اُس وقت کوئی شخص یہ تصور تک نہ کر سکتا تھا کہ یہ انقلاب کیسے ہوگا۔ مسلمانوں کی بے بسی کا حال یہ تھا کہ ان میں سے ایک گروہ ملک چھوڑ کر حبشہ میں پناہ گزیں تھا اور باقی بچے ہوئے اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ اس وقت کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جانے والا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب سورہ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کون سی جمعیت ہے جو شکست کھائے گی۔ مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرہ پہنے ہوئے آگے کی طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ تھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔49۔ میں قدر کا لفظ آیا ہے۔ قدر کے لغوی معنی اندازہ کرنے اور کسی چیز کو حکمت و مصلحت کے مطابق اندازے سے بنانے کے ہیں۔ اس آیت میں یہ لغوی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں لفظ قدر بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے اور اکثر ائمہ تفسیر نے بعض احادیث کی بناء پر اس آیت میں قدر سے تقدیر الٰہی مراد لی ہے۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمام عالم کی ایک ایک چیز کو تقدیر ازلی کے مطابق بنایا ہے یعنی پیدا ہونے والی ہر چیز اور اس کی مقدارِ زمانہ و مکان اور اس کے بڑھنے گھٹنے کا پیمانہ، عالم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا۔ جو کچھ اِس عالم میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔

تقدیر کا یہ مسئلہ اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ جو فرقے بتاویل انکار کرتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اُمت میں کچھ لوگ مجوسی ہوتے ہیں اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور مر جائیں تو ان کے کفن دفن میں شریک مت ہو۔ (معارف القرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الرحمٰن (55)

آیت نمبر (1 تا 16)

ترجمہ

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾	عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾	خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾
(وہ ہی) انتہائی رحم کرنے والا ہے	جس نے تعلیم دی قرآن کی	اس نے پیدا کیا انسان کو

عَلَّمَهُ	الْبَيَانَ ﴿۴﴾	اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ	بِحُسْبَانٍ ۬ۖ﴿۵﴾	وَّالنَّجْمُ
اس نے سکھایا اس کو	مافی الضمیر واضح کرنا	سورج اور چاند	ایک حساب سے ہیں	جڑی بوٹیاں

وَالشَّجَرُ	يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾	وَالسَّمَآءَ	رَفَعَهَا	وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾
اور سارے درخت	سجدہ کرتے ہیں	اور اس آسمان کو	اس نے بلند کیا اس کو	اور اس نے اتارا اس ترازو (توازن کے معیار) کو

اَلَّا تَطْغَوْا	فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾	وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ	بِالْقِسْطِ	وَلَا تُخْسِرُوا
کہ تم لوگ بے اعتدالی مت کرو	توازن کے معیار میں	اور قائم رکھو تولنے کو	انصاف سے	اور کمی مت کرو

الْمِيْزَانَ ۝٩	وَالْاَرْضَ	وَضَعَهَا	لِلْاَنَامِ ۝١٠	فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۖ
ترازو میں	اور اس زمین کو؟	اس نے رکھا اس کو	مخلوق کے لیے	اس (زمین) میں پھل ہے

وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١ ۖ	وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ	وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ ۚ
اور غلافوں والی کھجوریں	اور بھوسے والے دانے	اور خوشبودار پودے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝١٣	خَلَقَ الْاِنْسَانَ
تو تم دونوں (جن وانس) اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اس نے پیدا کیا انسان کو

مِنْ صَلْصَالٍ	كَالْفَخَّارِ ۝١٤	وَخَلَقَ الْجَآنَّ	مِنْ مَّارِجٍ
ایک کھنکتی مٹی سے	جیسے ٹھیکرا	اور اس نے پیدا کیا جن کو	ایک ایسے شعلے سے جو

مِّنْ نَّارٍ ۚ ۝١٥	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ۝١٦
آگ سے تھا	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ: 1

اس سے پہلی سورۃ القمر میں زیادہ تر مضامین سرکش قوموں پر عذاب آنے کے متعلق تھے۔ اس لیے ہر عذاب کے ذکر کے بعد لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک خاص جملہ بار بار استعمال فرمایا ہے، یعنی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۔ اور اس کے متصل ایمان واطاعت کی ترغیب کے لیے دوسرا جملہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ بار بار لایا گیا ہے۔ سورہ الرحمٰن میں اس کے مقابل بیشتر مضامین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں ہیں۔ اسی لیے جب کسی نعمت یا نعمتوں کا ذکر فرمایا تو شکرِ نعمت کی ترغیب کے لیے فرمایا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور پوری سورت میں یہ جملہ 31۔ مرتبہ لایا گیا ہے۔ جو بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے اور کسی لفظ یا جملے کا تکرار بھی تاکید کا فائدہ دیتا ہے، اس لیے وہ فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں ہے۔ خصوصاً اِن دونوں سورتوں میں جن جملوں کی تکرار ہوئی ہے، وہ صورت کے اعتبار سے تو تکرار ہے لیکن ہر ایک جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے مکرر محض نہیں ہے۔ کیونکہ سورۃ القمر میں ہر نئے عذاب کے ذکر کے بعد اُس کا جملہ دہرایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ رحمٰن میں ہر نئی نعمت کے بیان کے بعد اُس کے جملے کی تکرار کی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار کو فصحاء و بلغاء عرب کے کلام میں مستحسن اور شیریں سمجھتے ہیں۔ اس کو نثر اور نظم دونوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور صرف عربی ہی نہیں، فارسی اور اُردو کے مسلم شعراء کے کلام میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ (معارف القرآن) اُردو کی نظموں میں ایسے جملوں کو ٹیپ کا بند کہتے ہیں (مرتب)۔

نوٹ: 2

تُكَذِّبٰنِ تثنیہ کا صیغہ ہے کیونکہ خطاب جن و انس دونوں سے ہے۔ گو جن کا ذکر تصریحاً پہلے نہیں ہوا لیکن اَنَام میں وہ شامل ہیں۔ اور آیت۔ 13 کے بعد ہی آدمی اور جن کی کیفیت تخلیق بتائی گئی ہے۔ اور چند آیات کے بعد جن و انس کو تصریحاً خطاب کیا گیا ہے۔ یہ قرائن دلالت کرتے ہیں کہ یہاں مخاطب وہ ہی دونوں ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ رحمٰن خود تلاوت فرمائی یا آپ ﷺ کے سامنے یہ سورہ پڑھی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تم سے ویسا اچھا جواب نہیں سن رہا ہوں جیسا جنوں نے اپنے رب کو دیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا جواب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو جن اس کے جواب میں کہتے لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ (ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے)۔ (تفہیم القرآن۔ ج۵، ص۲۴۴)

نوٹ: 3

اَنَام عربی زبان میں خلق کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں انسان اور سب زندہ مخلوقات شامل ہیں۔ سب جاندار اَنَام ہیں۔ یہی معنی تمام اہلِ لغت نے بیان کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اِس آیت سے زمین کو ریاست کی ملکیت بنانے کا حکم نکالتے ہیں وہ ایک فضول بات کہتے ہیں۔ یہ باہر کے نظریات لاکر قرآن میں زبردستی ٹھونسنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے جس کا ساتھ نہ آیت کے الفاظ دیتے ہیں اور نہ سیاق و سباق۔ اَنَام صرف انسانی معاشرے کو نہیں کہتے ہیں بلکہ زمین کی دوسری مخلوقات بھی اس میں شامل ہیں۔ اور زمین کو اَنَام کے لیے وضع کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب کی مشترکہ ملکیت ہو۔ اور سیاق عبارت بھی یہ نہیں بتا رہا ہے کہ کلام کا مدعا اس جگہ کوئی معاشی ضابطہ بیان کرنا ہے۔ یہاں تو مقصود دراصل یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو اس طرح بنایا اور تیار کر دیا کہ یہ قسم قسم کی زندہ مخلوقات کے لیے رہنے بسنے کے قابل ہو گئی۔ (تفہیم القران)۔

نوٹ: 4

تخلیق انسانی کے ابتدائی مراتب جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں، ان کی سلسلہ وار ترتیب مختلف مقامات کی تصریحات کو جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے۔ (۱) تراب یعنی مٹی یا خاک۔ (۲) طین یعنی گارا جو مٹی میں پانی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ (۳) طین لازب یعنی وہ گارا جس کے اندر کچھ عرصہ بعد لیس پیدا ہو جائے۔ (۴) حَمَأٍ مَسْنُوْن۔ وہ گارا جس کے اندر بُو پیدا ہو جائے۔ (۵) صَلْصَالٍ كَالْفَخَّار۔ وہ سڑا ہوا گارا جو سوکھنے کے بعد پکی ہوئی مٹی کے ٹھیکرے جیسا ہو جائے۔ (۶) بَشَر۔ جو مٹی کی اس آخری صورت سے بنایا گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح پھونکی جس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، پھر اس کی نسل ایک حقیر پانی جیسے ست سے چلائی گئی جس کے لیے دوسرے مقامات پر نطفہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

جس طرح پہلا انسان مٹی سے بنایا گیا، پھر تخلیق کے مختلف مدارج سے گزرتے ہوئے اس کے لُبِدِ خاکی نے گوشت پوست کے بشر کی شکل اختیار کی اور آگے اس کی نسل نطفہ سے چلی، اسی طرح پہلا جن آگ کے شعلے یا لپٹ سے پیدا کیا گیا اور بعد میں اس کی ذریت سے جنوں کی نسل پیدا ہوئی۔ زندہ بشر بن جانے کے بعد انسانوں کو اُس مٹی سے کوئی مناسبت باقی نہیں رہی جس سے ان کو پیدا کیا گیا تھا۔ اگرچہ اب بھی ہمارا جسم پورا کا پورا زمین کے اجزاء سے مرکب ہے لیکن ان اجزاء نے گوشت پوست اور خون کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا ہی معاملہ جنوں کا بھی ہے، ان کا وجود بھی اصلاً ایک آتشیں وجود ہی ہے لیکن جس طرح ہم محض تودۂ خاک نہیں ہیں اسی طرح وہ بھی محض شعلۂ آتش نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جن مجرد روح نہیں ہیں بلکہ ایک خاص نوعیت کے مادی اجسام ہی ہیں۔ مگر چونکہ وہ خالص آتشیں اجزاء سے مرکب ہیں اس لیے وہ خاکی اجزاء سے بنے ہوئے انسانوں کو نظر نہیں آتے۔ اس چیز کی طرف سورۃ الاعراف کی آیت۔ 27۔ میں اشارہ ہے کہ شیطان اور اس کا قبیلہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں تم ان کو نہیں دیکھتے۔ اسی طرح جنوں کا سریع الحرکت ہونا، ان کا بہ آسانی مختلف شکلیں اختیار کر لینا، اور ان مقامات پر غیر محسوس طریقے سے نفوذ کر جانا جہاں خاکی اجزاء سے بنی ہوئی چیزیں نفوذ نہیں کر سکتیں۔ یہ سب امور اسی وجہ سے ممکن اور قابل وہم ہیں کہ وہ فی الاصل آتشیں مخلوق ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (17 تا 34)

6776

ف ن ی

(س) فَنَاءً معدوم ہونا۔ ہلاک ہونا۔
فَانٍ اسم الفاعل ہے۔ معدوم ہونے والا۔ زیر مطالعہ آیت نمبر۔26۔

ج ل ل

(ض) جَلَالًا بڑی شان والا ہونا۔ بلند مرتبہ ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔27۔

ترکیب

(آیت۔27) ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَام۔ میں ذُوْ کا حالتِ رفع میں ہونا بتا رہا ہے کہ یہ فقرہ رَبِّكَ میں رَبِّ کی صفت نہیں ہے بلکہ وَجْهُ کی صفت ہے۔ اگر رَبِّ کی صفت ہوتی تو ذِیْ آتا۔ جیسا کہ آخری آیت میں آیا ہے۔ (آیت۔29) يَسْئَلُ کا مفعول اس کے ساتھ هٗ کی ضمیر مفعولی ہے۔ جبکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مَنْ اس کا فاعل ہے۔ هُوَ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو مُشْتَغِلٌ ہو سکتی ہے۔ فِيْ شَاْنٍ متعلق خبر اور كُلَّ يَوْمٍ ظرف ہے اس لیے كُلَّ حالت نصب میں آیا ہے۔ (آیت۔31)۔

فَرَغَ۔ يَفْرُغ کے بنیادی معنی تو فارغ ہونا ہی ہے البتہ جب یہ لام کے صلہ کے ساتھ فَرَغَ لَكَ آتا ہے تو عربی محاورہ کے مطابق اس میں عموماً دھمکی کا مفہوم ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں ہم کہتے ہیں ''میں تمہیں دیکھ لوں گا'' یا انگریزی میں کہتے ہیں I Will See You۔ بظاہر یہ دونوں سادہ سے جملے ہیں لیکن ان میں جو دھمکی شامل ہے اسے دونوں زبانوں کے اہل زبان خوب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سَاَفْرُغُ لَكَ کا ترجمہ تو یہی بنے گا کہ میں فارغ ہو جاؤں گا تیرے لیے۔ لیکن اس کا اصل مفہوم ہے میں فارغ ہو جاؤں گا تیری خبر لینے کے لیے، ترجمہ میں اس مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ترجمہ

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ	وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾
دونوں مشرقوں کا مالک	اور دونوں مغربوں کا مالک	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ	يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾	بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ
اس نے رواں کیے دو سمندر	وہ دونوں ملتے ہیں	ان دونوں کے درمیان ایک پردہ (ہوتا) ہے

لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾
(تو) وہ دونوں چڑھائی نہیں کرتے (ایک دوسرے پر)	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

يَخْرُجُ مِنْهُمَا	اللُّؤْلُؤُ	وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾
نکلتے ہیں ان دونوں سے	موتی	اور مونگے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

وَلَهُ	الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ	فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾
اور اس کی ہی (ملکیت) ہیں	اوپر اٹھائی ہوئی کشتیاں	سمندر میں پہاڑوں کی مانند

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾	کُلُّ مَنْ	عَلَیْهَا	فَاٰنٍ ﴿۲۶﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اس کا ہر ایک جو	اس (زمین) پر ہے	فنا ہونے والا ہے

وَّیَبْقٰی	وَجْهُ رَبِّكَ	ذُو الْجَلٰلِ	وَالْاِکْرَامِ ﴿۲۷﴾	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾
اور باقی رہے گا	آپؐ کے رب کا چہرہ جو	انتہائی بلند مرتبہ والا ہے	اور بزرگی والا ہے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

یَسْئَلُهٗ	مَنْ	فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	کُلَّ یَوْمٍ	هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾
مانگتے ہیں اسی سے	وہ سب جو	آسمانوں اور زمین میں ہیں	ہر روز	وہ (اپنی عظمت کے مطابق) کسی کام میں ہے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾	سَنَفْرُغُ	لَکُمْ	اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ہم فارغ ہو جائیں گے	تمہارے (حساب کتاب کے) لیے	اے دو بھاری (گروہ)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾	یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	اے انسانوں اور جنوں کے گروہ

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ	اَنْ تَنْفُذُوْا	مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	فَانْفُذُوْا ؕ
اگر تمہیں استطاعت ہے	کہ تم لوگ پار نکل جاؤ	آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے	تو نکل جاؤ

لَا تَنْفُذُوْنَ	اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا	تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾
تم لوگ نہیں نکل سکو گے	مگر کسی قوت سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ: 1

دو مشرقوں اور دو مغربوں سے مراد جاڑے کے چھوٹے سے چھوٹے دن اور گرمی کے بڑے بڑے دن کے مشرق و مغرب بھی ہو سکتے ہیں۔ جاڑے کے سب سے چھوٹے دن میں سورج ایک نہایت تنگ زاویہ بنا کر طلوع و غروب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس گرمی کے سب سے بڑے دن میں وہ انتہائی وسیع زاویہ بناتے ہوئے نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ہر روز اس کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہ مختلف ہوتی رہتی ہے جس کے لیے ایک دوسرے مقام پر بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (70/المعارج:40) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مشرقوں اور مغربوں کا رب کہنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی کے حکم سے سورج کے طلوع و غروب اور سال کے دوران میں ان کے مسلسل بدلتے رہنے کا یہ نظام قائم ہے۔ اور اپنی مخلوقات کی پرورش کے لیے اس نے زمین پر سورج کے ڈوبنے اور نکلنے کا یہ حکیمانہ نظام قائم کیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔22۔ میں ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ معترضین اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ موتی اور مونگے تو صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں، پھر یہ کیسے کہا گیا کہ میٹھے اور کھاری دونوں پانیوں سے یہ چیزیں نکلتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سمندر میں میٹھا اور کھاری دونوں طرح کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ اور کچھ عجیب نہیں کہ مزید تحقیقات سے یہ ثابت ہو کہ ان چیزوں کی پیدائش سمندر میں اُس جگہ ہوتی

ہے جہاں اس کی تہ سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ان کی پیدائش و پرورش میں دونوں طرح کے پانیوں کے اجتماع کو کچھ دخل ہے۔ بحرین میں جہاں قدیم ترین زمانے سے موتی نکالے جا رہے ہیں، وہاں تو یہ بات ثابت ہے کہ خلیج کی تہ میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔ 6776

قانون قدرت یہ ہے کہ اشیاء کی پیدائش تضادات کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ بچہ مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ پرورش اگرچہ ماں کے پیٹ میں پاتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ عورت اور مرد دونوں سے وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح موتی شیریں اور کھاری دونوں ہی پانیوں کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں اگرچہ وہ پرورش کھاری پانی کے اندر ہی پاتے ہوں، ویسے ہمارے نزدیک معترضین کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ موتی صرف کھاری پانی سے نکلتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں موتی (Pearl) پر جو مضمون ہے، اس کا ایک اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مونگے اور موتی میٹھے پانی سے بھی نکلتے ہیں۔ مضمون نگار لکھتا ہے:

''نصف کرۂ شمالی کے منطقہ معتدلہ میں میٹھے پانی کے سیپ کے کیڑے بہت قیمتی موتی پیدا کرتے رہے ہیں۔ امریکہ کے میٹھے پانی کے موتی زیادہ تر دریائے مسی سی پی سے نکلتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ کے دریاؤں Spey اور Tay اور شمالی ویلز کے دریا Conway سے نکلنے والے موتی کی ایک زمانے میں بہت مانگ رہی ہے۔ چین میں میٹھے پانی سے موتی نکالنے کی صنعت ایک ہزار سال قبل مسیح سے معروف ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔29 میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی ساری مخلوقات اور ان کا ایک ایک فرد اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کی درخواست پورا کرنے کے لحاظ سے ایک خاص شان میں ہوتے ہیں۔ پھر آیت۔31۔ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز درخواستوں اور ان کے قبول اور ان پر عمل کا سب سلسلہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت کام صرف ایک رہ جائے گا یعنی حساب و کتاب اور عدل انصاف کے ساتھ فیصلہ۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:4 مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں آسمانوں اور زمین سے مراد ہے کائنات یا بالفاظ دیگر خدا کی خدائی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی گرفت سے بچ نکلنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ جس باز پرس کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے اس کا وقت آنے پر تم خواہ کسی جگہ بھی ہو، بہر حال پکڑ لائے جاؤ گے۔ اس سے بچنے کے لیے تمہیں خدا کی خدائی سے بھاگ نکلنا ہوگا اور اس کا بل بوتا تم میں نہیں ہے۔ اگر ایسا گھمنڈ تم اپنے دل میں رکھتے ہو تو اپنا زور لگا کر دیکھ لو۔ (تفہیم القرآن)۔

اس زمانے میں جو زمین کی کشش سے باہر نکلنے اور خلا میں سیارات میں پہنچنے کے تجربات ہو رہے ہیں، وہ سب ظاہر ہے کہ آسمان کی حدود سے باہر نہیں ہیں بلکہ سطح آسمان سے بہت نیچے ہو رہے ہیں۔ اقطار السمٰوٰت سے باہر نکل جانے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پار نکلنا تو کجا یہ تو اقطار السمٰوٰت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکے۔ بعض سادہ لوح لوگ اس آیت ہی کو خلائی سفروں کے امکان و جواز کے لیے پیش کرنے لگے جو معانی قرآن سے بالکل ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (35 تا 45)

ش و ظ

(ن) شَوْظًا غصہ کا بھڑک اُٹھنا۔

شَوَاظٌ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ آگ یا سورج کی تپش۔ زیر مطالعہ آیت۔35

ترجمہ 6776

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا	شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ	وَّنُحَاسٌ	فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾
بھیجا جائے گا تم دونوں پر	ایک شعلہ کسی آگ سے	اور دھواں (بھی)	پھر تم دونوں بدلہ نہ لے پاؤ گے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾	فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ	فَكَانَتْ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	پھر جب پھٹ جائے گا آسمان	تو وہ ہو جائے گا

وَرْدَةً	كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
گلابی	جیسے تیل کی تلچھٹ	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ	عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ	اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
پھر اُس دن نہیں پوچھا جائے گا	اس کے گناہ کے بارے میں	کسی انسان سے اور نہ کسی جن سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾	يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ	بِسِيْمٰهُمْ	فَيُؤْخَذُ	بِالنَّوَاصِيْ
تم دونوں جھٹلاؤ گے	پہچانے جائیں گے جرم کرنے والے لوگ	اپنی علامت سے	پھر اس کو پکڑا جائے گا	پیشانیوں سے

وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾	هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ
اور قدموں سے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	یہ وہ جہنم ہے

يُكَذِّبُ بِهَا	الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾	يَطُوْفُوْنَ	بَيْنَهَا
جھٹلاتے تھے جس کو	جرم کرنے والے لوگ	وہ لوگ طواف کریں گے	اس (جہنم) کے

وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾
اور ایک انتہائی گرم پانی کے مابین	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ: 1

قیامت کے دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ تم نے فلاں جرم کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے۔ مجاہدؒ نے فرمایا کہ فرشتے جو مجرمین کے عذاب پر مامور ہیں ان کو مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ تم نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہر جرم کی ایک خاص نشانی مجرمین کے چہروں سے ظاہر ہوگی۔ فرشتے وہ نشانی دیکھ کر ان کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: کہ اس روز مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور رنج وغم سے چہرے فق ہوں گے۔ (معاف القران سے ماخوذ)۔

نوٹ: 2

جرم کی حقیقی بنیاد قرآن کی نگاہ میں یہ ہے کہ بندہ جو اپنے رب کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اپنے نزدیک یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نعمتیں کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں بلکہ آپ سے آپ اسے مل گئی ہیں۔ یا یہ کہ یہ نعمتیں خدا کا عطیہ نہیں بلکہ اس کی اپنی قابلیت یا خوش نصیبی کا پھل ہیں۔ یا یہ کہ خدا نے خود یہ مہربانیاں اس پر نہیں کی ہیں بلکہ کسی دوسری ہستی نے اس سے کرا دی ہیں۔ یہی وہ غلط تصورات ہیں جن کی بنا پر آدمی خدا سے بے نیاز اور اس کی اطاعت و بندگی سے آزاد ہو کر دنیا میں وہ افعال کرتا ہے جن سے خدا نے منع کیا ہے اور وہ افعال نہیں کرتا جن کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس لحاظ سے ہر جرم اور ہر گناہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی تکذیب ہے قطع نظر اس سے کہ کوئی شخص زبان سے ان کا انکار کرتا

ہو یا اقرار۔ مگر جو شخص تکذیب کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ اس کے ذہن کی گہرائیوں میں تکذیب موجود ہوتی ہے، وہ اگر کسی بشری کمزوری سے کوئی قصور کر بیٹھتا ہے تو اس پر استغفار کرتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ چیز اسے مکذبین میں شامل ہونے سے بچا لیتی ہے۔ اس کے سوا باقی تمام مجرم درحقیقت اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جب تم لوگ مجرم کی حیثیت سے گرفتار ہو جاؤ گے اس وقت ہم دیکھیں گے کہ تم ہمارے کس کس احسان کا انکار کرتے ہو۔ (تفہیم القران)۔

آیت نمبر (46 تا 59)

ف ن ن

(ن) فَنًّا کسی چیز کو مزین کرنا۔

فَنَانٌ ج اَفْنَانٌ۔ ہری بھری شاخ۔ زیر مطالعہ آیت۔48۔

ط م ث

(ض) طَمْثًا چھونا۔ ہاتھ لگانا۔ زیر مطالعہ آیت۔56۔

ترکیب (آیت۔54)۔ نوٹ کر لیں کہ اِسْتَبْرَق کا ہمزہ، ہمزۃ الوصل نہیں ہے بلکہ ہمزۃ القطع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مِنَ اسْتَبْرَقٍ کے بجائے مِنْ اِسْتَبْرَقٍ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کا باب استفعال سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک جامد لفظ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غیر عربی لفظ ہے۔ ڈکشنری میں بہرحال یہ مادہ ''ب رق'' کے تحت ہی دیا جاتا ہے۔

ترجمہ

وَلِمَنْ خَافَ	مَقَامَ رَبِّهٖ	جَنَّتٰنِ ۚ﴿۴۶﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
اور اس کے لیے جو ڈرا	اپنے رب (کے سامنے) کھڑے ہونے کے وقت سے	دو باغ ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾	ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ﴿۴۸﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	(وہ دونوں باغ) ہری بھری شاخوں والے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ	تَجْرِيٰنِ ۚ﴿۵۰﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾
ان دونوں میں دو چشمے ہیں	بہتے ہوئے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ	زَوْجٰنِ ۚ﴿۵۲﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾
ان دونوں میں ہر پھل سے	دو جوڑے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مُتَّكِـِٕيْنَ	عَلٰى فُرُشٍ	بَطَآئِنُهَا	مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ
ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے	بچھونوں پر	جن کے استر	چمکیلے ریشم سے ہوں گے

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ	دَانٍ ۚ﴿۵۴﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
اور دونوں باغ کے تازہ پھل	نزدیک ہونے والے ہوں گے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾	فِيْهِنَّ	قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ	لَمْ يَطْمِثْهُنَّ
تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان (نعمتوں) میں	پلک نیچے رکھنے والیاں ہوں گی	ہاتھ لگایا ہی نہیں جن کو

اِنْسٌ	قَبْلَهُمْ	وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ ۚ	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ ۚ
کسی انسان نے	ان سے پہلے	اور نہ کسی جن نے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

كَاَنَّهُنَّ	الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ ۚ	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾
جیسے کہ وہ (عورتیں)	یاقوت اور مونگے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

نوٹ:1

آیت۔52۔ میں پھلوں کے دو جوڑے کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں باغوں کے پھلوں کی شان نرالی ہوگی۔ ایک باغ میں ایک شان کے پھل اس کی شاخوں میں لدے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے باغ کے پھلوں کی شان کچھ اور ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر باغ میں ایک قسم کے پھل جانے پہچانے ہوں گے جن سے وہ دنیا میں بھی آشنا تھا۔ اور دوسری قسم کے پھل نادر ہوں گے جو دنیا میں کبھی اس کے خواب وخیال میں بھی نہ آئے تھے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

آیت۔56۔ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جنت میں نیک انسانوں کی طرح نیک جن بھی داخل ہوں گے۔ وہاں جس طرح انسان مردوں کے لیے انسان عورتیں ہوں گی اسی طرح جن مردوں کے لیے جن عورتیں بھی ہوں گی۔ دونوں کی رفاقت کے لیے انہی کے ہم جنس جوڑے ہوں گے۔ (تفہیم القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب

کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com, www.khuddam-ul-quran.com

0412437781,0412437618,03217805614

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

آیت نمبر (60تا78)

6800

د ھ م

(ف،س) دَهْمًا اچانک آگرنا۔دھم سے آپڑنا۔

(تفعیل) تَدْهِيْمًا آگ کا ہانڈی کو سیاہ کرنا۔

(افعلال) اِدْهِمَامًا سیاہی مائل ہوجانا۔

مُدْهَامٌّ اسم الفاعل ہے۔سیاہی مائل ہوجانے والا (ایسے گہرے سبز رنگ کے لیے آتا ہے جو سیاہی مائل ہوگیا ہو) زیر مطالعہ آیت۔64۔

ن ض خ

(ف) نَضْخًا پانی کا چشمہ سے زور سے پھوٹنا۔

نَضَّاخٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔بہت پھوٹنے والا،زیر مطالعہ۔66۔

خ ی م

(ض) خَيْمًا کسی جگہ اقامت کرنا۔

خَيْمَةٌ ج خِيَامٌ۔اقامت گاہ۔ہر ایسا ڈیرہ جو مٹی۔اینٹ۔پتھر وغیرہ سے نہ بنایا گیا ہو۔خیمہ۔زیر مطالعہ آیت۔72۔

ر ف ف

رَفًّا درخت کی شاخوں کا لہلہانہ۔

رَفْرَفٌ ریشمی کپڑا جس پر درختوں اور پھولوں کے نقش ونگار بنے ہوتے ہیں اور جس سے فرش، تکیے اور دوسرا زینت کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔(معارف القرآن)۔زیر مطالعہ آیت۔76۔

ترجمہ

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ	اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
کیا (ہوسکتا) ہے بھلائی کا بدلہ	سوائے بھلائی کے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾	وَمِنْ دُوْنِهِمَا	جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	اوران دو (باغ) کے علاوہ	دو باغ (اور بھی) ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾
(یہ دونوں باغ) سیاہی مائل سبز ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے

فِيهِمَا	عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
ان دونوں (باغ) میں	بہت ابلنے والے دو چشمے ہیں	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾	فِيهِمَا	فَاكِهَةٌ	وَّنَخْلٌ	وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان دونوں میں	میوے ہیں	اور کھجوریں ہیں	اور انار ہیں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾	فِيهِنَّ	خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ان سب (نعمتوں) میں	خوبصورت نیک اطوار والیاں ہیں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾	حُورٌ مَّقْصُورٰتٌ	فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	رہائش دی ہوئی حوریں ہیں	خیموں میں

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾	لَمْ يَطْمِثْهُنَّ	اِنْسٌ	قَبْلَهُمْ
تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ہاتھ لگایا ہی نہیں جن کو	کسی انسان نے	ان سے پہلے

وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾	مُتَّكِـِٕيْنَ
اور نہ کسی جن نے	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو	تم دونوں جھٹلاؤ گے	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے

عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ	وَّعَبْقَرِيٍّ	حِسَانٍ ﴿٧٦﴾	فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
سبز ریشمی مسندوں پر	اور کچھ نادر	خوبصورت (چیزوں) پر	تو اپنے رب کی نعمتوں سے کس کس کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾	تَبٰرَكَ	اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾
تم دونوں جھٹلاؤ گے	بابرکت ہوا	آپؐ کے بلند مرتبہ اور بزرگی والے رب کا نام

نوٹ:1

آیت۔46۔ میں دو جنتوں کے سوا اب آیت۔62۔ میں دو اور جنتوں کا ذکر ہے جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے مذکورہ جنتوں کے ساتھ اشتراک بھی رکھتی ہیں اور بعض اعتبار سے ان سے مختلف بھی ہیں۔ان کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں قسم کی جنتوں کے حقدار ایک ہی قسم کے لوگ ہوں گے یا الگ الگ قسم کے لوگ۔آگے سورۂ واقعہ میں اہل ایمان کو دو گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے اصحٰب المیمنہ اور السابقون۔ اس وجہ سے قرین قیاس بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آیت۔ 46۔میں سابقون یعنی مقربین کی جنت کا ذکر ہے اور اب آیت۔62۔میں اصحٰب المیمنہ اور یعنی صالحین کی جنت کا ذکر ہے۔ظاہر ہے کہ جس طرح دونوں گروہوں کے مرتبہ میں فرق ہے، اسی طرح دونوں گروہوں کی جنتوں میں بھی فرق ہے۔(تدبر قرآن)

نوٹ:2

آیت۔70۔میں پہلے خوب سیرت اور خوبصورت بیویوں کا ذکر کیا گیا، اس کے بعد آیت۔72۔میں حوروں کا الگ ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ حوریں ان خواتین سے مختلف قسم کی خواتین ہوں گی۔اس قیاس کی تقویت اس حدیث سے حاصل ہوتی ہے جس میں بی بی ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں۔حضورؐ نے جواب دیا کہ دنیا کی عورتوں کو حوروں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اُبرے (لحاف یا کوٹ کے اوپر والا کپڑا) کو اَستر پر ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کس بنا پر۔آپؐ نے فرمایا اس لیے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔(تفہیم القرآن)

نوٹ:3 عرب جاہلیت کے انسانوں میں جنوں کے دارالسلطنت کا نام عبقر تھا جسے اردو میں ہم پرستان کہتے ہیں۔اسی نسبت سے عرب کے لوگ ہر نفیس ونادر چیز کو عبقری کہتے تھے، گویا وہ پرستان کی چیز ہے جس کا مقابلہ اس دنیا کی عام چیزیں نہیں کرسکتیں۔حتیٰ کہ ان کے محاورے میں ایسے آدمی کو بھی عبقری کہتے ہیں جو غیر معمولی قابلیت کا مالک ہو اور جس سے عجیب وغریب کارنامے صادر ہوں۔انگریزی میں لفظ Genius بھی اس معنی میں بولا جاتا ہے۔اور وہ بھی Genii سے ماخوذ ہے جو جن کا ہم معنی ہے۔جنت کے سروسامان کی غیر معمولی نفاست وخوبی کا تصور دلانے کے لیے آیت۔76۔میں عبقری کا لفظ استعمال کیا گیا۔(تفہیم القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الواقعۃ(56)

آیت نمبر(1تا26)

ر ج ج

(ن) رَجًّا حرکت دینا۔ہلانا۔زیر مطالعہ آیت۔5۔

ب س س

(ن) بَسًّا کسی چیز کو پھیلا دینا۔ریزہ ریزہ کردینا۔زیر مطالعہ آیت۔5۔

ش ء م

(و) شَأْمًا نحوست ڈالنا۔

(ک) شَآمَةً منحوس ہونا۔

مَشْئَمَةٌ نحوست کی جگہ یا وقت۔بایاں پہلو۔زیر مطالعہ آیت۔9۔

و ض ن

(ن) وَضْنًا زرہ بُننا۔کسی چیز کو بنتے ہوئے قیمتی بنانا۔جیسے زرہ بنتے وقت ہیرے جواہرات ٹانک دینا۔کپڑا بنتے ہوئے سونے چاندی کے تار ڈال دینا۔

مَوْضُوْنَةٌ اسم المفعول ہے۔ہر قیمتی بنی ہوئی چیز۔زیر مطالعہ آیت۔15۔

ث ل ل

(ن) ثَلًّا کنویں سے مٹی نکالنا۔قوم کو ہلاک کرنا۔

ثُلَّةٌ انسانوں کا بڑا گروہ۔انبوہ۔زیر مطالعہ آیت۔13۔

ترکیب (آیات۔ایک اور چار) دونوں میں بات اِذَا سے شروع ہوئی ہے، اس لیے ان کے آگے آنے والے افعال ماضی کا ترجمہ مستقبل میں کیا جائے گا۔(آیت۔4۔5) رَجَّ اور بَسَّ متعدی اور لازم دونوں معانی میں آتے ہیں۔یہاں رُجَّتْ اور بُسَّتْ فعل مجہول کے واحد مؤنث غائب کے صیغے آئے ہیں۔اس لیے یہ افعال متعدی کے معانی میں آئے ہیں۔اَلْاَرْضُ اور اَلْجِبَالُ فاعل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہیں۔

(آیت۔18) بِاَکْوَابٍ کی بِ پر عطف ہونے کی وجہ سے اَبَارِیْقَ۔ کَاْسٍ۔ فَاکِھَۃٍ اور لَحْمِ حالت جر میں آئے ہیں۔
(آیت۔25۔26) یہ جملہ منفی ہے اس لیے اس میں اِلاَّ کوئی اعرابی عمل نہیں کرے گا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے لَغْوًا۔ تَاْثِیْمًا حالت نصب میں ہیں۔ پھر اِلاَّ نے لَا یَسْمَعُوْنَ کے لَا کو قطع کیا تو اب یَسْمَعُوْنَ کا مثبت مفعول قِیْلًا آیا ہے۔ جبکہ قِیْلًا کا بدل ہونے کی وجہ سے سَلٰمًا۔ سَلٰمًا حالت نصب میں ہیں۔

ترجمہ

اِذَا وَقَعَتِ	الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾	لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا	كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾
جب واقع ہوگی	وہ واقع ہونے والی (قیامت)	نہیں ہے جس کے واقع ہونے میں	کوئی جھوٹ کہنے والی (علامت)
خَافِضَةٌ	رَّافِعَةٌ ۙ﴿۳﴾	اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ	رَجًّا ۙ﴿۴﴾
(وہ) پست کرنے والی ہے (کسی کو)	(اور وہ) بلند کرنے والی ہے (کسی کو)	جب ہلایا جائے گا زمین کو	جیسے ہلایا جاتا ہے
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ	بَسًّا ۙ﴿۵﴾	فَكَانَتْ	هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾
اور ریزہ ریزہ کیا جائے گا پہاڑوں کو	جیسے ریزہ ریزہ کیا جاتا ہے	تو وہ ہو جائیں گے	ایک بکھرنے والا غبار
وَّكُنْتُمْ	اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ﴿۷﴾	فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ	مَآ
اور تم لوگ ہو جاؤ گے	تین قسموں کے	تو داہنی طرف والے	کیا (ہوں گے)
اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾	وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ	مَآ	اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۹﴾
داہنی طرف والے	اور بائیں طرف والے	کیا (ہوں گے)	بائیں طرف والے
وَالسّٰبِقُوْنَ	السّٰبِقُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾	اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ﴿۱۱﴾	فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾
اور سبقت کرنے والے	سبقت کرنے والوں پر	وہ لوگ قربت دیئے ہوئے ہوں گے	سدا بہاری کے باغات میں
ثُلَّةٌ	مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾	وَقَلِيْلٌ	مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾
(وہ لوگ) انبوہ کثیر ہوں گے	پہلے لوگوں میں سے	اور تھوڑے ہوں گے	آخری لوگوں میں سے
عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ﴿۱۵﴾	مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا	مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾	يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ
قیمتی جڑاؤ کئے ہوئے تختوں پر	ٹیک لگانے والے ہوتے ہوئے ان پر	باہم آمنے سامنے ہونے والے	گھومیں پھریں گے ان کے گرد
وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿۱۷﴾	بِاَكْوَابٍ	وَّاَبَارِيْقَ ۙ	وَكَاْسٍ
ہمیشگی دیئے ہوئے لڑکے	جاموں کے ساتھ	اور صراحیوں کے ساتھ	اور ایسی شراب کے آبخوروں کے ساتھ جو
مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾	لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا	وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾	وَفَاكِهَةٍ
کسی رواں پانی میں سے ہوگی	ان کو سر درد نہیں ہوگا اس سے	اور نہ وہ بدمست ہوں گے	اور کچھ میوہ کے ساتھ

مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾	وَلَحْمِ طَيْرٍ	مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾
اس میں سے جو وہ پسند کریں	اور پرندوں کے گوشت کے ساتھ	اس میں سے جو ان کا جی چاہے

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾	كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ	الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾
اور (وہاں) بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی	موتی کی مثالوں کے جیسے	ڈھانپے ہوئے (پلکوں میں)

جَزَآءًۢ بِمَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾	لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا
بدلہ ہوتے ہوئے بسبب اس کے جو	وہ لوگ عمل کیا کرتے تھے	وہ نہیں سنیں گے اس میں

لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾	اِلَّا قِيْلًا	سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾
کوئی واہی تباہی اور نہ الزام تراشی کرنا	مگر (سنیں گے) کہا جانا	سلام سلام

نوٹ: 1

گزشتہ سورتوں میں سورۂ ق سے لے کر سورۂ رحمٰن تک جزاء وسزا سے متعلق ہونے والی ساری بحث کا خلاصہ اس سورۂ واقعہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ پچھلی سورتوں میں آفاق وانفس اور عقل وفطرت کی روشنی میں اس موضوع کے تمام پہلو زیر بحث آئے ہیں۔ اب اس سورہ میں دلائل کی وضاحت کے بجائے اصل نتیجہ سے آگاہ کیا گیا ہے کہ قیامت ایک ہونی شدنی بات ہے۔ انسانوں کو لازماً ایک ایسے جہاں سے سابقہ پیش آنے والا ہے جس میں عزت وذلت کے پیمانے ان پیمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے جو اس جہاں میں معروف ہیں۔ وہاں عزت وسرفرازی ان کے لیے ہوگی جنہوں نے اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی کمائی کی ہوگی، وہ مقربین اور اصحاب الیمین کے درجے پائیں گے اور جنت کی تمام مرانیاں انہی کا حصہ ہوں گی۔ رہے وہ جو اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے اور اسی میں مگن ہو گئے وہ اصحاب الشمال میں ہوں گے اور ان کو دوزخ کے ابدی عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ: 2

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے۔ تو فرمایا مجھے اپنے گناہوں کی تکلیف ہے۔ پھر پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ تو فرمایا اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا میں آپ کے لیے کسی طبیب کو بلاتا ہوں۔ تو فرمایا مجھے طبیب ہی نے تو بیمار کر ڈالا ہے۔ پھر پوچھا آپ کے لیے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیج دوں۔ تو فرمایا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی؟ مگر مجھے یہ فکر اس لیے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ: 3

مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ اولین اور آخرین سے مراد کون ہیں ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے نبی ﷺ کی بعثت تک جتنی امتیں گزری ہیں وہ اولین ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت تک کے لوگ آخرین میں ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بعث محمدی سے پہلے کے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کے لوگوں میں سابقین کم ہوں گے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہاں اولین وآخرین سے مراد اُمت محمدی کے اولین وآخرین ہیں۔ یعنی اس اُمت

کے ابتدائی دور کے لوگ اولین ہیں، جن میں سابقین زیادہ ہوں گے اور بعد کے لوگ آخرین ہیں جن میں سابقین کم ہوں گے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد ہر نبی کی اُمت کے اولین و آخرین ہیں۔ آیت کے الفاظ ان تینوں مفہوموں کے حامل ہیں۔ اور بعید نہیں کہ یہ تینوں ہی صحیح ہوں، کیونکہ درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (27 تا 40)

خ	ض	د

(ض) خَضْدًا درخت کے کانٹے صاف کرنا۔
مَخْضُوْدٍ اسم المفعول ہے۔ کانٹے صاف کیا ہوا۔ زیر مطالعہ آیت۔28۔

س	ك	ب

(ن) سَكْبًا پانی گرانا۔ جاری کرنا۔
مَسْكُوْبٍ اسم المفعول ہے۔ جاری کیا ہوا، زیر مطالعہ آیت۔31۔

ترجمہ

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ	مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۭ ﴿٢٧﴾	فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ ﴿٢٨﴾
اور داہنی طرف والے	کیا (ہوں گے) داہنے طرف والے	(وہ ہوں گے) کانٹے صاف کیے ہوئے بیری کے درختوں میں

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ ﴿٢٩﴾	وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ ﴿٣٠﴾	وَّمَاۗءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ ﴿٣١﴾
اور تہہ بہ تہہ کیے ہوئے کیلوں میں	اور دراز کیے ہوئے سائے میں	اور جاری کیے ہوئے پانی میں

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ ﴿٣٢﴾	لَّا مَقْطُوْعَةٍ	وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ ﴿٣٣﴾	وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۭ ﴿٣٤﴾
اور ایسے کثیر میوں میں جو	نہ قطع کیے ہوئے ہوں گے	اور نہ منع کیے ہوئے	اور بلند کیے ہوئے بچھونوں میں

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ	اِنْشَاۗءً ۙ ﴿٣٥﴾	فَجَعَلْنٰهُنَّ	اَبْكَارًا ۙ ﴿٣٦﴾
بیشک ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو	جیسے بہترین اٹھان کا حق ہے	پھر ہم نے بنایا ان کو	کنواریاں

عُرُبًا	اَتْرَابًا ۙ ﴿٣٧﴾	لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾
پیار ظاہر کرنے والیاں	ہم عمر ہونے والیاں	داہنی طرف والوں کے لیے

ثُلَّةٌ	مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ ﴿٣٩﴾	وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ ﴿٤٠﴾
(وہ) انبوہ کثیر ہوں گے	اوّلین میں سے	اور انبوہ کثیر ہوں گے آخرین میں سے (بھی)

نوٹ: 1 پیچھے آیت۔8۔9 میں لفظ مَا آیا ہے اور اب آیت۔27 میں اس کا اعادہ ہوا ہے اور آگے آیت۔41 میں پھر اعادہ ہوگا۔ ان میں جو استفہام ہے یہ اظہار شان و عظمت کے لیے بھی آتا ہے اور اظہار نفرت و کراہیت کے لیے بھی۔ اظہار عظمت کے لیے ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ان کی عالی مقامی کا کیا کہنا ہے۔ اور اظہار نفرت کے لیے ہو تو مطلب ہوتا ہے ان کی بدحالی اور بدانجامی کا کیا پوچھتے ہو۔ یہ اسلوب کلام اس صورت

میں اختیار کیا جاتا جب صورتحال کی تصویر الفاظ میں کھینچنی ممکن نہ ہو اور صورتِ واقعہ قیاس و گمان کی رسائی سے اور الفاظ کے احاطہ سے ماوراء ہوں۔ (تدبر قرآن سے ماخوذ)۔

نوٹ:2 لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ سے مراد ہے کہ یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر جانے کے بعد نہ مل سکیں۔ ان کی پیداوار کا سلسلہ منقطع نہیں ہو گا بلکہ ہر پھل وہاں ہر موسم میں ملے گا۔ اور لَا مَمْنُوْعَةٍ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے باغوں کی طرح وہاں کوئی باغ کا مالی یا چوکیدار منع کرنے والا نہ ہوگا۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3 آیت۔37۔ میں ہم عمر ہونے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں۔ دوسرا یہ کہ وہ آپس میں ہم سن ہوں۔ یعنی جنت کی تمام عورتیں ایک ہی عمر کی ہوں ہمیشہ اُسی عمر کی رہیں۔ بعید نہیں کہ یہ دونوں ہی باتیں بیک وقت صحیح ہوں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے۔ مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر داڑھی نہ نکلی ہو گی۔ گورے چٹے ہوں گے۔ گٹھے ہوئے بدن ہوں گے، آنکھیں سرمگیں ہوں گی۔ سب کی عمریں۔33 سال کی ہوں گی۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (41 تا 56)

ترجمہ

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ	اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ ﴿۴۱﴾	فِیْ سَمُوْمٍ	وَّ حَمِیْمٍ ۙ ﴿۴۲﴾
اور بائیں جانب والے	کیا (ہوں گے) بائیں جانب والے	(وُہ) لُو میں	اور ہمیشہ گرم رہنے والے پانی میں ہوں گے

وَّ ظِلٍّ	مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ ﴿۴۳﴾	لَّا بَارِدٍ	وَّ لَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾
اور ایک ایسے سائے میں ہوں گے جو	دھونویں سے ہوگا	جو نہ ٹھنڈا ہوگا	اور نہ عزت والا ہوگا

اِنَّهُمْ كَانُوْا	قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۚ ﴿۴۵﴾	وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ	عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۚ ﴿۴۶﴾
بیشک یہ لوگ تھے	اس سے پہلے خوشحالی دیئے ہوئے	اور وہ جمے رہتے تھے	تمام بڑے گناہوں پر

وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ	اَىِٕذَا مِتْنَا	وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا	ءَاِنَّا
اور وہ کہا کرتے تھے	کیا جب ہم مرجائیں گے	اور ہم ہوجائیں گے مٹی اور ہڈیاں	تو کیا ہم

لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ ﴿۴۷﴾	اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾	قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۙ ﴿۴۹﴾
ضرور (دوبارہ) اٹھائے جانے والے ہوں گے	اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی	آپؐ کہیے بیشک سارے اگلے اور سارے آخری

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ	اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾	ثُمَّ اِنَّكُمْ
یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں	ایک معلوم دن کی طے شدہ جگہ کی طرف	پھر بیشک تم لوگ

اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ ﴿۵۱﴾	لَاٰكِلُوْنَ	مِنْ شَجَرٍ
اے گمراہ ہونے والو، جھٹلانے والو،	یقیناً کھانے والے ہو	ایک ایسے درخت میں سے

مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۳﴾	فَمَالِـُٔوۡنَ	مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۴﴾	فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ
جوتھوہر سے ہوگا	پھر بھرنے والے ہو	اس سے پیٹوں کو	پھر پینے والے ہو اس پر

مِنَ الۡحَمِيۡمِ ﴿۵۵﴾	فَشٰرِبُوۡنَ	شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ﴿۵۶﴾	هٰذَا نُزُلُهُمۡ	يَوۡمَ الدِّيۡنِ ﴿۵۶﴾
ہمیشہ گرم رہنے والے پانی میں سے	پھر پینے والے ہو	پیاسے اونٹوں کا (سا) پینا	یہ ان کی مہمان نوزی ہوگی	بدلے کے دن

نوٹ:1 اَلۡحِنۡثِ الۡعَظِيۡمِ پر جو الف لام ہے اسے لام جنس بھی مانا جاسکتا ہے اور لام تعریف بھی۔ اگر لام جنس مانا جائے تو اس سے مراد ہوں گے تمام بڑے گناہ۔ تفہیم القرآن میں اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ''گناہ عظیم کا لفظ جامع ہے۔ اس سے مراد کفر و شرک اور دہریت بھی ہے اور اخلاق و اعمال کا ہر بڑا گناہ بھی۔'' ترجمہ میں ہم نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ اور اگر لام تعریف مانا جائے تو پھر اس سے مراد شرک ہے۔

نوٹ:2 نُزُلٌ اُس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کے سواری سے اترنے کے بعد سب سے پہلے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ (جیسے آج کل بھی کھانے کی دعوت پر آنے والے مہمانوں کو آتے ہی کوک کی بوتل یا کوئی اور مشروب پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نُزل ہے۔ اصل دعوت بعد میں ہوتی ہے۔ مرتب) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی اولین ضیافت تھوہر اور گرم پانی سے ہوگی، کون اندازہ کرسکتا ہے کہ بعد میں ان کے سامنے کیا کچھ آئے گا۔ (تدبر قرآن)۔

آیت نمبر (57 تا 74)

م	ز	ن

(ن) مَزۡنًا مشکیزہ بھرنا۔

مُزۡنٌ بارش والا بادل، زیر مطالعہ آیت۔69۔

ترکیب (آیت۔59) تَخۡلُقُوۡنَهٗ کی ضمیر مفعولی کو ءَ يُتُمۡ کے مفعول مَا یعنی نطفہ کے لیے بھی مانا جاسکتا ہے اور اس کے لیے بھی جو نطفہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی انسان۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔

(آیت۔74) اَلۡعَظِيۡمِ کو اِسۡم کی صفت بھی مانا جاسکتا ہے اور رَبِّ کی بھی۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔

ترجمہ

نَحۡنُ	خَلَقۡنٰكُمۡ	فَلَوۡلَا تُصَدِّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾	اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا
ہم نے ہی	پیدا کیا ہے تم لوگوں کو	پھر تم لوگ کیوں نہیں تصدیق کرتے (اس کی)	کیا تم لوگوں نے غور کیا اس (نطفہ) پر جو

تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾	ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ	اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾	نَحۡنُ قَدَّرۡنَا
تم لوگ ٹپکاتے ہو	کیا تم لوگ پیدا کرتے ہو اس (نُطفہ) کو	یا ہم پیدا کرنے والے ہیں (اس کو)	ہم نے (وقت) طے کیا ہے

بَيۡنَكُمُ الۡمَوۡتَ	وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ﴿۶۰﴾	عَلٰۤى اَنۡ	نُّبَدِّلَ
تمہارے مابین موت کا	اور ہم عاجز کیے ہوئے نہیں ہیں	اس پر کہ	ہم تبدیل کریں (تم کو)

اَمْثَالَكُمْ وَ	نُنْشِئَكُمْ	فِيْ مَا	لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾	وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ
تمہارے جیسوں سے	اور ہم اٹھائیں تم کو	اس میں جو	تم لوگ نہیں جانتے	اور یقیناً تم لوگ جان چکے ہو

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى	فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾	اَفَرَءَيْتُمْ مَّا	تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾
پہلی اٹھان کو	تو تم لوگ نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے	کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جو	تم لوگ بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ	اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾	لَوْ نَشَآءُ	لَجَعَلْنٰهُ
کیا تم لوگ اگاتے ہو اس کو	یا ہم اگانے والے ہیں	اگر ہم چاہتے	تو ہم ضرور کر دیتے اس کو

حُطَامًا	فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾	اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾	بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾
روندا ہوا	تو تم رہ جاتے پشیمان ہوتے ہوئے	(کہ) بیشک ہم تاوان ڈالے ہوئے ہیں	بلکہ ہم محروم (ہو گئے) ہیں

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ	تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾	ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ	مِنَ الْمُزْنِ
تو تم لوگوں نے غور کیا اس پانی پر جو	تم پیتے ہو	کیا تم اتارتے ہو اس کو	بادل سے

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾	لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ	اُجَاجًا	فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
یا ہم اتارنے والے ہیں	اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے اس کو	کڑوا	تو تم لوگ شکر کیوں نہیں کرتے

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ	تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾	ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ	شَجَرَتَهَاۤ
کیا تم لوگوں نے غور کیا اس آگ پر جو	تم لوگ جلاتے ہو	کیا تم لوگ اگاتے ہو	اس کے درخت کو

اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾	نَحْنُ جَعَلْنٰهَا	تَذْكِرَةً	وَّمَتَاعًا
یا ہم اگانے والے ہیں	ہم نے بنایا ہے اس کو	یاد دلانے کے لیے	اور ایک برتنے کا سامان

لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾	فَسَبِّحْ	بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾
ضرورتمندوں کے لیے	پس تو تسبیح کر	اپنے رب کے عظیم نام کی

نوٹ: 1

آیت۔ 57 سے 74 تک جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان میں بیک وقت آخرت اور توحید دونوں پر استدلال کیا گیا ہے۔ انسان اگر صرف اسی ایک بات پر غور کرے کہ وہ خود کس طرح پیدا ہوا ہے تو اسے نہ قرآن کی تعلیمِ توحید میں کوئی شک رہ سکتا ہے اور نہ اس کی تعلیمِ آخرت میں۔ استقرارِ حمل سے وضعِ حمل تک ماں کے پیٹ میں بچہ کی درجہ بدرجہ تخلیق و پرورش، ہر بچے کی الگ صورت گری اور ہر بچے کے اندر مختلف ذہنی و جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب سے رکھنا، کیا یہ سب کچھ خدائے واحد کے سوا کسی اور کا کام ہے؟ اگر کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہ ہو تو وہ خود محسوس کرے گا کہ انسان پورا کا پورا خدا کا ہی ساختہ و پرداختہ ہے۔ توحید کی طرح یہ حقیقت آخرت کے معاملہ میں بھی فیصلہ کن ہے۔ تمام انسان اسی طرح دنیا میں آئے ہیں اور وہ شب و روز اپنے ہی جیسے انسانوں کی پیدائش کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد صرف عقل کا اندھا ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو خدا انسانوں کو آج پیدا کر رہا ہے وہ کل کسی وقت اپنے ہی پیدا کیے ہوئے ان انسانوں کو کسی طرح سے دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا۔

اسی طرح آیت۔ 64۔ کا ظاہر استدلال تو توحید کے حق میں ہے، مگر اس میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر آدمی اگر تھوڑا سا غور کرے تو اسی کے اندر آخرت کی دلیل بھی مل جاتی ہے۔ جو بیج زمین میں بویا جاتا ہے وہ مردہ ہوتا ہے مگر زمین کی قبر میں جب کسان اسے دفن کر

دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر وہ نباتی زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے لہلہاتی کھیتیاں شان دکھاتی ہیں۔ یہ بے شمار مردے آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی قبروں سے جی جی کر اٹھ رہے ہیں۔ یہ کیا کچھ کم معجزہ ہے کہ کوئی شخص اس دوسرے معجزے کو نا ممکن قرار دے جس کی خبر قرآن مجید ہمیں دے رہا ہے یعنی انسانوں کی موت کے بعد ان کی دوبارہ زندگی۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:2

آیت۔61۔ میں ہے وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اس سے مراد قیامت میں اٹھایا جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم کو تمہاری موجودہ شکل و ہیئت میں پیدا کریں، اسی طرح ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری تخلیق کا طریقہ بدل کر کسی اور شکل و ہیئت میں، کچھ دوسری صفات کے ساتھ تم کو پیدا کریں، قیامت کے روز ہم تمہیں اسی عمر کے انسان میں پیدا کر سکتے ہیں جس عمر میں تم مرے تھے۔ آج تمہاری بینائی، سماعت اور دوسرے حواس کا پیمانہ ہم نے کچھ اور رکھا ہے۔ قیامت کے روز ہم اسے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیں گے یہاں تک کہ تم وہ کچھ دیکھ اور سن سکو جو یہاں نہیں دیکھ سکتے اور نہیں سن سکتے۔ آج تمہارے ہاتھ پاؤں اور تمہاری کھال میں کوئی گویائی نہیں ہے۔ قیامت کے روز تمہارا ہر عضو اور تمہارے جسم کی کھال کا ہر ٹکڑا ہمارے حکم سے بولنے لگے گا۔ آج تم ایک خاص حد تک ہی عذاب برداشت کر سکتے ہو جس سے زائد عذاب ہو تو تم زندہ نہیں رہ سکتے، کل تم ایسا عذاب ایسی طویل مدت تک بھگت سکو گے جس کا تم تصور نہیں کر سکتے اور کسی سخت سے سخت عذاب سے بھی تمہیں موت نہ آئے۔ آج تم سوچ نہیں سکتے کہ کوئی بوڑھا جوان ہو جائے، کبھی بیمار نہ ہو اور ہمیشہ ہمیشہ وہ ایک ہی عمر کا جوان رہے۔ کل ہم تمہاری زندگی کے لیے کچھ دوسرے قوانین بنا سکتے ہیں جن کے مطابق جنت میں جاتے ہی ہر بوڑھا جوان ہو جائے اور اس کی جوانی و تندرستی لازوال ہو۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)

نوٹ:3

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا۔ اس جملہ میں اللہ کی قدرت و حکمت کے ایک اہم کرشمے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پانی کے اندر اللہ تعالیٰ جو حیرت انگیز خواص رکھے ہیں ان میں ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر خواہ کتنی بھی چیزیں تحلیل ہو جائیں، جب وہ حرارت کے اثر سے بھاپ میں تبدیل ہوتا ہے تو ساری آمیزش نیچے چھوڑ دیتا ہے اور صرف اپنے اصل آبی اجزاء کو لے کر ہوا میں اڑتا ہے۔ یہ خاصیت اگر اس میں نہ ہوتی تو بھاپ میں تبدیل ہوتے وقت بھی وہ سب چیزیں اس میں شامل رہتیں۔ اس صورت میں سمندر سے جو بھاپ اٹھتی اس میں سمندر کا نمک بھی شامل ہوتا اور اس کی بارش تمام زمین کو شور (نمک) والی زمین بنا دیتی۔ نہ انسان اس پانی کو پی کر ہی جی سکتا تھا اور نہ کسی قسم کی نباتات اس سے اُگ سکتی تھی۔ یہ خاصیت جس کی بدولت کھاری سمندروں سے میٹھا پانی کشید ہو کر بارش کی شکل میں برستا ہے پھر آب پاشی کی خدمت انجام دیتا ہے، اس بات کی شہادت فراہم کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی میں یہ خاصیت بالارادہ ودیت کی ہے تاکہ وہ اس کی مخلوقات کی پرورش کا ذریعہ بن سکے۔ جو مخلوق کھاری پانی سے پرورش پا سکتی تھی وہ اس نے سمندر میں پیدا کی اور وہاں وہ خوب جی رہی ہے۔ مگر جس مخلوق کو اس نے خشکی اور ہوا میں پیدا کیا ہے اس کی پرورش کے لیے میٹھا پانی درکار تھا اور اس کی فراہمی کے لیے بارش کا انتظام کرنے سے پہلے اس نے پانی کے اندر یہ خصوصیت رکھ دی کہ بھاپ بنتے وقت وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہ اڑے جو اس کے اندر تحلیل ہو گئی ہو۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (75 تا 96)

ترجمہ

فَلَآ	اُقْسِمُ	بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾	وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ
پس نہیں!	میں قسم کھاتا ہوں	ستاروں کے گر پڑنے (ڈوبنے) کے وقت کی	اور بیشک یہ یقیناً ایک ایسی قسم ہے

6800

لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ	عَظِيۡمٌ ﴿۷۶﴾	اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۷﴾	فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾
اگر تم لوگ جانو،	جو بڑی عظمت والی ہے	بیشک بہ یقیناً ایک ایسا دائمی عزت والا قرآن ہے جو	ایک ڈھانپی ہوئی کتاب میں ہے

لَّا يَمَسُّهٗۤ	اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾	تَنۡزِيۡلٌ	مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾
نہیں چھوتے اس کو	مگر پاک کیے ہوئے	(یہ) اتارا ہوا ہے	تمام جہانوں کے رب (کی طرف) سے

اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ	اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾	وَتَجۡعَلُوۡنَ	رِزۡقَكُمۡ
تو کیا اس بات (قرآن) میں	تم لوگ ڈھیلا پڑنے (سست ہونے) والے ہو	اور بناتے ہو (اس میں سے)	اپنا نصیب

اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾	فَلَوۡلَاۤ اِذَا	بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿۸۳﴾	وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ
یہ کہ تم لوگ جھٹلاتے ہو	تو کیوں نہ ہوا کہ جب کبھی	وہ (جان) پہنچتی ہے حلق تک	اس حال میں کہ تم لوگ اس وقت

تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾	وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ	مِنۡكُمۡ	وَلٰكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾
دیکھتے ہو	اور ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں اس (جان) کی طرف	(بہ نسبت) تمہارے	اور لیکن تم دیکھتے نہیں ہو

فَلَوۡلَاۤ	اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ﴿۸۶﴾	تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ	اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۷﴾
تو کیوں نہیں،	اگر تم لوگ بغیر حساب لیے جانے والے ہو،	تم لوگ لوٹا لیتے اس (جان) کو	اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو

فَاَمَّاۤ	اِنۡ كَانَ	مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾	فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ	وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾
پھر وہ جو ہے	اگر وہ (مرنے والا) ہوا	قربت دیئے ہوئے لوگوں میں سے	تو راحت ہے اور خوشبو ہے	اور دائمی نعمت کا باغ ہے

وَاَمَّاۤ	اِنۡ كَانَ	مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۰﴾	فَسَلٰمٌ لَّكَ
اور وہ جو ہے	اگر وہ (مرنے والا) ہوا	داہنی طرف والوں میں سے	تو سلامتی ہے تیرے لیے

مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۱﴾	وَاَمَّاۤ	اِنۡ كَانَ	مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۹۲﴾	
(تو تو) داہنی طرف والوں میں سے ہے	اور وہ جو ہے	اگر وہ ہوا	بہکے ہوئے جھٹلانے والوں میں سے	

فَنُزُلٌ	مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۹۳﴾	وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾	اِنَّ هٰذَا	لَهُوَ
تو ابتدائی مہمان نوازی ہے	دائمی گرم پانی سے	اور دوزخ کا جلایا جانا ہے	بیشک یہ	یقیناً یہی

حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۹۵﴾	فَسَبِّحۡ	بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾
یقین کا حق ہے	پس تو تسبیح کر	اپنے رب کے عظیم نام کی

نوٹ: 1 قسم کے شروع میں لفظ لَا کو لانا ایک عام عربی محاورہ ہے۔ جیسے لَا وَاللّٰہِ (نہیں! اللہ کی قسم) اور جاہلیت کی قسموں میں لَا وَاَبِیْکَ (نہیں! تیرے والد کی قسم)۔ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ اس موقع میں صرف لَا مخاطب کے گمان کی نفی کے لیے ہوتا ہے، یعنی جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتائی جا رہی ہے، (معارف القرآن)۔

6800

نوٹ:2

آیت۔79۔میں کفار کے اس الزام کی تردید ہے جو وہ قرآن پر لگاتے تھے کہ یہ کلام رسول اللہ ﷺ پر جن اور شیاطین القا کرتے ہیں۔اس کا جواب قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے یہاں یہ ان الفاظ میں ہے کہ ''اِسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا''، یعنی جن اور شیاطین کا اسے لانا یا اس کے نزول کے وقت اس میں دخل انداز ہونا تو درکنار، جس وقت یہ لوح محفوظ سے نبی ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے اُس وقت مطہرین یعنی پاک فرشتوں کے سوا کوئی قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کوئی ایسا شخص اسے نہ چھوئے جو پاک نہ ہو۔لیکن یہ تفسیر آیت کے سیاق وسباق سے مطابقت نہیں رکھتی۔سیاق وسباق سے الگ کر کے تو اس کے الفاظ سے یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے۔مگر جس سلسلہ کلام میں یہ وارد ہوئی ہے اس میں رکھ کر اسے دیکھا جائے تو یہ بات کہنے کا کوئی موقع نظر نہیں آتا۔یہاں تو کفار مخاطب ہیں اور ان کو بتایا جارہا ہے کہ یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے اور تمہارا یہ گمان قطعی غلط ہے کہ اسے شیاطین نبی ﷺ پر القا کرتے ہیں۔اس جگہ ایک شرعی حکم بیان کرنے کا کیا موقع ہوسکتا ہے۔زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ آیت یہ حکم دینے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے مگر فحوائے کلام اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کتاب کو صرف مطہرین ہی چھوسکتے ہیں اُسی طرح دنیا میں بھی، کم ازکم وہ لوگ جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اسے ناپاکی کی حالت میں چھونے سے اجتناب کریں۔(تفہیم القرآن)۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور مطہرون سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست سے پاک ہوں۔اس طرح آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو طہارت کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے۔اس تفسیر کی ترجیح کے لیے بعض حضرات نے ان احادیث کو پیش کیا ہے جن میں غیر طاہر کو قرآن چھونے سے منع کیا گیا ہے۔مگر چونکہ اس مسئلہ میں دوسرے صحابہؓ کا اختلاف ہے، اور کچھ صحابہ کرام کے نزدیک اس آیت میں قرآن سے مراد وہ صحیفے ہیں جو وحی لانے والے فرشتوں کے ہاتھ میں دیئے جاتے ہیں، جبکہ کچھ کے نزدیک مطہرون سے مراد فرشتے ہیں، اس لیے بہت سے حضرات نے اس آیت سے استدلال کو چھوڑ کر صرف متعلقہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کے باوجود جمہور اُمت اور ائمہ اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسالک کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ یہ مسئلہ جو احادیث سے ثابت اور جمہور اُمت کے نزدیک مسلم ہے، کیا یہ بات قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہے یا نہیں۔اس لیے اختلاف مسئلے میں نہیں، بلکہ اس کی دلیل میں ہوا ہے۔(معارف القرآن سے ماخذ)۔

حنفی اور شافعی مسلک میں تعلیم کے لیے قرآن مجید بچوں کے ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے خواہ وہ وضو سے ہوں یا بے وضو۔جبکہ مالکی مسلک میں قرآن کی تعلیم کے لیے استاد اور شاگرد دونوں مستثنیٰ ہیں۔بلکہ حائضہ عورت کے لیے بھی بغرض تعلیم مصحف کو ہاتھ لگانا جائز قرار دیا گیا ہے۔(تفہیم القران)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6800

سورۃ الحدید (57)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترکیب

(آیت۔1) سَبَّحَ فعل ماضی ہے۔لیکن یہاں یہ ایک آفاقی صداقت بیان کر رہا ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔(دیکھیں آیت نمبر۔2/49،نوٹ۔2-)(آیت۔3)اَلۡاَوَّلُ مادہ ''ءول'' سے افعل تفضیل میں اَفۡعَلُ کے وزن پر اَوۡلُ بنتا ہے جو اَوَّلُ استعمال ہوتا ہے۔(دیکھیں آیت نمبر۔2/49، مادہ، ءول) اس لیے اس کے معنی ہیں سب سے پہلا۔جبکہ اَلۡاٰخِرُ افعل وتفضیل نہیں ہے، ورنہ اَفۡعَلُ کے وزن پر یہ اٰخَرُ ہوتا ہے۔اس لیے یہ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل اٰخِرٌ ہے۔جس کے معنی ہیں پیچھے ہونے والا یا پیچھے رہنے والا۔یہ مفہوم اردو میں عموماً لفظ آخری سے ادا ہوتا ہے۔(آیت۔4) عربی میں اَیۡنَ کو غیر معین کرنے کے لیے جب اس کے ساتھ مَا استعمال کرتے ہیں (دیکھیں آیت نمبر۔2/26،نوٹ۔1) تو عام طور پر اسے ملا کر اَیۡنَمَا لکھتے ہیں۔اور قرآن مجید میں بھی یہ اسی طرح ملا کر اَیۡنَمَا آیا ہے۔لیکن چند آیات میں اَیۡنَ سے مَا کو الگ کر کے اَیۡنَ مَا لکھا گیا ہے۔یہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے، جبکہ عام عربی میں اس کو اس طرح لکھنا غلط مانا جاتا ہے۔قرآن مجید میں صورتحال یہ ہے کہ جن آیات میں اَیۡنَمَا ہے وہاں اَیۡنَ مَا لکھنا غلط ہے۔اور جن آیات میں اَیۡنَ مَا آیا ہے وہاں اَیۡنَمَا لکھنا غلط ہے۔یہ اصول قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔(دیکھیں آیت نمبر۔2/61 نوٹ۔1)

ترجمہ

سَبَّحَ لِلّٰہِ	مَا	فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ	وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ①
تسبیح کرتی ہے اللہ کی	(ہر) وہ چیز جو	آسمانوں اور زمین میں ہے	اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے

لَهٗ	مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ	یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۚ
اس کے لیے ہی ہے	آسمانوں اور زمین کی بادشاہت	وہ زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ	قَدِیۡرٌ ②	هُوَ الۡاَوَّلُ	وَالۡاٰخِرُ	وَالظَّاهِرُ
اور وہ ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	وہ سب سے پہلا ہے	اور آخری ہے	اور ظاہر ہونے والا ہے

وَالۡبَاطِنُ ۚ	وَهُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ	عَلِیۡمٌ ③	هُوَ الَّذِیۡ
اور پوشیدہ رہنے والا ہے	اور وہ ہر چیز کا	علم رکھنے والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ	فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ	ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ	یَعۡلَمُ
پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو	چھ دنوں میں	پھر وہ متمکن ہوا عرش پر	وہ جانتا ہے

مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ	وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا	وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
اس کو جو گھستا ہے زمین میں	اور اس کو جو نکلتا ہے اس سے	اور اس کو جو اترتا ہے آسمان سے

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ	وَهُوَ مَعَكُمْ	اَيْنَ مَا	كُنْتُمْ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا	تَعْمَلُوْنَ
اوراس کو جو چڑھتا ہے اس میں	اور وہ تمہارے ساتھ ہے	جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہو	اور اللہ اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو یا کرو گے

بَصِيْرٌ ۝۴	لَهٗ	مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	وَاِلَى اللّٰهِ
دیکھنے والا ہے	اس کے لیے ہی ہے	آسمانوں اور زمین کی بادشاہت	اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ	الْاُمُوْرُ ۝۵	يُوْلِجُ الَّيْلَ	فِي النَّهَارِ	وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
لوٹائے جاتے ہیں	سارے معاملات	وہ گھساتا ہے رات کو	دن میں	اور وہ گھساتا ہے دن کو

فِي الَّيْلِ ؕ	وَهُوَ عَلِيْمٌۢ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶
رات میں	اور وہ جاننے والا ہے	سینوں والی (بات) کو

نوٹ: 1

یہ سورہ سابق سورۃ الواقعہ کی مثنیٰ ہے۔ (یعنی یہ دونوں سورتیں جڑواں بہنیں ہیں) اگرچہ دونوں میں مکی اور مدنی ہونے کے اعتبار سے زمانی اور مکانی بُعد (دوری) ہے، لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں بہت زیادہ ربط ہے۔ سابقہ سورہ میں یہ اصولی حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ جزاء و سزا کا دن لازماً آگے رہے گا اور اس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی سابقون اولون، اصحاب یمین اور اصحاب شمال۔ اس سورہ میں مسلمانوں کو سابقین اولین کی صف میں اپنی جگہ بنانے پر ابھارا گیا ہے۔ (تدبر قرآن)۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے (آیات زیر مطالعہ میں) اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں تاکہ سامعین کو اچھی طرح یہ احساس ہو جائے کہ کس عظیم ہستی کی طرف سے ان کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد سلسلہ وار مضامین بیان ہوئے ہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

آیت۔1۔ میں وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ آیا ہے۔ لفظ هُوَ پہلے لانے سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ عزیز اور حکیم ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک وہی ایسی ہستی ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ عزیز کے معنی ہیں ایسی زبردست اور قدر و قاہر ہستی جس کے اختیارات پر کوئی تحدید (Limitation) نہ ہو۔ اور حکیم کے معنی ہیں کہ وہ ہستی جو کچھ بھی کرتی ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتی ہے۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبّار اور ذو انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور یہ صرف ان مواقع پر ہوا ہے جہاں سلسلہ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے گنتی کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان، بے رحم، بخیل اور بدسیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کے ساتھ اس کے حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہاب یا حمید ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو کامل اقتدار رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام قابل تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت (Sovereignty) 6800 کے مسئلہ پر فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کی بحثوں سے واقف ہیں۔ کسی غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے ہر نقص سے پاک اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم اور بدخو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہوگی۔ اس لیے جن فلسفیوں نے کسی انسانی ادارے یا انسانوں کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے، ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے پاک ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کوئی پارلیمنٹ یا قوم یا پارٹی اپنے محدود اختیار کو بے عیب طریقے سے استعمال کر سکے۔ کیونکہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوع انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے، کجا کہ وہ کسی ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے۔ ان حقائق کو نگاہ میں رکھ کر اگر کوئی غور کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح تصور پیش کر رہا ہے۔ (تفہیم القرآن سے ماخوذ)۔

نوٹ: 3

آیت۔3 کی تفسیر اور اول و آخر اور ظاہر و باطن کے معانی میں مفسرین حضرات کے دس سے زیادہ اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض نہیں، سبھی کی گنجائش ہے۔ لفظ اول کے معنی تو متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات سے مقدم اور پہلا ہے، کیونکہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لیے وہ سب سے اول ہے۔ آخر کا مطلب ہے کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے۔ جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت۔88 میں ہے کہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ اور فنا سے مراد عام ہے خواہ عدم وجود واقع ہو جائے، جیسے قیامت کے روز عام مخلوقات فنا ہو جائیں گی، یا فنا کا وقوع نہ ہو مگر اس کا فنا اور عدم وجود ممکن ہو اور جس کے موجود ہونے کے وقت بھی اسے فانی کہہ سکتے ہوں۔ اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے بُرے انسان ہیں۔ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر فنا ہونے کے امکان سے پھر بھی خالی نہ ہوں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے۔ اس لیے اس کو آخر کہہ سکتے ہیں۔ اور ظاہر کا مطلب ہے کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں۔ اس لحاظ سے اس عالم میں اس سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں ہے۔ اور اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے وہ باطن ہے کیونکہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 11)

ترکیب

(آیت۔10) مَنْ یہاں پر جمع کے معنی میں آیا ہے لیکن کیونکہ یہ اصلاً واحد لفظ ہے اس لیے فعل اَنْفَقَ اور قَاتَلَ واحد کے صیغے میں لا کر لفظی رعایت کی گئی ہے (دیکھیں آیت نمبر۔2/8، نوٹ۔1) وَعَدَ کے دو مفعول آتے ہیں۔ کس سے وعدہ کیا اور یا کس چیز کا وعدہ کیا۔ یہاں کُلًّا اس کا مفعول اول مقدم ہے اور اَلْحُسْنٰی اس کا مفعول ثانی ہے۔ مِنْ بَعْدُ دراصل مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ ہے۔ مضاف الیہ محذوف ہونے کی وجہ سے مضاف بَعْدُ حالت رفع میں آیا ہے۔ (دیکھیں آیت نمبر۔2/25، نوٹ۔3) (آیت۔11) مَنْ ذَا دراصل مَنْ ذَالِكَ ہے یعنی کون ہے وہ۔ فَيُضٰعِفَهٗ کا فَا سببیہ ہے اس لیے يُضٰعِفَ حالت نصب میں ہے۔

ترجمہ

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَاَنْفِقُوْا مِمَّا	جَعَلَكُمْ
تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر	اور خرچ کرو اس میں سے	اس نے بنایا تم لوگوں کو

مُّسْتَخْلَفِيْنَ	فِيْهِ ؕ	فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	وَاَنْفَقُوْا 6800
جانشین کیا ہوا،	جس میں	پھر جو لوگ ایمان لائے تم میں سے	اور انہوں نے خرچ کیا

لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷	وَمَا لَكُمْ	لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ	وَالرَّسُوْلُ
ان کے لیے ایک بڑا اجر ہے	اور تم لوگوں کو کیا (ہو گیا) ہے	تم لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ پر	حالانکہ یہ رسول

يَدْعُوْكُمْ	لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ	وَقَدْ اَخَذَ	مِيْثَاقَكُمْ
دعوت دیتے ہیں تم کو	کہ تم لوگ ایمان لاؤ اپنے رب پر	اس حال میں کہ وہ لے چکے ہیں	تم سے پختہ عہد

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸	هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ	عَلٰى عَبْدِهٖٓ	اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ
اگر تم لوگ ایمان لانے والے ہو	وہ، وہ ہے جو اتارتا ہے	اپنے بندے پر	واضح آیات

لِّيُخْرِجَكُمْ	مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ	وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ
تا کہ وہ (اللہ) نکالے تم کو	اندھیروں سے روشنی کی طرف	اور بیشک اللہ تم لوگوں پر

لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ ۝۹	وَمَا لَكُمْ	اَلَّا تُنْفِقُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
یقیناً انتہائی شفقت کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	اور تمہیں کیا (ہو گیا) ہے	کہ تم لوگ خرچ نہیں کرتے	اللہ کی راہ میں

وَلِلّٰهِ	مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ	مَّنْ
حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے	آسمانوں اور زمین (کی میتوں) کا ترکہ	برابر نہیں ہیں تم میں سے	وہ لوگ جنہوں نے

اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ	وَقٰتَلَ ؕ	اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً	مِّنَ الَّذِيْنَ
خرچ کیا اُس فتح سے پہلے،	اور قتال کیا،	یہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے	ان لوگوں سے جنہوں نے

اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ	وَقٰتَلُوْا ؕ	وَكُلًّا	وَّعَدَ اللّٰهُ	الْحُسْنٰى ؕ
خرچ کیا اس کے بعد	اور قتال کیا	اور سب سے	وعدہ کیا اللہ نے	اچھائی کا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝۱۰ ع	مَنْ ذَا الَّذِيْ	يُقْرِضُ اللّٰهَ
اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے	کون ہے وہ جو	قرض دے اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا	فَيُضٰعِفَهٗ	لَهٗ	وَلَهٗٓ	اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱ ج
ایک خوبصورت قرضہ	نتیجتاً وہ کئی گنا کرے اس (قرض) کو	اس (قرض دینے والے) کے لیے	اور اس کے لیے	ایک باعزت اجر ہے

نوٹ: 1 اٰمِنُوْا کا خطاب اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن آگے قرائن سے واضح ہو جائے گا کہ روئے سخن دراصل ایسے مسلمانوں کی طرف ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا قرار تو کر لیا ہے لیکن جب ایمان کے تقاضے انفاق اور قتال کی صورت میں سامنے آئے تو اس کا حق ادا نہیں کر پا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہاں فعل اٰمِنُوْا اپنے کامل اور حقیقی معنی میں ہے جیسے سورۃ النساء کی آیت۔136 میں ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم

لوگ ایمان لاؤ (تدبر قرآن) ظاہر ہے کہ سورۃ النساء کی آیت میں اہل ایمان سے مطالبہ یہ ہے کہ ایمان کے ابتدائی مرحلے یعنی زبانی اقرار سے تو تم گزر چکے۔ اب ایمان کے بلند درجات کو عبور کرتے ہوئے دلی تصدیق کے مرحلے تک رسائی حاصل کرو۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی یہی مطالبہ ہے اور اس کے ساتھ یہ رہنمائی بھی ہے کہ ایمان کے بلند درجات عبور کرنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنا مال اور اپنی جان خرچ کرے۔ (مرتب)۔

نوٹ:2

آیت۔10 میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ میراث اصل میں اس ملکیت کو کہتے ہیں جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے۔ اور یہ ملکیت جبری ہوتی ہے کہ مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہاں میراث کے لفظ میں حکمت یہ ہے کہ تم لوگ چاہو یا نہ چاہو آج تم جس جس چیز کے مالک سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر اللہ تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی۔ اس لیے اس وقت جبکہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے، اگر تم اس میں سے کچھ اللہ کے نام خرچ کر دو گے تو اس کا بدل تمہیں آخرت میں مل جائے گا۔ اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لیے دائمی ہو جائے گی۔

بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ہم نے ایک بکری ذبح کی جس کا اکثر حصہ تقسیم کر دیا، صرف ایک دستی گھر کے لیے رکھ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اس بکری میں سے کیا باقی رہا۔ میں نے عرض کیا کہ ایک دستی باقی رہ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! ساری بکری باقی رہ گئی ہے صرف یہ دستی باقی نہیں رہی۔ کیونکہ ساری بکری اللہ کی راہ میں خرچ کر دی گئی، وہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے باقی رہے گی اور یہ دستی جو اپنے کھانے کے لیے رکھی ہے، یہ یہیں فنا ہو جائے گی۔ (معارف القرآن)۔

نوٹ:3

اکثر مفسرین نے الفتح سے مراد فتح مکہ لیا ہے۔ جبکہ کچھ مفسرین اس سے مراد صلح حدیبیہ لیتے ہیں۔ اس رائے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خالدؓ بن ولید کا حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف سے جھگڑا ہو گیا۔ اس میں خالدؓ نے عبدالرحمنؓ سے کہا تم لوگ اپنی پچھلی خدمات کی بنا پر ہم سے دوں کی لیتے ہو۔ یہ بات جب نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم لوگ احد کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان لوگوں کے اعمال کو نہ پہنچ سکو گے۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں الفتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، کیونکہ حضرت خالد اسی صلح کے بعد ایمان لائے تھے اور فتح مکہ میں شریک تھے۔

لیکن اس خاص موقع پر الفتح سے مراد خواہ صلح حدیبیہ لی جائے یا فتح مکہ بہر حال اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ درجات کا یہ فرق بس اسی ایک فتح پر ختم ہو گیا۔ بلکہ اصولاً اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کبھی اسلام پر ایسا کوئی وقت آ جائے جب کفار کا پلڑہ بہت بھاری ہو اور بظاہر اسلام کے غلبہ کے آثار دور دور کہیں نظر نہ آتے ہوں، اس وقت جو لوگ اسلام کی حمایت میں جان (وقت اور صلاحیت) اور مال خرچ کریں گے، ان کے مرتبے کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو کفر و اسلام کی کشمکش کا فیصلہ اسلام کے حق میں ہونے کے بعد قربانیاں دیں گے۔ (تفہیم القرآن) یہ بات بہت واضح ہے کہ اللہ نے ہم کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے مکی دور میں پیدا کیا ہے۔ یارانِ نکتہ داں کے لیے یہ ایک (Life Time Opportunity) ہے۔ جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں، مینا اسی کا ہے۔ (مرتب)۔

آیت نمبر (12 تا 15)

6800

ترجمہ

يَوْمَ تَرَى	الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ	يَسْعٰى نُوْرُهُمْ	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
جس دن آپؐ دیکھیں گے	مومن مردوں اور مومن عورتوں کو	دوڑتا ہوگا ان کا نور	ان کے آگے

وَبِاَيْمَانِهِمْ	بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ	جَنّٰتٌ	تَجْرِيْ	مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اور ان کے دائیں طرف	تمہاری بشارت ہے آج کے دن	ایسے باغات	بہتی ہیں	جن کے دامن میں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾	يَوْمَ يَقُوْلُ
ہمیشہ رہنے والے اس میں	یہ ہی شاندار کامیابی ہے	جس دن کہیں گے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	انْظُرُوْنَا	نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ
منافق مرد اور منافق عورتیں	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	تم لوگ رعایت کرو ہماری	تو ہم حصہ حاصل کرلیں تمہارے نور سے

قِيْلَ ارْجِعُوْا	وَرَآءَكُمْ	فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ	فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ	بِسُوْرٍ
کہا جائے گا تم لوگ لوٹ جاؤ	اپنے پیچھے کی طرف	پھر تلاش کرو نور کو	پھر بنادی جائے گی ان کے درمیان	ایک دیوار

لَّهٗ بَابٌ ؕ	بَاطِنُهٗ	فِيْهِ الرَّحْمَةُ	وَظَاهِرُهٗ	مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ ؕ
جس کا ایک دروازہ ہوگا	اس کا باطن (ایسا) ہوگا	جس میں رحمت ہوگی	اور اس کا ظاہر (ایسا) ہوگا	جس کے سامنے سے عذاب ہوگا

يُنَادُوْنَهُمْ	اَلَمْ نَكُنْ	مَّعَكُمْ ؕ	قَالُوْا بَلٰى	وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
وہ (منافق) لوگ آوازیں دیں گے ان (مومن) لوگوں کو	کیا ہم نہیں تھے	تم لوگوں کے ساتھ	وہ لوگ کہیں گے کیوں نہیں	اور لیکن تم لوگوں نے فتنہ میں ڈالا

اَنْفُسَكُمْ	وَتَرَبَّصْتُمْ	وَارْتَبْتُمْ	وَغَرَّتْكُمُ	الْاَمَانِيُّ	حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
اپنی جانوں کو	اور انتظار میں رہے	اور شبہ میں پڑے	اور فریب دیا تم لوگوں کو	آرزوؤں نے	یہاں تک کہ آن پہنچا اللہ کا حکم

وَغَرَّكُمْ	بِاللّٰهِ	الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾	فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ	فِدْيَةٌ
اور فریب دیا تم لوگوں کو	اللہ کے بارے میں	اس انتہائی دھوکے باز نے	تو اس دن نہیں لی جائے گی تم لوگوں سے	بدلے میں کوئی چیز

وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ	مَاْوٰىكُمُ	النَّارُ ؕ	هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ	وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾
اور نہ ان سے جنہوں نے (کھلا) انکار کیا	تم سب کا ٹھکانہ	یہ آگ ہے	یہ (اب) تمہاری کرتا دھرتا ہے	کتنی بری ہے یہ لوٹنے کی جگہ

نوٹ: 1

آیت۔12۔اور بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں نور صرف مومنین صالحین کو ملے گا۔ وہاں روشنی جو کچھ بھی ہوگی، وہ صالح عقیدے اور صالح عمل کی ہوگی۔ جس شخص کا عمل جتنا تابندہ ہوگا اس کے نور کی روشنی اتنی ہی زیادہ تیز ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کا نور اتنا تیز ہوگا کہ مدینہ سے عدن تک پہنچ رہا ہوگا۔ کسی کا نور مدینہ سے صنعاء تک اور کسی کا اس سے کم، یہاں تک کہ کوئی مومن ایسا بھی ہوگا

جس کا نور اس کے قدموں سے آگے نہ بڑھے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی ذات سے دنیا میں جتنی بھلائی پھیلی ہوگی اس کا نور اتنا ہی تیز ہوگا۔ اور دنیا میں جہاں تک اس کی بھلائی پہنچی ہوگی، میدان حشر میں اتنی مسافت تک اس کے نور کی شعاعیں دوڑ رہی ہوں گی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روشنی اسی انفاق کے فیض سے حاصل ہوگی جس کی دعوت گزشتہ آیت۔10۔11 میں دی گئی ہے۔ نیز آیت۔9۔ میں یہ جو ہے کہ اللہ تعالیٰ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ اتارتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے تو یہاں اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ سے اشارہ خاص طور پر ان قرآنی آیات کی طرف ہے جو انفاق کی عظمت اور اہمیت واضح کرنے کی لیے نازل ہوئیں، کیونکہ اسی انفاق کی جڑ کٹتی ہے اور وہ نور حکمت عطا ہوتا ہے جو اسکی تاریکیوں میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور آخرت میں بھی یہ رہنمائی کرے گا۔ (تدبر قرآن سے ماخوذ) واضح رہے کہ دین کی خاطر بندہ چاہے مال خرچ کرے یا اپنا وقت، علم، صلاحیت یا ذاتی مثال سے رہنمائی کرے، سب انفاق میں شامل ہیں۔ ذاتی رہنمائی کے انفاق ہونے کے متعلق آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس کے شفاعت حسنہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ اور انفاق کی طرح شفاعت حسنہ بھی انشاء اللہ نور کے حصول کا ذریعہ بنے گی۔ ذاتی رہنمائی کرنے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک صاحب عمرہ سے واپس آئے تو ان کے دوست نے ان کو مبارک باد دی۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ قبول کرے تو یہ مبارک بادی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے کیونکہ میں تو آپ ﷺ کی طرف سے عمرہ کرنے گیا تھا۔ ان کے دوست نے کہا کہ اگلے ماہ میں بھی عمرہ کرنے جا رہا ہوں لیکن سوچا تھا کہ یہ عمرہ میں اپنے مرحوم والدین کی طرف سے کروں گا۔ انہوں نے اپنے دوست کو سمجھایا کہ تم عمرہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کرو۔ اس کے بعد اللہ سے دعا کرو کہ میرے مرحوم والدین اور خاندان کے تمام مرحومین کو اس کا ثواب بخش دے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ تمہارے حساب کے ساتھ خاندان کے تمام مرحومین کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرہ کرنے کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ اس کے بعد اُن صاحب کے حلقہ میں تین یا چار افراد اس طرح عمرہ کر چکے ہیں۔ اس طرح یا کسی اور انداز میں ذاتی مثال سے تبلیغ کرنے کا عمل بھی انشاء اللہ میدانِ حشر میں نور میں اضافے کا سبب بنے گا۔ (مرتب) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا، تو وہ آیت اس کے لیے قیامت کے روز نور ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مجھ پر درود بھیجنا پل صراط پر نور کا سبب بنے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حج وعمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لیے جو سر منڈایا جاتا ہے تو اس میں سے جو بال زمین پر گرتا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔ میدانِ حشر میں نور وظلمت کے اسباب سے متعلق بارہ احادیث معارف القرآن کی جلد ہشتم کے صفحہ۔308۔309 پر دی ہوئی ہیں۔ ان میں سے صرف تین نقل کی گئی ہیں۔

نوٹ:3

ایک حدیث میں ہے کہ پھر تم لوگ قبروں سے میدان حشر کی طرف منتقل کیے جاؤ گے جس میں مختلف مراحل ہوں گے۔ ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ اللہ کے حکم سے کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جائیں گے اور کچھ چہرے سیاہ۔ پھر ایک مرحلہ پر میدانِ حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر، جن میں مومن اور کافر سب شامل ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا۔ ہر مومن کو نور عطا کیا جائے گا اور کفار ومنافقین کو نور نہ دیا جائے گا۔ مگر ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن کو نور عطا فرمادیں گے اور ہر منافق کو بھی۔ مگر جب یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا۔ تفسیر مظہری میں ان دونوں احادیث کی تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ وہ منافقین جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، ان کو تو شروع ہی

سے کفار کی طرح کوئی نور نہیں ملے گا۔ اور وہ منافقین جو اس اُمت میں بعد میں پیدا ہوئے جن کو منافقین کا نام اس لیے نہیں دیا جا سکے گا کہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور اب کسی کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ دل سے مومن نہیں، صرف زبان کا اقرار ہے، یہی وجہ ہے کہ اُمت میں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی کو منافق کہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے، اس لیے جو لوگ اللہ کے علم میں منافق ہوں گے، ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا کہ شروع میں ان کو بھی نور دے دیا جائے گا اور بعد میں سلب کر لیا جائے گا۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)

آیت نمبر (16 تا 20)

ترکیب

(آیت۔16) یَاْنِ دراصل مضارع یَاْنِیُ ہے۔ لَمْ داخل ہے۔ لَمْ داخل ہونے کی وجہ سے مضارع مجزوم ہوا تو ''ی'' گر گئی۔ اَنْ کی وجہ سے تَخْشَعَ مضارع منصوب آیا ہے۔ لَا یَکُوْنُوْا سے نون اعرابی کا گرا ہوا ہونا بتا رہا ہے کہ یہ بھی اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے مضارع منصوب ہے۔ یعنی اصل مفہوم یہ ہے کہ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَلَّا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ (آیت۔18) اَلْمُصَّدِّقِیْنَ اصل میں باب تفعل کا اسم الفاعل اَلْمُتَصَدِّقِیْنَ ہے۔ قاعدے کے مطابق تا کو ص میں تبدیل کر کے ادغام کر دیا گیا ہے۔ اَقْرَضُوْا سے پہلے مَنْ محذوف ہے۔ یُضٰعَفُ کا نائب فاعل اس میں شامل ضمیر ھُوَ جو قَرْضًا حَسَنًا کے لیے ہے۔ (آیت۔20) کَمَثَلِ غَیْثٍ کا تعلق اَلْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا سے ہے۔ یعنی اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا کَمَثَلِ غَیْثٍ۔

ترجمہ

اَلَمْ یَاْنِ	لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ
کیا (ابھی) وقت نہیں آیا	ان کے لیے جو ایمان لائے	کہ جھک جائیں ان کے دل

لِذِکْرِ اللّٰهِ	وَمَا نَزَلَ	مِنَ الْحَقِّ ۙ	وَلَا یَکُوْنُوْا
اللہ کے ذکر کے لیے	اور اس کے لیے جو نازل ہوا	الحق میں سے	اور (کیا وقت نہیں آیا کہ) وہ لوگ نہ ہوں

کَالَّذِیْنَ	اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ	فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ	فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ
ان کے جیسے جن کو	دی گئی کتاب اس سے پہلے	پھر طویل ہوئی ان پر مدت	پھر سخت ہو گئے ان کے دل

وَ کَثِیْرٌ مِّنْهُمْ	فٰسِقُوْنَ ⑯	اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	یُحْیِ الْاَرْضَ	بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
اور ان میں سے اکثر	نافرمانی کرنے والے ہیں	تم لوگ جان لو کہ اللہ	زندہ کرتا ہے زمین کو	اس کی موت کے بعد

قَدْ بَیَّنَّا	لَکُمُ الْاٰیٰتِ	لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰	اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ
ہم واضح کر چکے	تم لوگوں کے لیے نشانیوں کو	شاید تم لوگ عقل (استعمال) کرو	بیشک صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	یُّضٰعَفُ لَهُمْ	وَلَهُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ⑱
اور (جو بھی) قرض دے اللہ کو	کوئی (بھی) خوبصورت قرضہ	تو اس کو کئی گنا کیا جائے گا ان کے لیے	اور ان کے لیے ایک عزت والا اجر ہے

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۚ وَالشُّهَدَآءُ
اور جو لوگ ایمان لائے	اللہ اور اس کے رسولوں پر	ان لوگوں (میں سے)	ہی صدیقین اور شہداء ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ	لَهُمْ اَجْرُهُمْ	وَنُوْرُهُمْ ؕ	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اپنے رب کے پاس	ان کے لیے ان کا اجر ہے	اور ان کا نور ہے	اور جنہوں نے انکار کیا	اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾	اِعْلَمُوْٓا	اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ
وہ لوگ دوزخ والے ہیں	تم لوگ جان لو	کہ دنیوی زندگی تو بس	کھیل کود ہے اور تماشہ ہے اور زینت ہے

وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ	وَ تَكَاثُرٌ	فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ	كَمَثَلِ غَيْثٍ
اور فخر کرنا ہے آپس میں	اور ایک دوسرے پر کثرت حاصل کرنا ہے	مال اور اولاد میں	(نیز دنیوی زندگی) کسی بارش کی مثال کی طرح ہے

اَعْجَبَ	الْكُفَّارَ	نَبَاتُهٗ	ثُمَّ يَهِيْجُ	فَتَرٰىهُ	مُصْفَرًّا	ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ
دلکش لگا	کسان کو	جس کا سبزہ	پھر وہ زور پر آتا ہے	تو تو دیکھتا ہے اس کو	پیلا پڑتے ہوئے	پھر وہ ہو جاتا ہے روندا ہوا

وَفِي الْاٰخِرَةِ	عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ	وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ	وَرِضْوَانٌ ؕ
اور آخرت میں	شدید عذاب ہے	اور مغفرت ہے اللہ (کی طرف) سے	اور (اس کی) رضامندی ہے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ	اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾
اور دنیوی زندگی (کچھ) نہیں ہے	سوائے دھوکے کے سامان کے

نوٹ: 1

خشوع قلب سے مراد دل کا نرم ہونا اور وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہے۔ اور قرآن کے لیے خشوع یہ ہے کہ اس کے احکام، اوامر و نواہی کی اطاعت کے لیے تیار ہو جائے اور اس پر عمل کرنے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مومنین کے قلوب میں عمل کے اعتبار سے کچھ سستی معلوم کی تو اس پر یہ آیت (نمبر۔16) نازل ہوئی۔ امام اعمشؒ نے فرمایا کہ مدینہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو بعض حضرات میں عمل کی جدوجہد، جو ان کی عادت تھی، اس میں کچھ کمی اور سستی پائی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مومنین کو مکمل خشوع اور عمل صالح کے لیے مستعد رہنے کی تعلیم ہے اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا مدار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے جو چیز لوگوں سے اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ: 2

دل کی نرمی اگر وقتی ہو تو اس کے لیے خشوع قلب کی اصطلاح ہے، لیکن کسی کی شخصیت میں یہ دل نرمی اگر مستقل صفت بن جائے تو اس کے لیے قرآن کی اصطلاح ہے ''رَءُوْفَةٌ''۔ اور اس صفت کی حامل شخصیت کو رَءُوْفٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ صرف ایک جگہ، سورۃ التوبہ۔ 128، یہ لفظ رسول اللہؐ کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ انگریزی میں اس کو Empathy کہتے ہیں جو Sympathy (ہمدردی) سے بلند تر درجہ کی خوبی مانی جاتی ہے۔ (اپنی شخصیت میں اس خوبی کو اجاگر کرنے کے خواہشمند اصحاب اس کی مزید وضاحت جینے کا سلیقہ کورس میں دیکھ لیں۔)

اس حوالے سے اب یہ سمجھ لیں کہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح کے تقاضوں کو طوعاً اور کرھاً پورا کرنا اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ لیکن اس کے آگے دِلی آمادگی، جذبے، شوق اور پھر لگن کے ساتھ ان تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے درجہ بدرجہ ترقی کر کے درجۂ احسان تک پہنچنے پر آمادہ کرنے کے لیے جو عوامل انسان کے لیے مہمیز کا کام کرتے ہیں ان میں سے دو بنیادی اعوامل کا یہاں ذکر ہے۔ پہلا ہے رقتِ قلبی جو اوپر ہم سمجھ چکے۔ دوسرا ہے اسلام کے نظریہ آخرت کو دل و دماغ میں حاضر رکھنا۔ اس کا ذکر آیت۔ 17۔ میں ہے کہ آئے دن تمہاری آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو اور اس حقیقت کو دل و دماغ میں حاضر رکھو کہ اس طرح اللہ تمہیں بھی دوبارہ

زندہ کرے گا اور پھر تم ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے اس انجام تک پہنچو گے جس کی خبر انبیاء ورسل دیتے آئے ہیں۔ یہ دونوں عوامل جب مہمیز لگاتے ہیں تو انسان عمل صالح کے اس مرحلہ میں داخل ہوتا ہے جو صالح لوگوں میں سے کچھ کی زندگی میں عموماً سب سے آخر میں آتا ہے۔ اور وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان (یعنی وقت اور صلاحیت) اور مال خرچ کرنا۔ اور جب کوئی بندہ اپنے ظروف واحوال میں رہتے ہوئے اپنے مقدور بھر دعوت وتبلیغ کی جدوجہد یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جاتا ہے، تو وہ صالحین کے زمرے سے ترقی کر کے شہداء کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

پھر یہ جہاد پارٹی ڈسپلن کے پریشر کے تحت نہ ہو، نہ دیکھا دیکھی ہو، نہ ہسکا ہو رہی ہو، بلکہ اللہ کے بندوں کو آگ کے گڑھے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اور اپنے مسلمان بھائیوں کے اُخروی انجام کو خطروں میں گھرا دیکھ کر دل میں جو کسک اور ٹیس اٹھتی ہے، اس کے تحت وہ دعوت وتبلیغ میں اپنی جان اور اپنا مال کھپائے تو اخلاص کی پہلی شرط پوری ہو جائے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس جدوجہد کے عوض نہ پارٹی میں اعلیٰ عہدوں کی تمنا ہو اور نہ کسی داد وہش کی آرزو ہو، بلکہ اس کا اجر صرف اللہ سے مطلوب ہو اور آخرت میں مطلوب ہو۔ جہاد مع النفس کرتے ہوئے بندہ جب اپنے جہاد فی سبیل اللہ کی نیت اور اعمال کے اخلاص میں درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے اس کی تکمیلی مرحلہ میں داخل ہوتا ہے، تو وہ شہداء کے زمرے سے ترقی کر کے صدیقین کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ بلند ترین درجہ ہے جہاں تک بندہ اپنے کسب سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے اوپر انبیاءؑ کا زمرہ ہے جس کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لیکن جب یہ دروازہ کھلا ہوا تھا اس وقت بھی یہ رتبہ کسبی نہیں تھا بلکہ وہبی تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بلند درجات تو دور کی بات ہے، خود ہدایت بھی کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ (اے نبی ﷺ) بیشک آپ ﷺ ہدایت نہیں دیتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ القصص۔56)۔ اس لیے جو کچھ بھی ہے سب وہبی ہے۔ یہ اُس کی دین ہے جس کو پروردگار دے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ يقيناً دین تو اللہ ہی کی ہے لیکن عند الطلب ہے، بن مانگے نہیں ملتی سوائے نبوت کے جو بن مانگے ملتی تھی۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (انسان کے لیے کچھ نہیں ہے سوائے اس کے جو اس نے کوشش کی۔ (النجم۔39) اس لیے یہ رویہ درست نہیں ہے کہ سب کچھ اللہ کے حوالے کر کے انسان خود کو عمل سے فارغ کر لے۔ درست طرز عمل یہ ہے کہ جس چیز کی طلب ہو انسان اس کے لیے کوشش کرے، پھر کوشش کا نتیجہ اللہ کے حوالے کرے۔ پھر جو نتیجہ نکلے اسے اپنا کارنامہ نہ سمجھے کیونکہ کوشش کا نتیجہ اللہ کی دین ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب اور سعی بندے کا کسب ہے اور نتیجہ اللہ کی دین ہے۔

آیت نمبر (21 تا 25)

ترجمہ

سَابِقُوْٓا	اِلٰى مَغْفِرَةٍ	مِّنْ رَّبِّكُمْ
تم لوگ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو	ایک ایسی مغفرت کی طرف جو	تمہارے رب (کی طرف) سے ہے

وَجَنَّةٍ	عَرْضُهَا	كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ	اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ
اور ایک ایسی جنت کی طرف	جس کی وسعت	زمین و آسمان کی وسعت کی طرح ہے	جو تیار کی گئی ان کے لیے

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ	ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ	يُؤْتِيْهِ	مَنْ يَّشَآءُ ؕ
ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر	یہ اللہ کا فضل ہے	وہ دیتا ہے اسے (فضل)	اس کو جسے وہ چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾	مَآ اَصَابَ	مِنْ مُّصِيْبَةٍ	فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ
اور اللہ بڑے فضل والا ہے	نہیں آ لگتی	کوئی بھی آ لگنے والی	زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں

اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ	مِّنْ قَبْلِ اَنْ	نَّبْرَاَهَا ؕ	اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ	يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ ۚ
سوائے اس کے کہ (وہ) ایک کتاب میں ہے	اس سے پہلے کہ	ہم وجود بخشتے ہیں اس کو	بیشک یہ اللہ پر	آسان ہے

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا	عَلٰى مَا	فَاتَكُمْ	وَلَا تَفْرَحُوْا	بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
تا کہ تم لوگ مایوس نہ ہو	اس پر جو	نکل گیا تم سے	اور نہ اتراؤ	اس پر جو اس نے دیا تم کو	اور اللہ پسند نہیں کرتا

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾	الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ	وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ	بِالْبُخْلِ ؕ	
سب اکڑنے والوں فخر کرنے والوں کو	وہ لوگ جو کنجوسی کرتے ہیں	اور ترغیب دیتے ہیں لوگوں کو	کنجوسی کی	

وَمَنْ يَّتَوَلَّ	فَاِنَّ اللّٰهَ	هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾	لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	بِالْبَيِّنٰتِ
اور جو روگردانی کرتا ہے	تو یقیناً اللہ	ہی بے نیاز ہے حمد کیا ہوا ہے	بیشک ہم بھیج چکے اپنے رسولوں کو	واضح (نشانیوں) کے ساتھ

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ	الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ	لِيَقُوْمَ النَّاسُ	بِالْقِسْطِ ۚ	
اور ہم نے اتارا ان کے ساتھ	الکتاب اور وزن کرنے کا پیمانہ	تا کہ قائم رہیں لوگ	انصاف پر	

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ	فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ	وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ	وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
اور ہم نے اتارا لوہا	جس میں شدید سختی ہے	اور فائدے ہیں لوگوں کے لیے	اور تا کہ جان لے اللہ

مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	بِالْغَيْبِ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ ع
کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی	غائبانہ	یقیناً اللہ	قوی ہے بالا دست ہے

نوٹ: 1

آیت۔22۔ میں ایک حقیقت کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ ہر انسان پر اچھے یا برے، جو بھی حالات وارد ہوتے ہیں وہ سب اللہ کے اذن سے ہوتے ہیں۔ اس کے اذن کے بغیر پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔ پھر اگلی آیت میں بتایا کہ تم سے کوئی چیز جاتی رہے تو مایوس مت ہو اور کچھ مل جائے تو اتراؤ مت۔ یہاں پر یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس ہونا اور کچھ مل جانے پر خوشی ہونا بشری تقاضے ہیں اور اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ آیت۔23۔ میں جس طرز عمل سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان فطری افسوس کو پال پوس کر بڑھائے اور اپنے اوپر طاری رکھے تا کہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرتا رہے۔ یا فطری خوشی بڑھا چڑھا کر اس کی نمائش کرتا رہے تا کہ دوسروں کے دلوں میں حسرت اور حسد پیدا ہو۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ غم اور خوشی کے جذبات کو کنٹرول کر کے ایک حد کے اندر رکھے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرے تا کہ زندگی کے روزمرہ کے معمولات میں زیادہ خلل واقع نہ ہو۔ کسی عزیز کے انتقال سے بڑھ کر کیا سانحہ ہو سکتا ہے۔ اس میں سوگ منانے کی اجازت ہے لیکن سینہ کوبی اور بین کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور سوگ کی اجازت بھی تین دن سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اسلام کا یہ

تقاضہ پورا کرنا انسان کے لیے آسان ہوجاتا ہے اگر وہ یہ بات یاد رکھے کہ مجھے جو نقصان پہنچا ہے تو میرے رب کے اذن سے پہنچا ہے اور اس کے ہاتھ میں کل خیر ہے (ال عمران:26) اس لیے اس میں میری کوئی بھلائی ہے جو میں نہیں جانتا، وہ جانتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے وقت یہ یاد رکھے کہ مجھے کچھ ملا ہے تو یہ میرے رب کی دین ہے۔ اس میں میرا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔

اللہ کے ہاتھ میں کل خیر ہونے کا مطلب اس مثال سے سمجھیں کہ مالی اپنے لگائے ہوئے پودے کو پانی بھی دیتا ہے، کھاد بھی ڈالتا ہے لیکن اس میں گوڈی بھی کرتا ہے، اس کے سائے تلے پروان چڑھنے والی جڑی بوٹیوں کو اکھاڑ کر اس سے جدا بھی کرتا ہے اور خود پودے کی تراش خراش بھی کرتا رہتا ہے۔ مالی کے کسی کام سے پودے کو راحت محسوس ہوتی ہے کسی کام سے تکلیف ہوتی ہے لیکن مالی کے ہاتھ میں کل خیر ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے صرف پودے کی فلاح کے پیش نظر کرتا ہے۔ مالی جانتا ہے کہ پودے کے حق میں کیا خیر ہے اور کیا شر لیکن پودا نہیں جانتا۔

نوٹ:2

آیت۔25۔ میں پیغمبروں کو بھیجنے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتارنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اس کے بعد ایک تیسری چیز یعنی لوہے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اسی عدل وانصاف کی تکمیل کے لیے ہے جو پیغمبر اور کتاب کے نازل کرنے کا مقصد ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور باہمی حقوق وفرائض کا توازن برقرار رکھنے کے لیے واضح دلائل دیتے ہیں۔ وعظ ونصیحت کرتے ہیں اور نہ کرنے کی صورت میں آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن کچھ سرکش عناصر نہ کسی دلیل کو مانتے ہیں نہ اللہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے کو تیار ہوتے ہیں، ان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ عدل وانصاف کے نظام میں خلل اندازی کرتے رہیں گے، ایسے لوگوں کو قابو میں رکھنا لوہے اور تلوار کا کام ہے جو حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے دو چیزوں کو تو اصل قرار دیا ہے یعنی کتاب اور میزان، جبکہ جدید کا ذکر آخر میں فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اقامت عدل وانصاف کے لیے لوہے کا استعمال بدرجہ مجبوری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلق خدا کی اصلاح اور ان کو انصاف پر قائم رکھنا دراصل ذہنوں کی تربیت اور تعلیم سے ہوتا ہے۔ جبکہ حکومت کا زور اس کام کے لیے نہیں ہے بلکہ راستہ سے رکاوٹ دور کرنے کے لیے ہے۔ (معارف القرآن)۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com ,www.khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

6800

6800

6800

6800

6800

6800

6800

6800

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6819

سورۃ الحدید (57)

آیت نمبر (26 تا 29)

ترجمہ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا	نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِیۡمَ	وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِمَا	النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ
اور بیشک ہم بھیج چکے	نوحؑ اور ابراہیمؑ کو	اور ہم نے رکھ دیا ان دونوں کی اولاد میں	نبوت اور کتاب

فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ	وَ كَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ	فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۶﴾	ثُمَّ قَفَّیۡنَا	عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ
تو ان میں سے ہدایت پانے والے (بھی) ہیں	اور اکثر ان میں سے	نافرمانی کرنے والے ہیں	پھر ہم نے پیچھے بھیجا	ان کے نقوش قدم پر

بِرُسُلِنَا	وَقَفَّیۡنَا	بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ	وَاٰتَیۡنٰهُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۙ	وَجَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ
اپنے رسولوں کو	اور ہم نے پیچھے بھیجا	عیسیٰؑ ابن مریم کو	اور ہم نے دی ان کو انجیل	اور ہم نے رکھ دیا ان کے دلوں میں جنہوں نے

اتَّبَعُوۡهُ	رَاۡفَةً وَّ رَحۡمَةً ؕ	وَرَهۡبَانِیَّةَ	اِبۡتَدَعُوۡهَا	مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَیۡهِمۡ
پیروی کی انؑ کی	نرمی اور مہربانی	اور ترکِ دنیا کو!	انہوں نے ایجاد کیا اس (بدعت) کو	ہم نے فرض نہیں کیا تھا اسے ان پر

اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ	فَمَا رَعَوۡهَا	حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ
(انہوں نے ایجاد نہیں کیا اسے) مگر اللہ کی رضا کی جستجو کے لیے	پھر انہوں نے نباہا نہیں اس (بدعت) کو	جیسا اس کو نباہنے کا حق ہے

فَاٰتَیۡنَا	الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ	اَجۡرَهُمۡ ۚ	وَ كَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ	فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾
تو ہم نے دیا	ان کو جو ایمان لائے ان میں سے	ان کا اجر	اور اکثر ان میں سے	نافرمانی کرنے والے ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا	اتَّقُوا اللّٰهَ	وَاٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ	یُؤۡتِكُمۡ	كِفۡلَیۡنِ
اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر	تو وہ دے گا تم لوگوں کو	دو حصّے

مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ	وَیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا	تَمۡشُوۡنَ بِهٖ	وَیَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ
اپنی رحمت میں سے	اور وہ بنائے گا تمہارے لیے ایک ایسا نور	تم لوگ چلو (پھرو) گے جس کے ساتھ	اور وہ بخش دے گا تمہارے لیے (گناہوں کو)

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۸﴾ۙ	لِّئَلَّا یَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ	اَلَّا یَقۡدِرُوۡنَ
اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	تاکہ نہ جانیں اہل کتاب	کہ وہ قدرت نہیں رکھتے

عَلٰی شَیۡءٍ	مِّنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ	وَاَنَّ الۡفَضۡلَ	بِیَدِ اللّٰهِ
کسی چیز پر	اللہ کے فضل میں سے	اور یہ کہ کل کا کل فضل	اللہ کے ہاتھ میں ہے

یُؤۡتِیۡهِ	مَنۡ یَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۹﴾
وہ دیتا ہے اسے (فضل کو)	اس کو جسے وہ چاہتا ہے	اور اللہ عظیم فضل والا ہے

6819

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المجادلہ (58)

آیت نمبر (1 تا 10)

ترجمہ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ	قَوۡلَ الَّتِیۡ	تُجَادِلُكَ	فِیۡ زَوۡجِهَا
سن لی ہے اللہ نے	اس خاتون کی بات جو	جُحت کرتی ہے آپؐ سے	اپنے جوڑے (شوہر کے بارے میں)

وَتَشۡتَكِیۡۤ	اِلَی اللّٰہِ ۖ	وَاللّٰہُ یَسۡمَعُ	تَحَاوُرَكُمَا ؕ	اِنَّ اللّٰہَ
اور وہ شکوہ کرتی ہے	اللہ سے	اور اللہ سن رہا ہے	تم دونوں کے باہمی گفتگو کرنے کو	یقیناً اللہ

سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ①	اَلَّذِیۡنَ	یُظٰهِرُوۡنَ	مِنۡكُمۡ	مِّنۡ نِّسَآئِهِمۡ
ہمیشہ سننے والا دیکھنے والا ہے	وہ لوگ جو	ماں کہہ بیٹھتے ہیں	تم میں سے	اپنی عورتوں (بیویوں) میں سے (کسی کو)

مَّا هُنَّ	اُمَّهٰتِهِمْ ؕ	اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ	اِلَّا الّٰٓـِٔيْ	وَلَدْنَهُمْ ؕ	وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ
نہیں ہے وہ خواتین	ان کی مائیں	نہیں ہیں ان کی مائیں	سوائے ان کے جنہوں نے	جنا ان کو	اور بیشک وہ لوگ یقیناً کہتے ہیں

مُنْكَرًا	مِّنَ الْقَوْلِ	وَزُوْرًا ؕ	وَاِنَّ اللّٰهَ	لَعَفُوٌّ	غَفُوْرٌ ۝۲
ایک برائی	بات میں سے	اور ایک جھوٹ	اور بیشک اللہ	یقیناً بے انتہا درگزر کرنے والا	بے انتہا بخشنے والا ہے

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ	مِنْ نِّسَآئِهِمْ	ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ	لِمَا	قَالُوْا
اور جو لوگ ماں کہہ بیٹھتے ہیں	اپنی عورتوں میں سے	پھر وہ دوبارہ کرتے ہیں	وہ جس کے لیے	انہوں نے کہا تھا

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ	مِّنْ قَبْلِ اَنْ	يَّتَمَآسَّا ؕ	ذٰلِكُمْ	تُوْعَظُوْنَ
تو ایک گردن کا آزاد کرنا ہے	اس سے پہلے کہ	وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں	یہ (وہ ہے)	تو لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے

بِهٖ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝۳	فَمَنْ	لَّمْ يَجِدْ
جس کے ذریعے سے	اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو	ہمیشہ باخبر ہے	پھر وہ جو	نہ پائے (گردن آزاد کرنے کو)

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ	مِنْ قَبْلِ اَنْ	يَّتَمَآسَّا ۚ	فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ
تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے (اس کے لیے)	اس سے پہلے کہ	وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں	پھر وہ جو (اس کی) طاقت نہیں رکھتا

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ	ذٰلِكَ	لِتُؤْمِنُوْا	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
تو (اس کے لیے) ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے	یہ (اس لیے)	تاکہ تم لوگ ایمان رکھو	اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴
اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں	اور (ان کا) انکار کرنے والوں کے لیے	ایک دردناک عذاب ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	كُبِتُوْا	كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ
بیشک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں	اللہ اور اس کے رسول کی	وہ نامراد کیے گئے	جیسے کہ نامراد کیے گئے وہ لوگ جو	ان سے پہلے تھے

وَقَدْ اَنْزَلْنَآ	اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ	وَلِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ ۚ
حالانکہ ہم اتار چکے تھے	واضح نشانیاں	اور انکار کرنے والوں کے لیے	ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ	جَمِيْعًا	فَيُنَبِّئُهُمْ	بِمَا عَمِلُوْا ؕ	اَحْصٰىهُ اللّٰهُ
جس دن اٹھائے گا ان کو اللہ	سب کے سب کو	پھر وہ جتا دے گا ان کو	وہ جو انہوں نے عمل کیے	شمار پورا کیا اس کا اللہ نے

وَنَسُوْهُ ؕ	وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	شَهِيْدٌ ۝۶ ع
اور یہ لوگ بھول گئے اس کو	اور اللہ ہر چیز پر	گواہ ہے

ترکیب (آیت۔7) نَجْوٰی مضاف ہے اور ثَلٰثَةٍ اس کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے۔ خَمْسَةٍ۔ اَدْنٰی اور اَکْثَرَ، یہ تینوں بھی نَجْوٰی کا مضاف الیہ ہیں اور حالت جر میں ہیں۔ اَکْثَرَ غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں بھی اَکْثَرَ ہی رہے گا۔ (آیت۔8) حَیَّوْكَ دراصل مادہ ''ح ی ی'' سے باب تفعیل میں فعل ماضی کا جمع مذکر غائب کا صیغہ حَیَّیُوْا ہے قاعدے کے مطابق لام کلمہ کی یا گری تو حَیَّوْا استعمال ہوتا ہے۔ آگے ضمیر مفعولی کے آرہی ہے اس لیے واو الجمع کا الف بھی گرا ہوا ہے۔ اسی طرح اس کے مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ یُحَیِّیُ بنتا ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر یُحَیِّیْ استعمال ہوتا ہے۔ اس پر لَمْ داخل ہونے کی وجہ سے یہ مجزوم ہوا تو لام کلمہ کی یا گر گئی اس لیے یُحَیِّكَ استعمال ہوا۔ (آیت۔9) فَلَا تَتَنَاجَوْا باب تفاعل کے مضارع تَتَنَاجُوْنَ سے فعل نہی ہے۔ اس لیے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے، جبکہ تَنَاجَوْا اس سے فعل امر ہے۔ اس لیے اس کی علامت مضارع کی تا گری ہوئی ہے۔ (آیت۔10) لَیْسَ کی خبر بِضَآرِّهِمْ ہے۔ اس کا اسم هُوَ محذوف ہے، جو کہ اَلنَّجْوٰی کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ اور اَلشَّیْطٰنِ کے لیے بھی۔ مفہوم میں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

اَلَمْ تَرَ	اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ	مَا فِی السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ	مَا یَكُوْنُ
کیا تو نے غور نہیں کیا	کہ اللہ جانتا ہے	اس کو جو آسمانوں میں ہے	اور اس کو (بھی) جو زمین میں ہے	نہیں ہوتی

مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ	اِلَّا هُوَ	رَابِعُهُمْ	وَلَا خَمْسَةٍ	اِلَّا هُوَ	سَادِسُهُمْ
کسی تین کی کوئی بھی سرگوشی	مگر وہ (اللہ)	ان کا چوتھا ہوتا ہے	اور نہ کسی پانچ کی (سرگوشی)	مگر وہ (اللہ)	ان کا چھٹا ہوتا ہے

وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ	وَلَاۤ اَكْثَرَ	اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ	اَیْنَ مَا	كَانُوْا ۚ	ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ
اور نہ اس سے کم کی (سرگوشی)	اور نہ زیادہ کی (سرگوشی)	مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے	جہاں کہیں بھی	وہ لوگ ہوں	پھر وہ جتلا دے گا ان کو

بِمَا عَمِلُوْا	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ	عَلِیْمٌ ۝	اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ
وہ جو انہوں نے عمل کیا	قیامت کے دن	بیشک اللہ ہر چیز کا	علم رکھنے والا ہے	کیا تو نے غور نہیں کیا ان کی طرف جن کو

نُهُوْا	عَنِ النَّجْوٰی	ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ	لِمَا نُهُوْا عَنْهُ	وَیَتَنٰجَوْنَ
منع کیا گیا	سرگوشی کرنے سے	پھر وہ دوبارہ کرتے ہیں	وہی ان کو روکا گیا جس سے	اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫	وَاِذَا جَآءُوْكَ	حَیَّوْكَ	
گناہ اور زیادتی کے بارے میں	اور ان رسولؐ کی نافرمانی کے بارے میں	اور جب یہ لوگ آتے ہیں آپؐ کے پاس	دعا دیتے (سلام کرتے) ہیں آپؐ کو	

بِمَا	لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ	وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ	لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ	بِمَا نَقُوْلُ ؕ
اس (لفظ) سے	دعا نہیں دی آپؐ کو جس سے اللہ نے	اور کہتے ہیں اپنے جیوں میں	کیوں نہیں عذاب دیتا ہم کو اللہ	بسبب اس کے جو ہم کہتے ہیں

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ	یَصْلَوْنَهَا ۚ	فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	
کافی ہے ان کو جہنم	وہ لوگ گریں گے اس میں	تو کتنی بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ	اے لوگو جو ایمان لائے	

اِذَا تَنَاجَیْتُمْ	فَلَا تَتَنَاجَوْا	بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ
جب کبھی تم لوگ آپس میں سرگوشی کرو	تو سرگوشی مت کرو	گناہ اور زیادتی کے بارے میں	اور ان کے رسولؐ کی نافرمانی کے بارے میں

وَتَنَاجَوْا	بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط	وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ	اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩
اور آپس میں سرگوشی کرو	نیکی اور تقویٰ کے بارے میں	اور تقویٰ اختیار کرو اس اللہ کا	جس کی طرف تم لوگ اکٹھا کیے جاؤ گے

اِنَّمَا النَّجْوٰى	مِنَ الشَّيْطٰنِ	لِيَحْزُنَ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ
کانا پھوسی تو بس	شیطان (کی طرف) سے ہے	تاکہ وہ غمگین کرے	ان لوگوں کو جو ایمان لائے	اور وہ نقصان پہنچانے والا نہیں ہے

شَيْـًٔا	اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط	وَعَلَى اللّٰهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ	الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠
کچھ بھی	مگر اللہ کی اجازت سے	اور اللہ پر ہی	چاہیے کہ بھروسہ کریں	ایمان لانے والے

آیت نمبر (11 تا 13)

ترجمہ

ف س ح

(ف) فَسْحًا وسعت دینا۔ کشادگی کرنا۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11۔

اِفْسَحْ فعل امر ہے تو وسعت دے۔ کشادگی کر۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11

(تفعل) تَفَسُّحًا بتکلف کشادگی پیدا کرنا۔

تَفَسَّحْ فعل امر ہے۔ تو کشادگی پیدا کر۔ زیر مطالعہ آیت۔ 11۔

ترکیب فعل امر فَافْسَحُوْا کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یَفْسَحِ مجزوم ہوا ہے۔ آگے ملانے کے لیے اسے کسرہ دی گئی ہے۔ اسی طرح سے فَانْشُزُوْا کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یَرْفَعِ مجزوم ہے۔ یَرْفَعْ کے مفعول اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ہیں دَرَجٰتٍ اگر تمیز ہوتا تو دَرَجَةً آتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ یَرْفَعْ کا دوسرا مفعول ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اِذَا قِيْلَ لَكُمْ	تَفَسَّحُوْا	فِي الْمَجٰلِسِ	فَافْسَحُوْا
اے لوگو جو ایمان لائے	جب کبھی کہا جائے تم لوگوں سے	تم لوگ کشادگی پیدا کرو	مجلسوں میں	تو تم لوگ کشادگی کرو

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ج	وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا	فَانْشُزُوْا	يَرْفَعِ اللّٰهُ	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا
تو کشادگی کرے گا اللہ تمہارے لیے	اور جب کبھی کہا جائے اٹھو	تو اُٹھ جاؤ	تو بلند کرے گا اللہ	ان لوگوں کو جو ایمان لائے تم میں سے

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	دَرَجٰتٍ ط	وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝١١
اور ان کو جنہیں دیا گیا علم	درجات کو	اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	ہمیشہ باخبر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ	فَقَدِّمُوْا	بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے	جب کبھی تم لوگ سرگوشی کرو ان رسولؐ سے	تو پیش کرو	اپنی سرگوشی کے سامنے (سے پہلے)

صَدَقَةً ط	ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ	وَاَطْهَرُ ط	فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا	فَاِنَّ اللّٰهَ
کوئی صدقہ	یہ بہتر ہے تمہارے لیے	اور زیادہ پاکیزہ ہے	پھر اگر تم لوگ نہ پاؤ (کوئی صدقہ)	تو بیشک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾	ءَاَشْفَقْتُمْ	اَنْ تُقَدِّمُوْا	بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ
بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کیا تم لوگ ڈر گئے	(اس سے) کہ تم لوگ پیش کرو	اپنی سرگوشی سے پہلے

صَدَقٰتٍ ؕ	فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا	وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ	فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
کچھ صدقات	پھر جب تم لوگ نہ کرو	اس حال میں کہ معاف کیا اللہ نے تمہیں	تو قائم کرو نماز کو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ	وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع
اور پہنچاؤ زکوٰۃ کو	اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی	اور اللہ باخبر ہے	اس سے جو تم لوگ کرتے ہو یا کرو گے

آیت نمبر (14 تا 19)

ترکیب

آیت۔14) یہاں تَوَلَّوْا روگردانی کرنے کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ دوست بنانے کے معنی میں ہے۔ استثناء کو چھوڑ کر عام قاعدہ یہ ہے کہ تَوَلّٰی کے ساتھ اگر کوئی مفعول مذکور نہ ہو یا عَنْ کے صلہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''منہ موڑنا۔ روگردانی کرنا'' اس لیے تَوَلّٰی کے معنی ہیں اس نے منہ موڑا۔ اور تَوَلّٰی عَنْهُ کا مطلب ہے اس نے اس سے منہ موڑا۔ جبکہ دوستی کرنے کے معنی میں اس کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ جیسے یہاں قَوْمًا بنفسہٖ آیا ہے۔ اس لیے اس کے معنی ہیں دوستی کرنا۔ حَلَفَ کے معنی ہیں قسم کھانا۔ جس کی قسم کھائی جائے اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ حَلَفَ بِاللّٰهِ (اس نے اللہ کی قسم کھائی)۔ جس کو یقین دلانے کے لیے قسم کھائی جائے اس پر لَ کا صلہ آتا ہے۔ حَلَفَ لَهٗ (اس نے اس کے لیے قسم کھائی یعنی یقین دلانے کے لیے) جس بات پر قسم کھائی جائے اس پر عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ	تَوَلَّوْا قَوْمًا	غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ	مَا هُمْ مِّنْكُمْ
کیا تو نے غور کیا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے	دوستی کی ایک ایسی قوم سے	غضب کیا اللہ نے جس پر	وہ لوگ نہیں ہیں تم میں سے

وَلَا مِنْهُمْ ۙ	وَيَحْلِفُوْنَ	عَلَى الْكَذِبِ	وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾	اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
اور نہ ان (کافروں) میں سے	اور وہ قسم کھاتے ہیں	جھوٹ بات پر	اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں	تیار کیا اللہ نے ان کے لیے

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ	اِنَّهُمْ	سَآءَ مَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾	اِتَّخَذُوْٓا	اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً
ایک سخت عذاب	بیشک وہ لوگ!	برا ہے وہ جو	وہ لوگ کیا کرتے ہیں	انہوں نے بنایا	اپنی قسموں کو ایک ڈھال

فَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾	لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ	اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
پھر وہ رک گئے	اللہ کی راہ سے	تو ان کے لیے ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے	ہرگز کام نہ آئیں گے ان کے	ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ	اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ	هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾	يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ	
اللہ سے کچھ بھی	وہ لوگ آگ والے ہیں	وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں	جس دن اٹھائے گا ان کو اللہ	

جَمِيْعًا	فَيَحْلِفُوْنَ	لَهٗ	كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ	وَيَحْسَبُوْنَ
سب کے سب کو	پھر وہ لوگ قسم کھائیں گے	اس (اللہ) کے لیے	جیسے یہ قسم کھاتے ہیں تمہارے لیے	اور گمان کرتے ہیں

اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ	اَلَاۤ	اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾	اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ	الشَّيْطٰنُ	فَاَنْسٰىهُمْ
کہ وہ لوگ کسی (بڑی) چیز پر ہیں	خبردار	یہ لوگ ہی جھوٹ کہنے والے ہیں	قابو پایا ان پر	شیطان نے	تو اس نے بھلا دی ان لوگوں کو

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ	اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ	اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾
اللہ کی یاد	وہ لوگ شیطان کا جتھا ہیں	سن لو! شیطان کا جتھا	ہی خسارہ پانے والا ہے

آیت نمبر (20 تا 22)

ترجمہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ	اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ	اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾	كَتَبَ اللّٰهُ
بیشک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں	اللہ اور اس کے رسول کی	وہ ذلیل ترین لوگوں میں ہیں	لکھ دیا اللہ نے

لَاَغْلِبَنَّ	اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾	لَا تَجِدُ قَوْمًا
(کہ) میں لازماً غالب ہوں گا	میں بھی اور میرے رسول بھی	یقیناً اللہ قوی ہے بالادست ہے	تو نہیں پائے گا کسی ایسی قوم کو جو

يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	يُوَآدُّوْنَ	مَنْ	حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	وَلَوْ كَانُوْۤا
ایمان لاتی ہو اللہ پر اور آخری دن پر	خیر خواہی کرتے ہوئے	اس کی جس نے	مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی	اور اگرچہ وہ لوگ ہوں

اٰبَآءَهُمْ	اَوْ اَبْنَآءَهُمْ	اَوْ اِخْوَانَهُمْ	اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ	اُولٰٓئِكَ
ان کے باپ دادا	یا ان کے بیٹے	یا ان کے بھائی	یا ان کی برادری کے	وہ لوگ ہیں

كَتَبَ	فِىْ قُلُوْبِهِمُ	الْاِيْمَانَ	وَاَيَّدَهُمْ	بِرُوْحٍ	مِّنْهُ ؕ
اس نے لکھ دیا	جن کے دلوں میں	ایمان	اور اس نے تائید کی ان کی	ایک ایسی روح (غیر مادی طاقت) سے جو	اس (کی طرف) سے تھی

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ	تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
اور وہ داخل کرے گا ان کو ایسے باغات میں	بہتی ہوں گی جن کے دامن سے نہریں	ہمیشہ رہنے والے ان میں	راضی ہو اللہ ان سے

وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ	اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ	اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع
اور وہ لوگ راضی ہوئے اس سے	وہ لوگ اللہ کا لشکر ہیں	سن لو! اللہ کا لشکر	ہی مراد پانے والا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6819

سورۃ الحشر (59)

آیت نمبر (1 تا 4)

وضاحت (آیت۔2) مَانِعَتُهُمۡ میں مَانِعَةُ دراصل اسم فاعل مَانِعٌ کا مؤنث کا صیغہ مَانِعَةٌ ہے۔ اَنَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے یہ حالت رفع میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے اس کی تنوین ختم ہوئی ہے۔ یہاں پر اسم الفاعل مَانِعَةٌ فعل کی طرح کام کر رہا ہے (دیکھیں آیت۔2/آیت:54،نوٹ۔1) اور حُصُوۡنُهُمۡ اُس کا فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہے۔ حُصُوۡنٌ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے۔ اس لیے اسم الفاعل مَانِعٌ (مذکر) کے بجائے مَانِعَةٌ (مؤنث) آیا ہے۔

ترجمہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ	مَا فِی السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ
تسبیح کرتا ہے اللہ کی	وہ جو (کچھ) آسمانوں میں ہے	اور وہ جو (کچھ) زمین میں ہے

وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ①	هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ	الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا	مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ	مِنۡ دِیَارِهِمۡ
اور وہ ہی بالادست ہے حکمت والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے نکالا	ان کو جو مکر گئے	اہل کتاب میں سے	ان کے گھروں سے

لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ	مَا ظَنَنۡتُمۡ	اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا	وَظَنُّوۡۤا	اَنَّهُمۡ	مَّانِعَتُهُمۡ
حشر کی پہل کے لیے	تمہیں گمان نہیں تھا	کہ وہ لوگ نکلیں گے	اور انہیں گمان تھا	کہ وہ (وہ) ہیں	جن کا بچاؤ کرنے والے ہیں

حُصُوۡنُهُمۡ	مِّنَ اللّٰهِ	فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ	مِنۡ حَیۡثُ	لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ۫	وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ
ان کے قلعے	اللہ سے	تو پہنچا ان کے پاس اللہ	وہاں سے جہاں سے	انہیں خیال تک نہ تھا	اور اس نے ڈالا ان کے دلوں میں

الرُّعۡبَ	یُخۡرِبُوۡنَ	بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ	وَاَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۗ	فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ②
رعب	تو وہ لوگ اجاڑتے تھے	اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے	اور مومنوں کے ہاتھوں سے	تو عبرت حاصل کرو اے بصیرت والو

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ	كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمُ	الۡجَلَآءَ	لَعَذَّبَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا ؕ
اور اگر نہ ہوتا کہ	لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر	جلاوطن کیا جانا	تو وہ ضرور عذاب دیتا ان کو دنیا میں

وَلَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ	عَذَابُ النَّارِ ③	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ	شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ
اور ان کے لیے آخرت میں	آگ کا عذاب ہے	یہ اس سبب سے کہ انہوں نے	مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی

وَمَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰهَ	فَاِنَّ اللّٰهَ	شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ④
اور جو مخالفت کرے گا اللہ کی	(تو وہ یاد رکھے کہ) پھر اللہ	سزا دینے کا سخت ہے

آیت نمبر (5تا10)

6819

و	ج	ف

(ض) وَجْفًا مضطرب ہونا۔تیز دوڑنا۔

وَاجِفٌ اسم الفاعل ہے۔مضطرب ہونے والا۔دوڑنے والا۔ ﴿ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴾ (79/النّٰزعٰت:8)''دل اس دن مضطرب ہونے والے ہیں۔''

(افعال) اِيْجَافًا مضطرب کرنا۔دوڑانا۔زیر مطالعہ آیت۔9۔

ترجمہ

مَا قَطَعْتُمْ	مِّنْ لِّيْنَةٍ	اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	قَآىِٕمَةً	عَلٰٓى اُصُوْلِهَا
جوتم لوگوں نے کاٹا	کوئی بھی کھجور کا درخت	یا تم نے چھوڑا ان کو	کھڑا ہوا	اپنی جڑوں پر

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ	وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵	وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ
تو (وہ) اللہ کی اجازت سے تھا	اور تا کہ وہ رسوا کرے نافرمانوں کو	اور جو لوٹایا اللہ نے	اپنے رسول پر

مِنْهُمْ	فَمَآ اَوْجَفْتُمْ	عَلَيْهِ	مِنْ خَيْلٍ	وَّلَا رِكَابٍ	وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ
ان لوگوں سے (لے کر)	تو نہیں دوڑایا تم لوگوں نے	اس پر	کوئی بھی گھوڑا	اور نہ ہی کوئی اونٹ	اور لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے

رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶	مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ	عَلٰى رَسُوْلِهٖ
اپنے رسولوں کو اس پر جس پر وہ چاہتا ہے	اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اور جو لوٹایا اللہ نے	اپنے رسول پر

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى	فَلِلّٰهِ	وَلِلرَّسُوْلِ	وَلِذِي الْقُرْبٰى	وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ
ان بستی والوں سے (لے کر)	تو (وہ) اللہ کے لیے ہے	اور ان رسولؐ کے لیے ہے	اور قرابت والوں کے لیے ہے	اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے

كَيْ لَا يَكُوْنَ	دُوْلَةً	بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ	وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ
تا کہ وہ نہ ہو جائے	ایک گردش میں رہنے والی چیز	تم میں سے غنی لوگوں کے مابین	اور جو دیں تم کو یہ رسولؐ

فَخُذُوْهُ	وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ	فَانْتَهُوْا ۚ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
تو تم لوگ پکڑ لو اس کو	اور اس سے وہ روکیں تم کو جس سے	تو تم لوگ رک جاؤ	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	یقیناً اللہ گرفت کرنے کا سخت ہے

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ	اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ	يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
(خصوصاً) اُن ہجرت کرنے والے محتاجوں کے لیے ہے جو	نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے	تلاش کرتے ہوئے فضل کو اللہ سے اور رضامندی کو

وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ	اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ ۝	وَالَّذِيْنَ
اور مدد کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی	وہ لوگ ہی سچ کہنے والے ہیں	اور اُن کے لیے ہے جنہوں نے

تَبَوَّءُ	الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ	مِنْ قَبْلِهِمْ
اقامت اختیار کی	اس گھر (شہر مدینہ) میں اور ایمان میں	ان (مہاجرین) سے پہلے

يُحِبُّوْنَ	مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ	وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
وہ لوگ محبت کرتے ہیں	اس سے جس نے ہجرت کی ان کی طرف	اور وہ لوگ نہیں پاتے اپنے سینوں میں

حَاجَةً مِّمَّآ	اُوْتُوْا	وَيُؤْثِرُوْنَ	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
کوئی حاجت اس میں سے جو	اُن (مہاجرین) کو دیا گیا	اور وہ لوگ ترجیح دیتے ہیں (ان کو)	اپنی جانوں پر	اور اگرچہ ہو ان پر

خَصَاصَةٌ ؕ	وَمَنْ يُّوْقَ	شُحَّ نَفْسِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ ۝
کوئی محتاجی	اور جس کو بچایا گیا	اس کے جی کے بخل سے	تو وہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ	يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا	وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ
اور ان کے لیے ہے جو آئے ان کے بعد	کہتے ہوئے اے ہمارے رب تو بخش دے ہمارے لیے	اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے (گناہ) جنہوں نے

سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ	وَلَا تَجْعَلْ	فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا
سبقت کی ہم پر ایمان میں	تو مت بنا	ہمارے دلوں میں کوئی کدورت

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع
ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے	اے ہمارے رب بیشک تو ہی انتہائی نرمی کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

6819

آیت نمبر (11 تا 17)

ترکیب

(آیت۔11) اَحَدًا اَبَدًا مرکب توصیفی نہیں ہے، لَا نُطِیۡعُ کا مفعول ہونے کی وجہ سے اَحَدًا حالت نصب میں آیا ہے جبکہ اَبَدًا ظرف ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ یَشۡهَدُ کا مقولہ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ Direct tense میں نقل کیا گیا ہے۔ اگر یَشۡهَدُ کے مفعول کے طور پر یہ Indirect tense میں ہوتا تو اَنَّهُمۡ آتا۔ (آیت۔13) لَاَنۡتُمۡ میں لائے نفی نہیں ہے بلکہ اس میں لام تاکید کا ہے اور الف زائدہ ہے جسے پڑھا نہیں جاتا۔ اس مقام پر لام تاکید کو الف زائدہ کے ساتھ لکھنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ (آیت۔14) هُدًی کی طرح قُرًی بھی مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے فِیۡ کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن یہ محلاً حالت جر میں ہے اور مُحَصَّنَةٍ اس کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ مرکب توصیفی ہے۔

ترجمہ

اَلَمۡ تَرَ	اِلَى الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا	يَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِيۡنَ
کیا تو نے دیکھا نہیں	ان کی طرف جو دورخے ہوئے	وہ لوگ کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں سے جو

كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ	لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ	لَنَخۡرُجَنَّ مَعَكُمۡ
منکر گئے اہل کتاب میں سے	بیشک اگر تم لوگ نکالے گئے	تو لازماً ہم (بھی) نکلیں گے تمہارے ساتھ

وَلَا نُطِيۡعُ فِيۡكُمۡ	اَحَدًا	اَبَدًا ۙ	وَّاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ	لَنَنۡصُرَنَّكُمۡ ؕ
اور ہم کہنا نہ مانیں گے تمہارے بارے میں	کسی ایک کا	کبھی بھی	اور اگر قتال کیا گیا تم لوگوں سے	تو ہم لازماً مدد کریں گے تمہاری

وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ	اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ⑪	لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا	لَا يَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ ۚ
اور اللہ گواہی دیتا ہے	''بیشک یہ لوگ یقیناً جھوٹ کہنے والے ہیں''	بیشک اگر یہ مدد کریں گے ان کی	تو یہ لوگ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ

وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا	لَا يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ ۚ	وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ	لَيُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۫ قف
اور بیشک اگر ان سے قتال کیا گیا	تو یہ لوگ مدد نہیں کریں گے اُن کی	اور بیشک اگر یہ مدد کریں گے ان کی	تو یہ لوگ لازماً پھیر دیئے جائیں گے پیٹھوں کو

ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ⑫	لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً	فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ	مِّنَ اللّٰهِ ؕ
پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی	بیشک تم لوگ زیادہ شدید ہو بلحاظ دہشت کے	ان کے سینوں میں	یہ نسبت اللہ کی

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ	قَوۡمٌ	لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ⑬	لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا
یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ	ایک ایسی قوم ہیں جو	سوچ سمجھ نہیں رکھتے	وہ لوگ قتال نہیں کریں گے تم سے اکٹھے ہو کر

اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ	اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ	بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ
مگر کچھ مضبوط کی ہوئی (قلعہ بند) بستیوں میں	یا دیواروں کے پیچھے سے	ان کی لڑائی اُن کے مابین

شَدِيۡدٌ ؕ	تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا	وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ
شدید ہے	تو سمجھتا ہے اُن کو اکٹھا	حالانکہ ان کے دل پراگندہ ہیں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ	لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾	كَمَثَلِ الَّذِيْنَ
یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایک ایسی قوم ہیں جو	عقل استعمال نہیں کرتے	(ان کی مثال) اُن لوگوں کی مثال کی مانند ہے جو

6819

مِنْ قَبْلِهِمْ	قَرِيْبًا	ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ	وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾
ان سے پہلے تھے	قریبی زمانے میں	انہوں نے چکھی اپنے کام کی سزا	اوران کے لیے ایک دردناک عذاب ہے

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ	اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ	اكْفُرْ ۚ	فَلَمَّا كَفَرَ
(اورمنافقوں کی مثال) شیطان کی مثال کی مانند ہے	جب اس نے کہا انسان سے	تو کفر کر	پھر جب اس نے کفر کیا

قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ	اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ	رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾	فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ
تو اس نے کہا میں بری الذمہ ہوں تجھ سے	بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے	جو تمام جہانوں کا رب ہے	تو تھا ان دونوں کا انجام

اَنَّهُمَا	فِي النَّارِ	خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ	وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾
کہ وہ دونوں	آگ میں ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہیں اس میں	اور یہ ظلم کرنے والوں کی جزاء ہے

آیت نمبر (18 تا 24)

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اتَّقُوا اللّٰهَ	وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ	مَّا قَدَّمَتْ
اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ تقوٰی اختیار کرو اللہ کا	اور چاہیے کہ دیکھے ہر ایک جان (شخص)	اس نے کیا آگے بھیجا

لِغَدٍ ۚ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾	وَلَا تَكُوْنُوْا
کل کے لیے	اور تم لوگ ڈرو اللہ (کی باز پرس) سے	بیشک اللہ باخبر ہے	اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	اور تم لوگ مت ہونا

كَالَّذِيْنَ	نَسُوا اللّٰهَ	فَاَنْسٰىهُمْ	اَنْفُسَهُمْ ؕ
ان لوگوں کے جیسے جنہوں نے	بھلا دیا اللہ کو	تو اس (اللہ) نے بھلوا دیا ان کو	ان کا اپنا آپ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾	لَا يَسْتَوِيْٓ	اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾
وہ لوگ ہی نافرمانی کرنے والے ہیں	برابر نہیں ہوں گے	آگ والے اور جنت والے	جنت والے ہی مراد پانے والے ہیں

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ	عَلٰى جَبَلٍ	لَّرَاَيْتَهٗ	خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا	مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ
اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو	کسی پہاڑ پر	تو تو ضرور دیکھتا اس کو	جھکنے والا پاش پاش ہونے والا ہوتے ہوئے	اللہ کے دبدبہ سے

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ	نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ	لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾	هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ
اور یہ مثالیں!	ہم بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے	شاید وہ غور فکر کریں	وہ اللہ وہ ہے (کہ)

لَآ اِلٰهَ	اِلَّا هُوَ ۚ	عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ	هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾
کوئی الٰہ نہیں	مگر وہ	جو غیب اور شہادہ کا جاننے والا ہے	وہی انتہائی رحم کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ	لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ	اَلْمَلِكُ	الْقُدُّوْسُ	السَّلٰمُ	الْمُؤْمِنُ
وہ اللہ وہ ہے (کہ)	کوئی اِلٰہ نہیں مگر وہ	جو بادشاہ ہے	بالکل پاک ہے (اندازوں کی غلطی سے)	سراپا سلامتی ہے	امن دینے والا ہے

الْمُهَيْمِنُ	الْعَزِيْزُ	الْجَبَّارُ	الْمُتَكَبِّرُ ؕ	سُبْحٰنَ اللّٰهِ	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
حفاظت کرنے والا ہے	بالادست ہے	زبردست ہے	بڑائی والا ہے	پاکیزگی اللہ کی ہے	اس سے جو یہ لوگ شریک کرتے ہیں

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ	الْبَارِئُ	الْمُصَوِّرُ	لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ
وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے	وجود بخشنے والا ہے	صورت گری کرنے والا ہے	اس کے ہی ہیں تمام حسین نام

يُسَبِّحُ لَهٗ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ	وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع
تسبیح کرتی ہے اس کی	(ہر) وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے	اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الممتحنۃ (60)

آیت نمبر (1 تا 3)

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا	عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ	اَوْلِيَآءَ
اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگ مت بناؤ	میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو	(اپنے) کارساز

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ	بِالْمَوَدَّةِ	وَقَدْ كَفَرُوْا	بِمَا جَآءَكُمْ	مِّنَ الْحَقِّ ۚ
تم لوگ ڈالتے ہو ان کی طرف (پیغام)	خیر خواہی کے ساتھ	حالانکہ وہ انکار کر چکے	اس کا جو آیا تمہارے پاس	الحق میں سے

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ	اَنْ تُؤْمِنُوْا	بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ	اِنْ كُنْتُمْ
وہ لوگ نکالتے ہیں ان رسولؐ کو اور تم کو بھی	(اس لیے) کہ تم لوگ ایمان لائے	اللہ پر جو تمہارا رب ہے	اگر تم لوگ ہو (کہ)

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ	وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۚ	تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ
تم نکلتے ہو جہاد کرنے کے لیے میری راہ میں	اور میری رضا کی تلاش کے لیے	تو (بھی) راز کی بات بتاتے ہو ان کو

بِالْمَوَدَّةِ ۚ	وَاَنَا اَعْلَمُ	بِمَآ اَخْفَيْتُمْ
خیر خواہی کے ساتھ	حالانکہ میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں	اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو

وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ	وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ	فَقَدْ ضَلَّ	سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①
اور اس کو جو تم لوگ اعلانیہ کرتے ہو	اور جو کرتا ہے اس کام کو تم میں سے	تو وہ بھٹک چکا ہے	راستے کے درمیان سے

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ	يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً	وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ	اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ
اگر وہ لوگ قابو پالیں تم پر	تو وہ ہو جائیں گے تمہارے دشمن	اور بڑھائیں گے تمہاری طرف	اپنے ہاتھوں کو اور اپنی زبانوں کو

بِالسُّوْٓءِ	وَوَدُّوْا	لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۙ﴿۲﴾	لَنْ تَنْفَعَكُمْ	اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ
برائی سے	اور چاہیں گے (کہ)	کاش تم لوگ کفر کرو	ہرگز نفع نہیں دیں گی تم کو	تمہاری رشتہ داریاں اور نہ تمہاری اولادیں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ	يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳﴾
قیامت کے دن	وہ فیصلہ کرے گا تمہارے مابین	اور اللہ اس کو جو تم لوگ کرتے ہو دیکھنے والا ہے

آیت نمبر (4 تا 6)

ترکیب

(آیت۔4) قاعدہ یہ ہے کہ جس ہمزہ کے پہلے الف ہو، اس ہمزہ کو کرسی کے بغیر لکھتے ہیں۔ جیسے شَاءَ۔ يَشَاءُ۔ سَمَاءٌ وغیرہ۔ اس لحاظ سے بُرَءٰٓؤُا کا عربی املا بُرَءَاءُ ہے۔ اس مقام پر اس کو واو کی کرسی پر لکھنا اور الف کا اضافہ کرنا قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔ وَحْدَهٗ کو بِاللّٰهِ کا حال بھی مانا جا سکتا ہے اور تمیز بھی۔ ترجمہ میں ہم تمیز کو ترجیح دیں گے۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ میں اِلَّا سے استثناء کا تعلق اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سے ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول ان کے اسوۂ حسنہ سے مستثنیٰ ہے۔ (آیت۔6) كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ میں هِمْ کی ضمیر آیت۔4۔ میں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کے لیے ہے۔ جبکہ لَكُمْ میں كُمْ کی ضمیر کا بدل آگے لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا کے الفاظ میں آیا ہے۔

ترجمہ

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ
ہو چکا ہے تمہارے لیے ایک بھلائی والا نمونہ	ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ	اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ	وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫
جب ان لوگوں نے کہا اپنی قوم سے	بیشک ہم بیزار ہیں تم لوگوں سے	اور اس سے جس کی تم بندگی کرتے ہو اللہ کے علاوہ

كَفَرْنَا بِكُمْ	وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ	الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ
ہم نے انکار کیا تمہارا	اور ظاہر ہوئی ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان	دشمنی اور بغض

اَبَدًا	حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ	وَحْدَهٗٓ
ہمیشہ کے لیے	یہاں تک کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر	بلحاظ اس کے تنہا ہونے کے

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ	لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ	وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ
مگر ابراہیمؑ کا کہنا اپنے والد سے (اسوہ نہیں)	(کہ) میں لازماً مغفرت مانگوں گا آپ کے لیے	حالانکہ میں اختیار نہیں رکھتا آپ کے لیے

مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ	رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا	وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا	وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾
اللہ سے کچھ بھی	اے ہمارے رب تجھ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا	اور تیری طرف ہی ہم نے رخ کیا	اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا	وَاغْفِرْ لَنَا	رَبَّنَا ۚ
اے ہمارے رب تو مت بنا ہم کو ایک آزمائش	ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا	اور تو بخش دے ہمارے لیے (ہمارے گناہ)	اے ہمارے رب

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵	لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ	اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
بیشک تو ہی بالا دست ہے حکمت والا ہے	یقیناً ہو چکا ہے تمہارے لیے اُن لوگوں میں	ایک بھلائی والا نمونہ

لِّمَنْ كَانَ	يَرْجُوا اللّٰهَ	وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ
اس کے لیے جو ہے (کہ)	وہ امید رکھتا ہے اللہ (سے ملنے) کی	اور اس آخری دن (کے قائم ہونے) کی

وَمَنْ يَّتَوَلَّ	فَاِنَّ اللّٰهَ	هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۶ ع
اور جو روگردانی کرے گا	تو یقیناً اللہ ہے	(کہ) وہی بے نیاز ہے ہمیشہ حمد کیا ہوا ہے

آیت نمبر (7 تا 9)

ترجمہ

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ	بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ	عَادَيْتُمْ
قریب ہے کہ اللہ پیدا کر دے	تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے	تمہارا جھگڑا ہے

مِّنْهُمْ	مَّوَدَّةً ؕ	وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ
ان میں سے (کچھ سے)	دوستی	اور اللہ قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷	لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ	عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	نہیں روکتا تم کو اللہ	ان سے جنہوں نے جنگ نہیں کی تم سے

فِي الدِّيْنِ	وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ	مِّنْ دِيَارِكُمْ	اَنْ	تَبَرُّوْهُمْ
دین (کے بارے) میں	اور انہوں نے نہیں نکالا تم کو	تمہارے گھروں سے	(اس سے) کہ	تم لوگ حسنِ سلوک کرو ان سے

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸	اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ
اور انصاف کا رویہ اختیار کرو ان کی طرف	بیشک اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو	اللہ تو بس روکتا ہے تم کو

عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ	فِي الدِّيْنِ	وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	وَظٰهَرُوْا
ان سے جنہوں نے جنگ کی تم سے	دین (کے بارے) میں	اور تم کو نکالا تمہارے گھروں سے	اور باہم مدد کی

عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ	اَنْ	تَوَلَّوْهُمْ ۚ	وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹
تم کو نکالنے پر	(اس سے) کہ	تم لوگ دوستی کرو ان سے	اور جو دوستی کرے گا ان سے	تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں

نوٹ: 1

انسانوں کے انسانوں کے ساتھ تعلقات کی چار سطحیں (levels) ہیں غیر مسلموں میں سے کس قسم کے غیر مسلم سے کس سطح کے تعلقات جائز ہیں اور کس سطح کے تعلقات سے روکا گیا ہے، اس کی وضاحت آیت نمبر 3 / آل عمران: 28) کے نوٹ۔ 1 میں کی جا چکی ہے، اسے دوبارہ دیکھ لیں۔

آیت نمبر (10 تا 11)

6819

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ	الْمُؤْمِنٰتُ	مُهٰجِرٰتٍ
اے لوگو جو ایمان لائے جب کبھی آئیں تمہارے پاس	ایمان لانے والیاں	ہجرت کرنے والیاں ہوکر

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ	اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ	فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ	مُؤْمِنٰتٍ
تو تم لوگ جانچ لیا کرو ان کو	اللہ خوب جاننے والا ہے ان کے ایمان کو	پھر اگر تم لوگ جانو ان کو	ایمان لانے والیاں

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ	اِلَى الْكُفَّارِ ؕ	لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ	وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ
تو واپس مت کرو ان کو	کافروں کی طرف	یہ خواتین حلال نہیں ہیں ان کے لیے	اور نہ وہ لوگ حلال ہوں گے ان کے لیے

وَاٰتُوْهُمْ	مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ	وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
اور تم لوگ دے دو اُن (کافروں) کو	وہ جو انہوں نے خرچ کیا	اور کوئی حرج نہیں ہے تم پر	کہ تم لوگ نکاح کرو ان سے

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	اُجُوْرَهُنَّ ؕ	وَلَا تُمْسِكُوْا	بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ	وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
جب کہ تم ادا کرو ان کو	ان کی اجرت (مہر)	اور تم لوگ مت روکے رکھو	کافر عورتوں کے نکاح کو	کہ تم لوگ نکاح کرو ان سے

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ	ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ	يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩
اور چاہیے کہ وہ (کافر) مانگ لیں وہ جو انہوں نے خرچ کیا	یہ اللہ کا حکم ہے	وہ فیصلہ کرتا ہے تمہارے مابین	اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے

وَاِنْ فَاتَكُمْ	شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ	اِلَى الْكُفَّارِ	فَعَاقَبْتُمْ	فَاٰتُوا الَّذِيْنَ
اور اگر ہاتھ سے نکل جائے	کوئی بھی تمہاری بیویوں میں سے	کافروں کی طرف	پھر تم لوگ بدلے کا موقع پاؤ (کافروں سے)	تو تم لوگ دو ان کو

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ	مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ	اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪
گئیں جن کی بیویاں	اس کے جیسا جو انہوں نے خرچ کیا	اور تقویٰ اختیار کرو اس اللہ کا	تم لوگ جس پر ایمان رکھنے والے ہو

آیت نمبر (12 تا 13)

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ	يُبَايِعْنَكَ	عَلٰٓى اَنْ
اے نبیؐ جب کبھی آئیں آپؐ کے پاس مومن عورتیں	(کہ) وہ بیعت کرتی ہیں آپؐ سے	اس بات پر کہ

لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا	وَّلَا يَسْرِقْنَ	وَلَا يَزْنِيْنَ
وہ شریک نہیں کریں گی اللہ کے ساتھ کسی چیز کو	اور وہ چوری نہیں کریں گی	اور وہ زنا نہیں کریں گی

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ	وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ	يَّفْتَرِيْنَهٗ	بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
اور قتل نہیں کریں گی اپنی اولاد کو	اور وہ نہیں لائیں گی کوئی ایسا بہتان	انہوں نے گھڑا ہو جس کو	اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ	فَبَايِعْهُنَّ	وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ
اور نافرمانی نہیں کریں گی آپؐ کی نیک بات (شریعت) میں	تو آپؐ بیعت لیں ان سے	اور آپؐ مغفرت مانگیں ان کے لیے اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا
بیشک اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگ دوستی مت کرو کسی ایسی قوم سے

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ	قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ	كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ	مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع
غضب کیا اللہ نے جن پر	وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں آخرت سے	جیسے کہ مایوس ہوئے کافر لوگ	قبروں والوں سے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ (61)

آیت نمبر (1 تا 4)

ر ص ص

(ن) رَصًّا ایک کو دوسرے سے جوڑنا۔ چمٹانا۔

مَرْصُوْصٌ اسم المفعول ہے جوڑا ہوا۔ چمٹا ہوا۔ زیر مطالعہ آیت۔4

ترکیب (آیت۔3) كَبُرَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو گزشتہ آیت کے جملے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کے لیے ہے۔ اس کو اسی آیت کے جملے اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کی ضمیر ماننے سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ ضمیر کا مرجع عموماً ضمیر سے پہلے ہوتا ہے۔ مَقْتًا مفعول نہیں ہے بلکہ تمیز ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ (آیت۔4) صَفًّا حال ہے۔

ترجمہ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی (ہر) وہ چیز جو	آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ	مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾
اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے	اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ کیوں کہتے ہو	وہ جو تم کرتے نہیں

كَبُرَ	مَقْتًا	عِنْدَ اللّٰهِ	اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾	اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
وہ (بات) بڑی ہوئی	بلحاظ بے زاری کے	اللہ کے نزدیک	کہ تم لوگ وہ کہو جو کرتے نہیں ہو	بیشک اللہ پسند کرتا ہے

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ	فِيْ سَبِيْلِهٖ	صَفًّا	كَاَنَّهُمْ	بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾
ان لوگوں کو جو قتال کرتے ہیں	اس کی راہ میں	صف باندھتے ہوئے	جیسے کہ وہ لوگ	ایک مضبوط کی ہوئی عمارت ہیں

6819

آیت نمبر (5 تا 9)

ترجمہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ	یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ	وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ
جب کہا موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے	اے میری قوم تم لوگ کیوں اذیت دیتے ہو مجھ کو	حالانکہ تم لوگ جان چکے ہو

اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ	فَلَمَّا زَاغُوْۤا	اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی
کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف	پھر جب وہ لوگ بہکے	تو ٹیڑھا کیا اللہ نے ان کے دلوں کو	اور اللہ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵	وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ	یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
نافرمانی کرنے والی قوم کو	اور جب کہا عیسیٰ ؑ ابن مریم نے	اے بنی اسرائیل

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ	مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ	مِنَ التَّوْرٰىةِ
کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف	تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس کی جو میرے سامنے ہے	تورات میں سے

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ	یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی	اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ	فَلَمَّا جَآءَهُمْ
اور بشارت دینے والا ہوتے ہوئے ایک ایسے رسول کی جو	آئے گا میرے بعد	جس کا نام احمد ہوگا	پھر جب وہ آئے ان کے پاس

بِالْبَیِّنٰتِ	قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶	وَمَنْ اَظْلَمُ	مِمَّنِ افْتَرٰی
واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے	اور کون زیادہ ظالم ہے	اس سے جس نے گھڑا

عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ	وَهُوَ یُدْعٰۤی اِلَی الْاِسْلَامِ ؕ	وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی	الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۷
اللہ پر جھوٹ	اس حال میں کہ اس کو بلایا جاتا ہے اسلام کی طرف	اور اللہ ہدایت نہیں دیتا	ظلم کرنے والے لوگوں کو

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا	نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ	وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ	وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸
وہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ بجھا دیں	اللہ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے	حالانکہ اللہ مکمل کرنے والا ہے اپنے نور کو	اور اگرچہ کراہیت کریں کفر کرنے والے

هُوَ الَّذِیْۤ	اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	بِالْهُدٰی	وَدِیْنِ الْحَقِّ
وہ، وہ ہے جس نے	بھیجا اپنے رسول کو	اس ہدایت (قرآن) کے ساتھ	اور الحق (اللہ) کے ضابطۂ حیات کے ساتھ

لِیُظْهِرَهٗ	عَلَی الدِّیْنِ	كُلِّهٖ	وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع
تاکہ وہ (رسول) غالب کر دیں اس (دین) کو	ضابطۂ حیات پر	اس کے کُل پر	اور اگرچہ کراہیت کریں شرک کرنے والے

آیت نمبر (10 تا 14)

ترکیب

(آیت۔ 11۔12) تُؤْمِنُوْنَ اور تُجَاهِدُوْنَ دونوں افعال مضارع ہیں لیکن اگلی آیت میں یَغْفِرْ اور یُدْخِلْ مجزوم آئے۔ اس سے معلوم ہوا مذکورہ افعال مضارع دراصل فعل امر کے معانی میں آئے ہیں۔ تدبر قرآن میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ''عربیت کے اس اسلوب کی طرف ہم جگہ جگہ اشارہ کرتے آرہے ہیں کہ جب امر یا نہی کے اندر موعظت اور ناصحانہ تلقین کا مضمون پیدا کرنا ہو

تو اس کو خبر یہ اسلوب میں کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں تُؤْمِنُوْنَ اور تُجَاهِدُوْنَ بظاہر تو خبر کے اسلوب میں ہیں لیکن یہ امر کے معنی میں ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ مذکورہ افعال مضارع کا ترجمہ عام طور پر فعل امر کا کیا گیا ہے۔لیکن اردو میں یہ اسلوب موجود ہے کہ کبھی حرف شرط بیان کیے بغیر مضارع کو شرط کے معنی میں لے آتے ہیں۔جیسے ہم کہتے ہیں ''فلاں کام کرو گے تب تم کو یہ چیز ملے گی۔''اس میں ''کرو گے'' سادہ مضارع ہے لیکن آگے جواب شرط ''تب ملے گی'' کا بیان بتا رہا ہے کہ یہاں مضارع شرط کے معنی میں ہے، ان آیات کا ترجمہ کرنے میں ہم اُردو کے اس اسلوب سے فائدہ اٹھائیں گے۔(آیت۔13) اُخْرٰی صفت ہے اور مؤنث نکرہ ہے۔اس کا موصوف محذوف ہے جو مؤنث نکرہ ہی ہوسکتا ہے۔ہم اس سے پہلے وَلَكُمْ نِعْمَةٌ محذوف مانیں گے۔اس طرح لَكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہوگی اور نِعْمَةٌ اُخْرٰی مبتدا موخر نکرہ اور اس کی خبر محذوف ہوگی۔نِعْمَةٌ نکرہ مخصوصہ کی خصوصیت تُحِبُّوْنَهَا ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ	عَلٰى تِجَارَةٍ	تُنْجِيْكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے کیا میں رہنمائی کروں تمہاری	ایک ایسی تجارت پر جو	بچائے گی تم لوگوں کو

مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَتُجَاهِدُوْنَ
ایک دردناک عذاب سے	تم لوگ ایمان لاؤ گے	اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور جہاد کرو گے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ	ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ لا
اللہ کی راہ میں	اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے	یہ بہتر ہوگا تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانو

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ	وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
تب وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو	اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغات میں	بہتی ہوں گی جن کے دامن میں نہریں

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً	فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ	ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ لا	وَاُخْرٰى
اور ایسے پاکیزہ مکانوں میں جو	عدن کے باغات میں ہوں گے	یہ ہی شاندار کامیابی ہے	اور (تمہارے لیے) ایک دوسری (نعمت بھی) ہے

تُحِبُّوْنَهَا ؕ	نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ	وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ	وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳
تم لوگ پسند کرتے ہو جس کو	(وہ) نصرت ہے اللہ (کی طرف) سے	اور قریبی فتح ہے	اور آپؐ بشارت دے دیں مومنوں کو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا	اَنْصَارَ اللّٰهِ	كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ
اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگ ہو جاؤ	اللہ کی مدد کرنے والے	جیسے کہ کہا عیسیٰؑ ابن مریم نے حواریوں کو

مَنْ اَنْصَارِيْٓ	اِلَى اللّٰهِ ؕ	قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ	نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ
کون ہیں میری مدد کرنے والے	اللہ کی طرف	کہا حواریوں نے	ہم ہیں اللہ کی مدد کرنے والے

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ	فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
تو ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل میں سے	اور انکار کیا ایک گروہ نے	تو ہم نے تائید کی ان کی جو ایمان لائے

عَلٰى عَدُوِّهِمْ	فَاَصْبَحُوْا	ظٰهِرِيْنَ ۝۱۴ ع
ان کے دشمنوں کے خلاف	تو وہ لوگ ہو گئے	غالب آنے والے

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

6819

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

6860

سورۃ الجمعہ (62)

آیت نمبر (1 تا 8)

ترکیب

(آیت۔1) اَلۡمَلِكِ سے اَلۡحَكِيۡمِ تک سارے اسماء لِلّٰہِ کی صفت ہونے کی وجہ سے حالت جرّ میں ہیں۔ (آیت۔3) وَاٰخَرِيۡنَ گزشتہ آیت میں فِي الۡاُمِّيّٖنَ کے فِيۡ پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔ (آیت۔6) باب تفعل اور باب تفاعل میں فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ اور فعل امر میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ، دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ یہاں فَتَمَنَّوُا باب تفعل سے ہے اور بظاہر اس میں بھی دونوں امکان ہیں لیکن آیت کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ فعل ماضی نہیں ہے بلکہ فعل امر ہے۔

ترجمہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِي الۡاَرۡضِ	الۡمَلِكِ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی	(ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	جو بادشاہ ہے

الۡقُدُّوۡسِ	الۡعَزِيۡزِ	الۡحَكِيۡمِ ①	هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ	فِي الۡاُمِّيّٖنَ	رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ
پاک ہے	بالادست ہے	حکمت والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے بھیجا	اَن پڑھ لوگوں میں	ایک ایسا رسول ان میں سے جو

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ	وَيُزَكِّيۡهِمۡ	وَيُعَلِّمُهُمُ	الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ
پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں	اور تزکیہ کرتا ہے ان کا	اور تعلیم دیتا ہے ان کو	اِس کتاب (قرآن) کی اور دانائی کی

وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ	لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ②	وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ	لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ
اور بیشک وہ لوگ تھے اس سے پہلے	یقیناً ایک کھلی گمراہی میں	اور کچھ ایسے دوسرے لوگوں میں ان میں سے جو	ابھی تک نہیں ملے ان سے

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ③	ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ	يُؤۡتِيۡهِ	مَنۡ يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ④
اور وہی بالادست ہے حکمت والا ہے	یہ اللہ کا فضل ہے	وہ دیتا ہے وہ (فضل)	اس کو جسے وہ چاہتا ہے	اور اللہ بڑے فضل والا ہے

مَثَلُ الَّذِيۡنَ	حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ	ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا	كَمَثَلِ الۡحِمَارِ	يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ
ان لوگوں کی مثال جن سے	اٹھوائی گئی تورات	پھر انہوں نے نہیں اٹھایا اس کو	اس گدھے کی مثال کی مانند ہے	جو اپنے اوپر لادتا ہے کچھ کتابیں

بِئۡسَ	مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ	كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ	وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِي	الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ⑤
کتنی بری ہے	اس قوم کی مثال جنہوں نے	جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو	اور اللہ ہدایت نہیں دیتا	ظلم کرنے والے لوگوں کو

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	هَادُوۡۤا	اِنۡ زَعَمۡتُمۡ	اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ	مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ
آپ کہہ دیجئے اے وہ لوگو جو	یہودی ہوئے	اگر تم کو زعم ہے	کہ تم لوگ دوست ہو اللہ کے	(دوسرے) لوگوں کے بجائے

فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ	اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ⑥	وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ	اَبَدًا	بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ
تو تم لوگ تمنا کرو موت کی	اگر تم لوگ سچ کہنے والے ہو	اور یہ تمنا نہیں کریں گے اس کی	کبھی بھی	بسبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷	قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ	تَفِرُّوْنَ مِنْهُ	فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو	آپؐ کہیے بیشک وہ موت	تم لوگ بھاگتے ہو جس سے	تو یقیناً وہ ملاقات کرنے والی ہے تم سے

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ	اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	فَيُنَبِّئُكُمْ	بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع
پھر تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	شہادہ اور غیب کے جاننے والے کی طرف	پھر وہ جتلا دے گا تم کو	وہ، جو تم لوگ کیا کرتے تھے

نوٹ:1

آیت۔2۔میں لفظ اُمِّیِّیْنَ بنی اسمٰعیل کے لیے ایک امتیازی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ یہود کی وضع کردہ تھی جس میں ان کے اندر کے مذہبی پندار کی جھلک بھی تھی اور اہل عرب کے لیے ان کا جذبۂ تحقیر بھی نمایاں تھا۔لیکن بنی اسمٰعیل چونکہ کتاب شریعت سے ناآشنا تھے اس لیے بغیر کسی احساس کمتری کے انہوں نے اس لقب کو اپنے لیے خود بھی اختیار کر لیا پھر جب قرآن نے ان کے لیے اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے رسول کے لیے اس لفظ کو ایک امتیازی صفت کے طور پر ذکر کیا تو اس کا رتبہ انتہائی بلند ہو گیا اور جن کو اَن پڑھ اور گنوار کہہ کر حقیر ٹھہرایا گیا تھا وہ تمام عالم کی تعلیم وتہذیب پر مامور ہوئے اور جن کو اپنے حامل کتاب وشریعت ہونے پر ناز تھا وہ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا کے مصداق قرار پائے (تدبر قرآن)۔

لفظ امّی کی یہ وضاحت میں نے جب ایک بہت پڑھے لکھے دانشور کے سامنے کی تو وہ چہک کر بولے کہ آج ہم بھی تو اُسی گدھے کی مانند ہیں۔ہم حامل قرآن ہیں لیکن ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ میں نے کہا آپ کی بات جزوی طور پر تو درست ہے لیکن کلیتاً درست نہیں ہے۔ پوچھا وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ اس گدھے کی مثال ہمارے دانشوروں پر تو صادق آتی ہے لیکن علماء کرام پر صادق نہیں آتی۔ پھر ان کے مہذب ہونے کی قلعی کھل گئی۔(مرتب)

نوٹ:2

آیت۔3۔میں آٰخَرِیْنَ کے عطف میں دو قول ہیں۔بعض نے اس کو اُمِّیِّیْنَ پر عطف قرار دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بھیجا اللہ نے اپنا رسول امین میں اور ان لوگوں میں جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ یہاں ان میں بھیجنے سے مراد ان کے لیے بھیجنا ہے کیونکہ لفظ فی عربی میں اس کے معنی کے لیے آتا ہے اور بعض نے آخرین کا عطف یُعَلِّمُهُمُ کی ضمیر منصوب پر مانا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ تعلیم دیتے ہیں۔امین کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ آپؐ پر نازل ہوئی اور آپؐ نے ہمیں سنائی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے۔آپؐ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آئیں گے۔(معارف القرآن)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ محمدؐ کی رسالت صرف عرب قوم تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کی ان دوسروں قوموں اور نسلوں کے لیے بھی ہے جو ابھی آ کر اہل ایمان میں شامل نہیں ہوئی ہیں مگر آگے قیامت تک آنے والی ہیں۔ اس میں لفظ مِنْهُمْ (ان میں سے) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ وہ دوسرے لوگ اُمیّوں میں سے، یعنی دنیا کی غیر اسرائیلی قوموں میں سے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ محمدؐ کو ماننے والے ہوں گے جو بعد میں آ کر شامل ہوں گے۔اس طرح یہ آیت منجملہ ان آیات کے ہے جن میں تصریح کی گئی ہے کہ رسول اللہؐ کی بعثت تمام نوع انسانی کی طرف ہے اور ابد تک کے لیے ہے۔قرآن مجید کے دوسرے مقامات جہاں اس مضمون کی صراحت کی گئی ہے یہ ہیں۔الانعام۔19۔الاعراف۔158۔الانبیاء۔107۔الفرقان۔1۔سبا۔28۔(تفہیم القرآن)

آیت نمبر (9 تا 11)

6860

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ	مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ	فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
اے لوگو جو ایمان لائے	جب پکارا جائے نماز کے لیے	جمعہ کے دن میں سے	تو تم لوگ لپکو اللہ کی یاد کی طرف

وَ	ذَرُوا	الْبَيْعَ ؕ	ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹	فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ
اور	تم لوگ چھوڑ دو	سوداگری کو	یہ بہتر ہے تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانتے ہو	پھر جب پوری کر لی جائے نماز

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ	وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا	لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰
تو تم لوگ منتشر ہو جاؤ زمین میں	اور تلاش کرو اللہ کے فضل میں سے (روزی)	اور ذکر کرتے رہو اللہ کا کثرت سے	شاید کہ تم لوگ مراد پاؤ

وَاِذَا رَاَوْا	تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا	اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا	وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ
اور جب وہ دیکھتے ہیں	کوئی تجارت یا تماشہ	تو بکھر جاتے ہیں اس کی طرف	اور چھوڑ جاتے ہیں آپؐ کو کھڑا ہوا

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ	مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ	وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱ ع
آپؐ کہیے جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے	تماشے سے اور تجارت سے	اور اللہ رزق دینے والوں کا بہترین ہے

نوٹ: 1

جمعہ کے دن کو یومِ جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے عرب میں کعب بن لوئی نے اس کا نام جمعہ رکھا۔ قریش اس دن جمع ہوتے اور کعب بن لوئی خطبہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہؐ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ پہلے کا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے بچایا اور توحید کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے نبی کریمؐ کی بعثت کی خوشخبری بھی لوگوں کو سنائی تھی۔ (معارف القرآن)

اسلام سے پہلے ہفتہ کا ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے اور اس کو شعار ملت قرار دینے کا طریقہ اہل کتاب میں موجود تھا۔ یہودیوں نے اس غرض کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن مقرر کیا تھا کیونکہ اس اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ عیسائیوں نے اپنے آپ کو یہودیوں سے ممیّز کرنے کے لیے اپنا شعارِ ملت اتوار کا دن قرار دیا۔ اگرچہ اس کا کوئی حکم نہ حضرت عیسیٰؑ نے دیا تھا نہ انجیل میں کہیں اس کا کوئی ذکر آیا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ صلیب پر جان دینے کے بعد حضرت عیسیٰؑ اُسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔ اس بنا پر بعد کے عیسائیوں نے اسے اپنی عبادت کا دن قرار دے لیا اور پھر ۳۲۱ء میں رومی سلطنت نے ایک حکم کے ذریعے سے اس کو عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔ اسلام نے ان دونوں ملتوں سے اپنی ملت کو ممیّز کرنے کے لیے یہ دونوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت کے لیے اختیار کیا۔

جمعہ کی فرضیت کا حکم نبیؐ پر ہجرت سے کچھ پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا لیکن اس وقت آپؐ اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ مکہ میں کوئی اجتماعی عبادت ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے آپؐ ان لوگوں کو جو پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے، یہ حکم لکھ بھیجا وہاں جمعہ قائم کریں۔ چنانچہ ابتدائی مہاجرین کے سردار حضرت مُصعب بن عمیرؓ نے ۱۲۔ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں پہلے جمعہ پڑھا۔ اس سے بھی پہلے مدینہ کے انصار نے بطور خود آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن مل کر اجتماعی عبادت کریں گے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا دن انتخاب کیا اور پہلا جمعہ حضرت اسعد بن زُرارہ نے بنی بَیاضہ کے علاقے میں پڑھا جس میں چالیس

آدمی شریک ہوئے۔رسول اللہؐ نے ہجرت کے بعد اوّلین کام کیے ان میں جمعہ کی اقامت بھی تھی۔

''اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو''۔''خرید وفروخت چھوڑ دو''۔یہ حکم قطعی طور پر نماز جمعہ کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اس کی تائید بکثرت احادیث کرتی ہیں جن میں رسول اللہؐ نے سخت ترین تاکید کی ہے اور اسے صاف صاف الفاظ میں فرض قرار دیا ہے۔(ہم یہاں پر صرف ایک حدیث نقل کر رہے ہیں۔مرتب)۔حضورؐ نے فرمایا: آج سے لے کر قیامت تک جمعہ ہم لوگوں پر فرض ہے۔جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے، خدا اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے۔خوب سن رکھو اس کی نماز نماز نہیں، اس کا روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔پھر جو توبہ کر لیں اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے۔البتہ آپؐ نے عورت، بچے، غلام، مریض، اور مسافروں کو اس فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔قرآن وحدیث کی انہی تصریحات کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

آیت۔10۔کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد زمین میں پھیل جانا اور رزق تلاش کرنا ضروری ہے بلکہ یہ ارشاد اجازت کے معنی میں ہے جیسے سورۂ نساء میں ایک سے زائد نکاح کی اجازت فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ کے الفاظ میں دی گئی ہے۔یہاں اگرچہ فَانْكِحُوْا فعل امر ہے مگر کسی نے بھی اس کو حکم کے معنی میں نہیں لیا حی۔اس سے یہ اصولی مسئلہ نکلتا ہے کہ صیغۂ امر وجوب ہی کے معنی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی یہ اجازت اور کبھی استحباب کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔یہ بات قرآئن سے معلوم ہوئی ہے کہ کہاں یہ حکم کے معنی میں ہے اور کہاں اجازت کے معنی میں اور کہاں اس سے مراد یہ ہوئی ہے کہ اللہ کو ایسا کرنا پسند ہے۔لیکن یہ مراد نہیں ہوتی کہ یہ فعل فرض یا واجب ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہودیوں کے سبت اور عیسائیوں کے اتوار کی طرح قرآن میں جمعہ کو عام تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جمعہ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کا شعار ملت ہے جس طرح ہفتہ اور اتوار یہودیوں اور عیسائیوں کے شعار ملت ہیں۔اگر ہفتہ میں کوئی ایک دن عام تعطیل کے لیے مقرر کرنا تمدنی ضرورت ہو تو جس طرح یہودی اس کے لیے فطری طور پر ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو منتخب کرتے ہیں اسی طرح مسلمان اس غرض کے لیے جمعہ کو ہی منتخب کرے گا بلکہ عیسائیوں نے دوسرے ایسے ملکوں پر بھی اپنے اتوار مسلط کرنے میں تامل نہ کیا جہاں عیسائی آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔یہودیوں نے جب فلسطین میں اپنی ریاست قائم کی تو اولین کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ اتوار کے بجائے ہفتہ کو چھٹی کا دن مقرر کیا۔تقسیم سے پہلے ہندوستان میں برطانوی ہند اور مسلمان ریاستوں کے درمیان نمایاں فرق یہ نظر آتا تھا کہ ملک کے ایک حصے میں اتوار کی چھٹی ہوتی تھی اور دوسرے حصے میں جمعہ کی۔البتہ جہاں مسلمانوں کے اندر اسلامی حِس موجود نہیں ہوتی وہاں وہ اپنے ہاتھ میں اقتدار آنے کے بعد بھی اتوار کو سینے سے لگائے رہتے ہیں، جیسا کہ ہم پاکستان میں دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے زیادہ جب بے حسی طاری ہوتی ہے تو جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کو چھٹی رائج کی جاتی ہے۔(تفہیم القرآن۔ج۵۔ص ۴۹۳ تا ۴۹۸ سے ماخوذ)۔

نوٹ:2

آیت۔11۔میں ان لوگوں کو تنبیہہ کی گئی ہے جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی کام کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نبی کریمؐ خطبۂ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے۔ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہؐ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک قافلہ مدینہ کے بازار میں پہنچا اور اس کا اعلان ہونے لگا، اس وقت نماز جمعہ سے فراغت ہو چکی تھی، خطبہ ہو رہا تھا۔بہت سے صحابۂ کرامؓ بازار چلے گئے اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔یہ وہ زمانہ تھا جب مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت مہنگائی تھی۔اوّل تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی۔خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جز ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، ان اسباب کے تحت صحابۂ کرامؓ سے یہ لغزش ہوئی۔اسی پر عار دلانے اور تنبیہہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ نازل

ہوئی اور اسی کے سبب سے رسول اللہؐ نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا اور یہی اب سنت ہے۔(معارف القرآن بروایت ابن کثیرؒ) 6860

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ المنافقون (63)

آیت نمبر (1 تا 8)

س	ن	د

(ن) سُنُوْدًا بھروسہ کرنا۔سہارا لینا۔

(تفعیل) تَسۡنِیۡدًا مضبوط کرنا۔سہارا دینا

مُسَنَّدٌ اسم المفعول ہے۔سہارا دیا ہوا۔زیر مطالعہ آیت۔4

ترکیب

(آیت۔1) عام قاعدہ یہ ہے کہ اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے اور اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔اس کا یاک استثنا ہم پڑھ چکے ہیں کہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ''بیشک'' نہیں بلکہ ''کہ'' ہوتے ہیں، (دیکھیں آیت نمبر۔2/البقرۃ:25،نوٹ:ن2)۔اب آیت زیر مطالعہ میں اس قاعدے کا دوسرا استثنا آیا ہے۔اس آیت میں نَشۡهَدُ۔ یَعۡلَمُ اور یَشۡهَدُ تینوں افعال کے بعد اِنَّ کے بجائے اَنَّ آیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر پر اگر لام تاکید آ رہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کے بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ''کہ'' ہی کیا جاتا ہے۔(آیت۔4) فعل ماضی کبھی خبر یہ کے بجائے دعائیہ بھی ہوتا ہے جیسے یہاں قَاتَلَهُمُ دعائیہ ہے۔اردو محاورہ کی وجہ سے دعائیہ افعال ماضی کا ترجمہ اردو کے فعل امر غائب سے کیا جاتا ہے۔(دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:72،نوٹ:2)

ترجمہ

اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ	قَالُوۡا	نَشۡهَدُ اِنَّكَ	لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ	وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ
جب آتے ہیں آپؐ کے پاس منافق لوگ	تو وہ کہتے ہیں (کہ)	ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ	یقیناً اللہ کے رسول ہیں	اور اللہ جانتا ہے

اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ	وَاللّٰهُ یَشۡهَدُ	اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَكٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾	اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ
کہ آپؐ یقیناً اس کے رسول ہیں	اور اللہ گواہی دیتا ہے	کہ منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں	انہوں نے بنایا اپنی قسموں کو

جُنَّةً	فَصَدُّوْا	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ	اِنَّهُمْ	سَآءَ مَا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲
ایک ڈھال	پھر وہ روکتے ہیں (لوگوں کو)	اللہ کے راستہ سے	بیشک وہ لوگ (ہیں کہ)	برا ہے وہ جو	یہ لوگ کرتے رہتے ہیں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا	فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳
یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ	ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا	تو ٹھپہ لگا دیا گیا ان کے دلوں پر	نتیجۃً وہ سمجھتے نہیں ہیں

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ	تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ	وَاِنْ يَّقُوْلُوْا	تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ	كَاَنَّهُمْ
اور جب کبھی آپؐ دیکھتے ہیں ان کو	تو دلکش لگتے ہیں آپؐ کو ان کے جسم	اور اگر وہ لوگ کہتے ہیں (کچھ)	تو آپؐ سنتے ہیں ان کی بات کو	جیسے کہ وہ لوگ

خُشُبٌ	مُّسَنَّدَةٌ ؕ	يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ	عَلَيْهِمْ ؕ	هُمُ الْعَدُوُّ
ایسی موٹی لکڑیاں ہیں جو	ٹیک دی ہوئی ہیں	وہ لوگ گمان کرتے ہیں ہر چنگھاڑ کو	اپنے پر ہی (پڑنے والی)	وہ لوگ ہی دشمن ہیں

فَاحْذَرْهُمْ ؕ	قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ	اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴	وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ	تَعَالَوْا
تو آپ محتاط رہیں ان سے	ہلاک کرے ان کو اللہ	کہاں سے پھیر دیئے جاتے ہیں	اور جب بھی کہا جاتا ہے ان سے	تم لوگ آؤ

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ	وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ
تو مغفرت مانگیں گے تمہارے لیے	اللہ کے رسول	تو وہ لوگ مٹکاتے ہیں اپنے سروں کو	اور آپ دیکھتے ہیں ان کو روکتے ہوئے

وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵	سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ	اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ
اس حال میں کہ وہ بڑائی چاہنے والے ہوتے ہیں	برابر ہے ان پر	خواہ آپؐ استغفار کریں ان کے لیے

اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ	لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
یا آپؐ استغفار نہ کریں ان کے لیے	ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کے لیے (ان کے گناہوں کو)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى	الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶	هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ	لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ
بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا	نافرمانی کرنے والی قوم کو	وہ لوگ ہی وہ ہیں جو کہتے ہیں	تم لوگ خرچ مت کرو ان پر جو

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ	وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷
اللہ کے رسولؐ کے پاس ہیں	یہاں تک کہ وہ لوگ منتشر ہو جائیں	حالانکہ اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے	اور لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ	اِلَى الْمَدِيْنَةِ	لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ	مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ
وہ لوگ کہتے ہیں بیشک اگر ہم لوٹے	مدینہ کی طرف	تو لازماً نکالے گا زیادہ باعزت	اس سے زیادہ ذلیل کو

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ	وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ ع
حالانکہ اللہ ہی کے لیے ہے کل عزت	اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان لانے والوں کے لیے	اور لیکن منافق لوگ جانتے نہیں ہیں

نوٹ: 1 جس خاص واقعہ کے باری میں یہ سورہ نازل ہوئی ہے اس کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مدینہ کے منافقین کی

تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے، کیونکہ جو واقعہ اس موقع پر پیش آیا تھا وہ محض ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا سلسلۂ واقعات تھا۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلے آپس کی خانہ جنگیوں سے تھک کر ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو چکے تھے اور اس کو اپنا بادشاہ بنا کر باقاعدہ اس کی تاجپوشی کرنے والے تھے۔ یہ شخص قبیلہ خزرج کا رئیس عبداللہ بن اُبی تھا۔ اس صورتحال میں اسلام کا چرچا مدینے پہنچا اور دونوں قبیلوں کے باثر لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے پہنچے تو انصار کے ہر گھرانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ عبداللہ بن ابی بے بس ہو گیا اور اس کو اپنی سرداری بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود بھی مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے اُن بہت سے ساتھیوں کے ساتھ، جن میں دونوں قبیلوں کے سردار شامل تھے، داخل اسلام ہو گیا۔ حالانکہ ان سب کے دل جل رہے تھے۔ خاص طور پر عبداللہ ابن ابی کو اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔ کئی سال تک اس کا یہ منافقانہ ایمان اور بادشاہت چھن جانے کا یہ غم طرح طرح کے غم دکھاتا رہا۔

1۔ جنگ بدر کے بعد جب قینقاع کی بلا اشتعال سرکشی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی تو یہ شخص ان کی حمایت پر اٹھ کھڑا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ سات سو مردانِ جنگی جو ہر شخص کے مقابلے پر میرا ساتھ دیتے رہے ہیں، آپ ایک دن میں انہیں ختم کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان حلیفوں کو معاف نہ کر دیں۔

2۔ جنگ احد کے موقع پر قریش تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک ہزار آدمی لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ اس وقت یہ منافق تین سو آدمی توڑ لایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے بعد مدینہ کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص قطعی منافق ہے اور اس کے وہ ساتھی بھی پہچان لیے گئے جو منافقت میں اس کے شریک کار تھے۔

3۔ پھر ۴ھ میں غزوۂ بنی نضیر پیش آیا۔ اس موقع پر اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے اور بھی زیادہ کھل کر اسلام کے دشمنوں کی حمایت کی۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین یہودیوں کو پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس خفیہ ساز باز کا راز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا جیسا کہ سورۂ حشر کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اتنی پردہ دری ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرماتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوس اور خزرج کے بہت سے سردار اس کے حامی تھے اور مدینہ کی آبادی میں کم از کم ایک تہائی تعداد اس کے ساتھیوں کی موجود تھی، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے ان دشمنوں سے بھی جنگ مول لی جائے۔ اسی بنا پر ان کی منافقت کا حال جانتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مدت تک ان کے ساتھ ان کے ظاہری دعوائے ایمان کے لحاظ سے معاملہ فرماتے رہے۔ اس سبب سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو غزوۂ بنی مصطلق میں شامل ہونے کا موقع مل گیا اور اس مہم میں دو عظیم فتنے اٹھائے۔ ان میں ایک فتنہ وہ تھا جس کا ذکر سورۂ نور میں گزر چکا ہے۔ (یعنی بی بی عائشہؓ پر بہتان لگانے کا فتنہ) اور دوسرا فتنہ یہ ہے جس کا اس سورہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

بنی مصطلق کو شکست دینے کے بعد لشکر ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کنویں پر پانی بھرنے میں دو صحابیوں کا جھگڑا ہو گیا۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور دوسرے ایک انصاری تھے۔ زبانی ترش کلامی سے گزر کر نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی تو دونوں نے اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے پکارا۔ قریب تھا کہ انصار اور مہاجر آپس میں لڑ پڑتے لیکن یہ شور سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکل آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی پکار کیسی۔ تم لوگ کہاں اور یہ جاہلیت کی پکار کہاں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔ اس پر دونوں طرف

سے صالح لوگوں نے آگے بڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔

اس کے بعد منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے۔اس نے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی، ان پر اپنے مال تقسیم کیے، اب یہ پھل پھول کر خود ہمارے ہی حریف بن گئے ہیں۔تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو تو یہ چلتے نظر آئیں۔خدا کی قسم مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔اس مجلس میں حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے جو اس وقت ایک کم عمر لڑکے تھے۔انہوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا۔ان کے چچا نے جو انصار کے رئیسوں میں سے تھے، جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ باتیں ہرگز نہیں کیں۔مگر حضور ﷺ حضرت زیدؓ کو بھی جانتے تھے اور عبداللہ بن ابی کو بھی، اس لیے آپ سمجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے۔رفتہ رفتہ یہ بات تمام انصار میں پھیل گئی اور ان میں عبداللہ بن ابی کے خلاف سخت غصہ پیدا ہو گیا۔لوگوں نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگو لیکن اس نے انکار کر دیا۔یہ تھے وہ حالات جن میں یہ سورت نازل ہوئی۔(تفہیم القرآن، ج۵،ص:۵۰۸ تا ۵۱۵ سے ماخوذ)

آیت نمبر (1 تا 19)

ترکیب

(آیت۔10) فا سببیہ ہونے کی وجہ سے اَصَّدَّقَ حالت نصب میں آیا ہے۔آگے اَکُنْ اگر فا سببیہ پر عطف ہوتا تو یہ حالت نصب میں اَکُوْنَ ہوتا۔لیکن یہ حالت جزم میں اَکُنْ آیا ہے۔اس لیے اس سے پہلے کوئی شرط والا فعل محذوف مانا جاتا ہے جس کا جواب شرط ہونے کی وجہ سے یہ مجزوم ہے۔مثلاً وَلَئِنْ اَخَّرْتَنِیْ کو محذوف مانا جاسکتا ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ	اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ	عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
اے لوگو جو ایمان لائے تم لوگوں کو غافل نہ کریں	تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں	اللہ کی یاد سے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹	وَاَنْفِقُوْا	مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ
اور جو کرے گا یہ (کام)	تو وہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں	اور تم لوگ خرچ کرو	اس میں سے جو ہم نے عطا کیا تم کو

مِّنْ قَبْلِ اَنْ	يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ	فَيَقُوْلَ رَبِّ	لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ	اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
اس سے پہلے کہ	آپہنچے تم میں کے کسی ایک کو	موت	نتیجتاً وہ کہے اے میرے رب	کیوں نہ تو نے پیچھے کیا (مہلت دی) مجھ کو	ایک قریبی مدت تک

فَاَصَّدَّقَ	وَاَكُنْ	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰	وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ	نَفْسًا
نتیجتاً میں صدقہ کرتا	اور (پھر تو) میں ہو جاؤں گا	نیکی کرنے والوں میں سے	اور ہرگز پیچھے نہیں کرے گا (مہلت نہیں دے گا) اللہ	کسی جان کو

اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ	وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ	بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸
جب آجائے گا اس کا (خاتمے کا) وقت	اور اللہ باخبر ہے	اس سے جو تم لوگ عمل کرو گے

نوٹ: 1

اب خطاب مومنین سے ہے۔ ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ دنیا کی محبت میں ایسے مدہوش نہ ہو جائیں جیسے منافقین ہو گئے۔ دنیا کی سب سے بڑی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اللہ سے غافل کرتی ہیں۔ مال اور اولاد۔ اس لیے ان دونوں کا نام لیا گیا، ورنہ مراد اس سے پوری متاعِ دنیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مال و اولاد سے محبت ایک درجہ میں مذموم نہیں، ان کے ساتھ ایک درجہ تک لگاؤ صرف جائز نہیں بلکہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی یہ حدِ فاصل ہر وقت سامنے رہنا چاہیے کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں تمام اطاعتیں اور تمام عبادتیں ہیں۔ اور یہی قول سب کا جامع ہے۔ (معارف القرآن)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ التغابن (64)

آیت نمبر (1 تا 6)

ترجمہ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ	وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ۚ	لَهُ الۡمُلۡكُ
تسبیح کرتی ہے اللہ کی (ہر) وہ چیز جو آسمانوں میں ہے	اور (ہر) وہ چیز جو زمین میں ہے	اس کے لیے ہی ساری بادشاہت ہے

وَلَهُ الۡحَمۡدُ ۡ	وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ	قَدِيۡرٌ ۝۱	هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ
اور اس کے لیے ہی کل حمد ہے	اور وہ ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے	وہ، وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو

فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ	وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	بَصِيۡرٌ ۝۲	خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ
تو تم میں سے کوئی انکار کرنے والا ہے	اور تم میں سے کوئی ایمان لانے والا ہے	اور اللہ اس کو جو تم لوگ کرو گے	دیکھنے والا ہے	اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

بِالۡحَقِّ	وَصَوَّرَكُمۡ	فَاَحۡسَنَ	صُوَرَكُمۡ ۚ	وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۝۳
حق ((مقصد) کے ساتھ	اور اس نے صورت بنائی تم لوگوں کی	پھر اس نے حسن دیا	تمہاری صورتوں کو	اور اس کی طرف ہی لوٹنا ہے

يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ	وَيَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ	وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ
وہ جانتا ہے اس کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے	اور وہ جانتا ہے اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو	اور اس کو جو تم لوگ علانیہ کرتے ہو

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۴	اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ	نَبَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	مِنۡ قَبۡلُ ۡ
اور اللہ جاننے والا ہے سینوں والی (بات) کو	کیا پہنچی نہیں تم لوگوں کے پاس	ان لوگوں کی خبر جنہوں نے کفر کیا	اس سے پہلے

فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ	وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۵	ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ	كَانَتۡ تَّاۡتِيۡهِمۡ
پھر انہوں نے چکھی اپنے کیے کی سزا	اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے	یہ بسبب اس حقیقت کے کہ	آتے تھے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ	فَقَالُوْٓا	اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫	فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا
ان کے رسول واضح (نشانیوں) کے ساتھ	تو وہ کہتے تھے	کیا کچھ بشر ہدایت دیں گے ہم کو	پھر انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ	وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝
اور بے نیازی اختیار کی اللہ نے	اور اللہ ہے (ہی) بے نیاز حمد کیا ہوا

نوٹ:1

آیت۔2۔میں فَبِنَكُمْ کا حرف 'فا' تعقیب (یعنی ایک چیز کا دوسرے کے بعد ہونے) پر دلالت کرتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اول تخلیق و آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا۔یہ کافر و مومن کی تقسیم بعد میں اس اختیار کے تحت ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشا ہے۔اور اسی کسب و اختیار کی وجہ سے اس پر گناہ و ثواب عائد ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اولادِ آدمؑ سب ایک برادری ہے۔اس برادری کو قطع کرنے اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے۔اس لیے پوری دنیا میں انسانوں میں گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بناء پر ہو سکتی ہے۔رنگ، زبان، نسل، خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔رنگ و زبان کے اختلاف کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں اور انسان کے لیے بہت سے فوائد پر مشتمل ہونے کی بناء پر ایک نعمت تو قرار دیا ہے مگر اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی۔کیونکہ ایمان و کفر کی بناء پر دو قوموں کی تقسیم ایک اختیاری امر پر مبنی ہے۔اگر کوئی شخص ایک قومیت چھوڑ کر دوسری میں شامل ہونا چاہے، تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسرے میں شامل ہو سکتا ہے، بخلاف نسب و خاندان یا رنگ اور زبان کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنا نسب یا رنگ بدل دے۔زبان اور وطن اگرچہ بدلے جا سکتے ہیں مگر زبان و وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتیں خواہ ان کی ہی زبان بولنے لگے اور ان کے وطن میں آباد ہو جائے۔(معارف القرآن)۔

نوٹ:2

یہاں یہ بات قبل ذکر ہے کہ کتب آسمانی نے کبھی انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کا وہ تصور پیش نہیں کیا جسے ڈیڑھ ہزار سال سے عیسائیت نے اپنا بنیادی عقیدہ بنا رکھا ہے۔آج خود کیتھولک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ اپنی کتاب IS SRIGINAL SIN IN SCRIPTURE میں لکھا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دو صدیوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔مگر آخر کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کر دیا۔(تفہیم القرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔6۔میں کافروں کا قول نقل ہوا ہے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے۔یہ ان کی تباہی کی اولین اور بنیادی وجہ ہے۔نوع انسانی کو دنیا میں صحیح راہِ عمل اس کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کا خالق اسے صحیح علم دے۔اور خالق کی طرف سے علم دیئے جانے کی عملی صورت اس کے سوا کچھ نہ ہو سکتی تھی کہ وہ انسانوں ہی میں سے بعض افراد کو علم عطا کر کے دوسروں تک اسے پہنچانے کی خدمت سپرد کر دے۔اس غرض کے لیے اس نے انبیاء کو بینات کے ساتھ بھیجا تا کہ لوگوں کے لیے ان کے برحق ہونے میں شک کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ رہے۔مگر انہوں نے سرے سے یہی ماننے سے انکار کر دیا کہ بشر خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔اس کے بعد ان کے لیے ہدایت پانے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

اس معاملہ میں گمراہ انسانوں کی جہالت و نادانی کا یہ عجیب کرشمہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ بشر کی رہنمائی قبول کرنے میں تو انہوں نے کبھی تامل نہیں کیا ہے، حتیٰ کہ انہی کی رہنمائی میں لکڑی اور پتھر کے بتوں تک کو معبود بنایا۔ خود انسانوں کو خدا اور خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا تک مان لیا۔ گمراہ کن لیڈروں کی اندھی پیروی میں ایسے ایسے عجیب مسلک اختیار کیے جنہوں نے انسانی تہذیب وتمدن اور اخلاق کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔ مگر جب خدا کے رسول ان کے پاس حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: ''کیا اب بشر ہمیں ہدایت دیں گے۔'' اس کے معنی یہ تھے کہ بشر اگر گمراہ کرے تو سر آنکھوں پر لیکن اگر وہ راہ راست دکھاتا ہے تو اس کی رہنمائی قابل قبول نہیں۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (7 تا 10)

غ	ب	ن

(ن) غَبْنًا وَ غَبَنًا کاروبار میں دھوکہ دے کر اپنا پلہ بھاری کر لینا۔ کسی کو نقصان پہنچانا۔

(س) غَبَنًا وَ غَبْنًا ذہانت کا کم ہونا۔ ضعیف الرائے ہونا۔

(تفاعل) تَغَابُنًا معاملات میں بعض کا بعض کو نقصان پہنچانا۔ کسی کا کسی کے مقابلہ میں غافل یا ضعیف الرائے ہونا۔ زیر مطالعہ آیت۔9

ترجمہ

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ	قُلْ بَلٰى	وَرَبِّيْ
یقینی جانا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا	کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے	آپ ؐ کہیے کیوں نہیں	میرے رب کی قسم

لَتُبْعَثُنَّ	ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ	بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ	وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷
تم لوگ لازماً اٹھائے جاؤ گے	پھر تم لوگوں کو لازماً باخبر کیا جائے گا	اس سے جو تم نے عمل کیا	اور یہ اللہ پر آسان ہے

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ	وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ ۝۸
پس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر	اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا	اور اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو	باخبر ہے

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ	لِيَوْمِ الْجَمْعِ	ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ	وَمَنْ يُّؤْمِنْ
جس دن وہ جمع کرے گا تم لوگوں کو	جمع کیے جانے کے دن کے لیے	وہ نفع نقصان (کے ظہور) کا دن ہوگا	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا	يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ	وَيُدْخِلْهُ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اور عمل کرے گا نیک	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو	اور وہ داخل کرے گا اس کو	ایسے باغات میں	بہتی ہوں گی جن کے دامن میں نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ	اَبَدًا ؕ	ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں	ہمیشہ ہمیش	یہ ہی شاندار کامیابی ہے	اور جنہوں نے انکار کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع
اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	وہ لوگ آگ والے ہیں	ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے اس میں	اور بہت بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ

نوٹ: 1 زیر مطالعہ آیت۔ 7۔ میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اپنے رب کی قسم کھا کر لوگوں سے

کہو کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا۔ پہلے سورۂ یونس کی آیت۔53۔ میں پھر سورۂ سبا کی آیت۔3۔ میں اور اب اس آیت میں سوال یہ ہے کہ ایک منکر آخرت کے لیے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ اسے آخرت کی خبر قسم کھا کر دیں یا قسم کھائے بغیر دیں۔ وہ جب نہیں مانتا تو اس بنا پر کیسے مان لے گا کہ آپ قسم کھا کر اس سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ تھے جو اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر یہ بات خوب جانتے تھے کہ انہوں نے کبھی عمر بھر جھوٹ نہیں بولا۔ اس لیے خواہ زبان سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیسے بھی بہتان گھڑتے رہے ہوں اپنے دل میں وہ یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا سچا انسان کبھی خدا کی قسم کھا کر وہ بات کہہ سکتا ہے جس کے برحق ہونے کا اسے یقین نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ نبی کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالاتر ہے۔ نبی کی اصلی حیثیت یہ نہیں ہے کہ عقلی استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ آخرت ہونی چاہیے۔ بلکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ آخرت ہوگی اور یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ اس لیے ایک نبی ہی قسم کھا کر یہ بات کہہ سکتا ہے اور ایک فلسفی اس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ فلسفی اگر صحیح الفکر فلسفی ہو تو وہ ''ہونا چاہیے'' سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ''ہے اور یقیناً ہے'' کہنا صرف نبی کا کام ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 1

تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنیٰ خسارے اور نقصان کے ہیں۔ مالی نقصان کو بھی غبن کہتے ہیں اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی۔ لفظ تغابن کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کے نقصان کو ظاہر کرے۔ قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے آخرت میں دو گھر پیدا کیے ہیں، ایک جہنم میں دوسرا جنت میں۔ اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھایا جائے گا جو ایمان و عمل نہ ہونے کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ کا مزید شکر گزار ہو۔ اسی طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کا جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لیے مقرر تھا تا کہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ اہل جہنم کے حصے میں آئیں گے۔ اس وقت کفار اور فجار کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اُس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار اور فجار ہی کو نہیں بلکہ مؤمنین صالحین کو بھی ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تا کہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے۔ اس روز ظالم اور بدعمل لوگ اپنی تقصیرات پر حسرت کریں گے اور مومنین نے عمل میں جو کوتاہی کی ہے اس پر ان کو حسرت ہوگی۔ اس طرح قیامت کے روز سبھی اپنی اپنی کوتاہی پر نادم اور عمل کی کمی پر غبن و خسارہ کا احساس کریں گے اس لیے اس کو یوم التغابن کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لیے حسرت بنے گی۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (11 تا 18)

مَآ اَصَابَ	مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ	اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ	وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ
نہیں آلگتی	کوئی بھی آ لگنے والی (مصیبت)	مگر اللہ کی اجازت سے	اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر

يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ	وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾	وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ	وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ
تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو	اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے	اور تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی	اور تم لوگ اطاعت کرو ان رسولؐ کی

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ	فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا	الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾	اَللّٰهُ	لَاۤ اِلٰهَ
پھر اگر تم لوگوں نے منہ موڑا	تو ہمارے رسول پر تو بس	واضح طور پر پہنچا دینا ہے	اللہ (وہ ہے کہ)	کوئی بھی اِلٰہ نہیں

اِلَّا هُوَ ؕ	وَعَلَى اللّٰهِ	فَلْيَتَوَكَّلِ ﴿۱۳﴾	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا	اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ
سوائے اس کے	اور اللہ پر بھی	چاہیے کہ توکل کریں مومن لوگ	اے لوگو جو ایمان لائے	یقیناً تمہارے جوڑوں میں سے اور تمہاری اولادوں میں سے

عَدُوًّا لَّكُمْ	فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ	وَاِنْ تَعْفُوْا	وَتَصْفَحُوْا	وَتَغْفِرُوْا
کچھ دشمن ہیں تمہارے (ایمان کے) لیے	پس تم لوگ محتاط رہو ان سے	اور اگر تم لوگ درگزر کرو	اور نظر انداز کرو	اور معاف کرو

فَاِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾	اِنَّمَاۤ	اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ	فِتْنَةٌ ؕ
تو بیشک اللہ (بھی)	بے انتہا معاف کرنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	تمہارے مال اور تمہاری اولادیں	ایک آزمائش ہیں

وَاللّٰهُ	عِنْدَهٗۤ	اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	مَا	اسْتَطَعْتُمْ
اور اللہ (ہے کہ)	اس ہی کے پاس	شاندار اجر ہے	پس تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اللہ کا	اتنا جو	تم صلاحیت رکھتے ہو

وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا	خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ	وَمَنْ يُّوْقَ	شُحَّ نَفْسِهٖ
اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو	بھلائی ہوتے ہوئے تمہاری اپنی جانوں کے لیے	اور جس کو بچا لیا گیا	اس کے جی کے لالچ سے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾	اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ
تو وہ لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں	اگر تم لوگ قرض دو اللہ کو	جیسے خوبصورت قرض دینے کا حق ہے	تو وہ ضرب دے گا اس کو تمہارے لیے

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ	وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ	حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾	عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	الْعَزِيْزُ	الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾
اور وہ بخش دے گا تم کو	اور اللہ انتہائی قدردان ہے	ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے	(وہ) غائب اور موجود کا جاننے والا ہے	بالادست ہے	حکمت والا ہے

نوٹ: 1

آیت۔ 11۔ کا مطلب یہ ہے کہ مصائب کے وقت جو چیز انسان کو راہ راست پر قائم رکھتی ہے اور اس کے قدم ڈگمگانے نہیں دیتی، وہ صرف ایمان باللہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان نہ ہو وہ آفات کو اتفاقات کا نتیجہ سمجھتا ہے، یا دنیوی طاقتوں کو ان کے لانے اور روکنے میں مؤثر مانتا ہے، یا انہیں ایسی خیالی طاقتوں کا عمل سمجھتا ہے جنہیں انسانی اوہام نے نفع وضرر پہنچانے پر قادر فرض کر لیا ہے، یا خدا کو فاعل مختار مانتا تو ہے مگر صحیح (پکے) ایمان کے ساتھ نہیں مانتا۔ ان تمام صورتوں میں آدمی کم ظرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک خاص حد تک تو وہ مصیبت سہہ لیتا ہے، لیکن اس کے بعد وہ گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ ہر آستانے پر جھک جاتا ہے۔ ہر ذلت قبول کر لیتا ہے۔ ہر غلط کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص یہ جانتا اور سچے دل سے مانتا ہو کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی کے اِذن سے مصیبت آتی اور اسی کے حکم سے ٹل سکتی ہے، اس کے دل کو اللہ تعالیٰ صبر اور تسلیم ورضا کی توفیق دیتا ہے۔ اس کو عزم اور ہمت کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت بخشتا ہے اور بڑی سے بڑی آفت بھی اس کو راہ راست سے ہٹانے نہیں پاتی۔ اس طرح ہر مصیبت اس

6860

کے لیے نتیجہ کے اعتبار سے سراسر رحمت بن جاتی ہے۔ کیونکہ خواہ وہ اس کا شکار ہو کر رہ جائے یا اس سے بخیریت گزر جائے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے رب کی ڈالی ہوئی آزمائش سے کامیاب ہو کر نکلتا ہے۔ اسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ اس کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ مصیبت پڑے تو صبر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے۔ خوشحالی میسر آئے تو شکر کرتا ہے اور وہ بھی اس کے لیے اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ (تفہیم القرآن)۔

نوٹ:2

زیر مطالعہ آیات۔ 11 تا 13 میں جو ہدایات ہمیں دی گئیں ہیں ان کو اب ایک اور پہلو سے سمجھنا ہے۔ اس کے لیے پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ ہماری زندگی میں کچھ حالات و واقعات ہوتے ہیں جو ہم پر ٹپک پڑتے ہیں۔ ان کے واقع ہونے میں نہ تو ہمارا کوئی عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ان پر ہمارا کوئی اختیار ہوتا ہے۔ یہ حالات خوشگوار بھی ہوتے ہیں اور ناگوار بھی۔ دوسری طرف ہماری زندگی میں کچھ اعمال ہوتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ ان اعمال کے ظہور پذیر ہونے میں ہمارے غور و فکر، نیت و ارادہ اور کوشش کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ان کو کرنے یا نہ کرنے کا ہم کو اختیار ہوتا ہے، یہ اعمال کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ ہماری زندگی کے یہ دو الگ الگ دائرے ہیں، ان کو آپس میں گڈ مڈ کر دینے کے نتیجے میں ذہن الجھ جاتا ہے اور اکثر ہم غلط نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ اس لیے اس فرق کو ایک مثال سے سمجھ لیں۔

فرض کریں بیرون ملک سے ایک تاجر آئے ہوئے ہیں۔ صبح دس بجے ان سے ملاقات کا وقت طے ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ اس ملاقات سے آپ کے کاروبار میں ترقی ہوگی۔ مکمل تیاری کے ساتھ آپ اس ہوٹل کے لیے روانہ ہوتے ہیں جس میں وہ تاجر ٹھہرا ہوا ہے۔ راستہ میں سڑک پر کوئی حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ٹریفک جام ہے اور آپ بھی اس میں پھنس جاتے ہیں۔ جب راستہ کھلا اور آپ آدھا گھنٹہ تاخیر سے ہوٹل پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تاجر آپ کا انتظار کر کے کہیں جا چکا ہے۔ یہ آپ پر ٹپک پڑنے والا ایک واقعہ ہے۔ اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تاجر کی پاکستان آمد سے باخبر ہونا، اس سے ملاقات کا وقت حاصل کرنا، مکمل تیاری کے ساتھ ٹھیک وقت پر روانہ ہونا، یہ سب آپ کا اختیاری عمل تھا۔ ٹریفک جام ہونا وارد شدہ تقدیری واقعہ ہے۔ اس تقدیری واقعہ کے وارد ہونے کے بعد آپ رنج و غم میں سارا دن ضائع کریں گے یا خود کو سنبھال کر اُس دن کے باقی کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے، یہ آپ کا عمل ہوگا، اس کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم پر وارد ہونے والے تقدیری حالات و واقعات اور ہماری اختیاری سعی و جہد کا دائرہ الگ الگ تو ہے لیکن عموماً یہ ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اور زیادہ تر ان کے مابین سبب اور علت Couse and effect کا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بے احتیاطی میں انہیں آپس میں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی شعوری کوشش کی جائے تو ان میں فرق کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ ہم پر وارد ہونے والے حالات و واقعات ہماری تقدیر کا حصہ ہیں۔ انہیں وارد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن ان واقعات کے نتیجے میں ہماری زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، اس کا تعلق ہمارے عمل سے ہے۔ اس لیے وہ اثرات ہماری تقدیر کا حصہ نہیں ہے۔ (جینے کا سلیقہ خط و کتاب کورس، حصہ چہارم صفحہ 64 تا 66 سے ماخوذ)

اس حوالے سے اب یہ نوٹ کریں کہ آیت۔ 11۔ میں تقدیری معاملات کے لیے ہدایت ہے۔ یہاں پر ایمان باللہ سے مراد ہے

اللہ کی ربوبیت پر دل کا جم جانا۔ وہ ہماری پرورش کرنے والا ہے۔ وہ ہماری ضروریات کو ہم سے زیادہ جانتا ہے اور ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں کل خیر ہے۔ اس لیے جو کچھ ہوا ہے اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ جس کے دل میں یہ یقین ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو 6860 تسلیم و رضا کی ہدایت دے گا۔ جب دل کو یہ ہدایت ملے گی تب بندہ تاجر سے ملاقات نہ ہونے میں اپنی خیر سمجھے گا اور غم و غصہ میں مبتلا ہونے کے بجائے اُس دن کے بقیہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے کر اُس دن کو ضائع ہونے سے بچا لے گا۔ آگے آیات۔ 12۔13۔ میں ہدایات کا تعلق ہمارے عمل کے دائرے سے ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ کوئی بھی کوشش کرتے وقت یہ فکر کرنا لازمی ہے کہ کس چیز سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے، کیا چیز مباح ہے اور کیا چیز اجر و ثواب کا باعث ہے۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ اطاعت کرنے کا یہی مطلب ہے۔ اس ضمن میں دوسری ہدایت یہ ہے کہ کوشش کے نتیجہ کے لیے بھروسہ اور توکل صرف اللہ پر کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کوشش کرنے کا تو پابند کیا گیا ہے لیکن اس کے نتیجے کو اللہ تعالیٰ نے کلیتہً اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ نتیجہ پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ہماری کوشش کا نتیجہ نکلے گا یا نہیں، کتنا نکلے گا اور کب نکلے گا، یہ سب فیصلے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ ہمارا رب ہے اس لیے اس کا ہر فیصلہ ہماری بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ دل میں یہ یقین ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہمارے دل کو ہدایت دے گا۔

نوٹ: 3

آیت۔ 14 میں ایک بہت بڑی آزمائش سے متنبہ فرمایا ہے۔ یہ بیوی بچوں کی محبت ہے۔ یہ محبت ہے تو ایک فطری چیز لیکن ساتھ ہی یہ انسان کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ اگر آدمی کا علم و ایمان پختہ نہ ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر بیوی بچوں کی محبت اس قدر غالب آجائے کہ وہ خدا کی محبت کو نظر انداز کر بیٹھے حالانکہ یہ چیز اس کے ایمان کو غارت کر دینے والی ہے۔ آیت میں لفظ مِنْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کے بیوی بچے لازماً اللہ کی راہ سے روکنے والے ہوں۔ بہتوں کے بیوی بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو راہِ حق میں مزاحم ہونے کے بجائے معاون ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کے اہل و عیال ایسے نہیں ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان سے محتاط رہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ جس کو اس طرح کی آزمائش سے سابقہ پیش آئے اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی فتنہ میں پڑنے سے تو بچائے اور اپنے قول و عمل سے اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی کوشش کرے لیکن جب تک کفر و ایمان کا کوئی سوال پیدا نہ ہو اس وقت تک ان سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ گویا ان کے ساتھ زندگی تو گزارے لیکن گھل مل کر نہیں بلکہ بچ بچا کر اس طرح کہ خود بھی محفوظ رہے اور ان کی بھی اصلاح ہو۔ (تدبر قرآن)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الطلاق (65)

آیت نمبر (1 تا 3)

ترکیب

آیت۔ 1) نبی ﷺ کو مخاطب کر کے آگے طَلَّقْتُمْ میں واحد مخاطب کی ضمیر 'ت' کے بجائے جمع مخاطب کی ضمیر تُمْ آئی ہے۔ پھر اس کے آگے طَلِّقُوْا۔ اَحْصُوْا۔ اِتَّقُوْا۔ لَا تُخْرِجُوْا یہ سب جمع مخاطب کے صیغے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن ہدایات پوری اُمت کے لیے ہیں۔ اس لیے استاذِ محترم حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی رائے ہے کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ کے بعد قُلْ کو محذوف مان لیا جائے تو مفہوم صحیح طریقے سے واضح ہو جائے گا۔ (آیت۔2) ذُوْ کا تثنیہ حالت رفع میں ذَوَا۔ اور حالت نصب و جرّ میں ذَوَیْ آتا ہے۔

یہاں یہ اَشْهِدُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ آیت۔2/البقرۃ:177۔ کے نوٹ۔2۔ میں 6860 بتایا جا چکا ہے کہ اس کی جمع ذَوُوْ۔ ذَوِیْ۔ ذَوِیْ آتی ہے۔ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ میں كَانَ ماضی استمراری کا نہیں ہے بلکہ یہ كَانَ تَامَّه ہے۔ (دیکھیں آیت۔2/البقرۃ:193،نوٹ۔1) مَنْ سابقہ فعل يُوْعَظُ کا مفعول بھی ہے اور كَانَ تامہ کا فاعل بھی ہے اور آگے يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اس کی صفت ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ کا مَنْ شرطیہ ہے اس لیے يَتَّقْ مجزوم ہے۔ آگے ملانے کے لیے اس کو کسرہ دی گئی ہے۔ آگے يَجْعَلْ اور يَرْزُقْ جوابِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ کا مَنْ بھی شرطیہ ہے اس لیے يَتَوَكَّلْ مجزوم ہے فَهُوَ حَسْبُهٗ پورا جملہ جوابِ شرط اور محلاً مجزوم ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ	اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	فَطَلِّقُوْهُنَّ	لِعِدَّتِهِنَّ
اے نبیؐ (آپؐ کہہ دیجئے کہ)	جب کبھی تم لوگ طلاق دو (اپنی) عورتوں کو	تو طلاق دو ان کو	ان کی مدت (تک) کے لیے

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ	لَا تُخْرِجُوْهُنَّ	مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ
اور پورا شمار کرو مدت کو	اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا جو تمہارا رب ہے	اور تم لوگ مت نکالو ان کو	ان کے گھروں سے

وَلَا يَخْرُجْنَ	اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ	بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ	وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ
اور چاہیے کہ وہ (بھی) نہ نکلیں	سوائے اس کے کہ وہ کریں	کوئی کھلی بے حیائی (کا کام)	اور یہ اللہ کی حدود ہیں

وَمَنْ يَّتَعَدَّ	حُدُوْدَ اللّٰهِ	فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ	لَا تَدْرِيْ	لَعَلَّ اللّٰهَ
اور جو تجاوز کرے گا	اللہ کی حدود سے	تو اس نے ظلم کیا ہے اپنے آپ پر	تو نہیں جانتا	شاید کہ اللہ

يُحْدِثُ	بَعْدَ ذٰلِكَ	اَمْرًا ①	فَاِذَا بَلَغْنَ	اَجَلَهُنَّ	فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وجود میں لے آئے	اُس کے بعد	کوئی (نیا) معاملہ	پھر جب وہ خواتین پہنچ جائیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی کے ساتھ

اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ	وَّاَشْهِدُوْا	ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ	وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ
یا جدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ	اور تم لوگ گواہ بناؤ	کوئی دو انصاف والے تم میں سے	اور قائم کرو گواہی کو اللہ کے لیے

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ	مَنْ كَانَ	يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ	وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
یہ ہے، وہ نصیحت کرتا ہے جس کے ذریعہ	اس کو جو ہے (کہ)	وہ ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور آخری دن پر	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا

يَجْعَلْ لَّهٗ	مَخْرَجًا ②	وَّيَرْزُقْهُ	مِنْ حَيْثُ	لَا يَحْتَسِبُ ؕ
تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	(مشکلات سے) نکلنے کی کوئی جگہ (راستہ)	اور وہ روزی دے گا اس کو	وہاں سے جہاں سے	وہ گمان نہیں کرتا

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ
اور جو بھروسہ کرے گا اللہ پر	تو وہ کافی ہوگا اس کو	یقیناً اللہ	اپنے کام کا پہنچنے والا (پورا کرنے والا) ہے

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ	لِكُلِّ شَيْءٍ	قَدْرًا ③
بنا دیا ہے اللہ نے	ہر چیز کے لیے	ایک اندازہ

نوٹ: 1

سابق سورۃ التغابن کی آیات 14 تا16 میں یہ تنبیہہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ اگر وہ چوکنا نہ رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز اسے نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرمائی کہ ان سے چوکنا رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تا حد امکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔ سورۂ تغابن کے بعد دو سورتوں، الطلاق اور التحریم، میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے اور نفرت و محبت، دونوں طرح کے حالات میں صحیح رویہ کے حدود معین کر دیئے تا کہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سورۂ طلاق میں بتایا کہ بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملہ میں کس طرح حدود اللہ کی پابندی کا اہتمام کرے۔ اور سورہ تحریم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدود اللہ کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ (تدبر قرآن، ج ۸۔ ص ۴۲۹۔ ۴۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحت فرمائی ہے کہ اس سورۂ کا نزول سورہ بقرہ کی اُن آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام تین مرتبہ دیئے گئے تھے۔ اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اس کا ٹھیک زمانۂ نزول کیا ہے لیکن روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب سورہ بقرہ کے احکام کو سمجھنے میں لوگ غلطیاں کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل فرمائیں۔ ان ہدایات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن ہدایات کو پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے جو طلاق اور عدت کے متعلق اس سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سورۂ طلاق اُن قاعدوں میں سے کسی قاعدے کو منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ دو مقاصد کے لیے نازل ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو طلاق کا جو اختیار دیا گیا ہے اسے استعمال کرنے کے ایسے طریقے بتائے جائیں جن سے حتیٰ الامکان علیحدگی کی نوبت نہ آئے اور اگر آئے تو ایسی حالت میں آئے جبکہ باہمی موافقت کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہوں، دوسرا مقصد یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے احکام کے بعد جو مزید مسائل جواب طلب باقی رہ گئے تھے ان کا جواب دے کر اسلام کے عائلی قانون کے اس شعبہ کی تکمیل کر دی جائے۔ (تفہیم القرآن۔ ج ۵، ج۔ ۵۵۰۔ ۵۵۲)

نوٹ: 2

جاہلیت میں طلاق کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا، وہ نتائج و عواقب کا لحاظ کیے بغیر، ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے کر بیوی کو گھر سے نکال دیتا۔ اس طریقۂ طلاق میں عورت، مرد، بچوں بلکہ پورے کنبہ کے لیے یہ مضرتیں ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ہدایت فرمائی کہ جب طلاق دینے کی نوبت آئے تو وہ عدت کے حساب سے طلاق دے۔ اور اس عدت کا شمار رکھے۔ اس عدت کا شمار میاں اور بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ بیوی کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران وہ کسی اور مرد کی زوجیت میں نہیں جا سکتی۔ میاں کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ عدت کے دوران اگر وہ چاہے تو مراجعت کر لے۔ عدت گزر جانے کے بعد اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اس دوران میں اگر معلوم ہوا کہ بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو جائے گی اور اس دوران میں عورت کے نان و نفقہ اور اس کی رہائش کی ساری ذمہ داری مرد پر ہوگی۔

اس عدت کے دوران نہ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو گھر سے نکالو اور نہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں سے نکل کھڑی ہوں، بلکہ دونوں یکجا ایک ہی گھر میں رہیں تا کہ باہمی سازگاری اور اصلاح احوال کی کوئی گنجائش ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو۔ طلاق ایک مجبوری کا علاج ہے لیکن جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بندوں کو اس سے بچانے کے لیے طلاق پر عدت کی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس مدت میں میاں بیوی ایک ہی گھر میں رہیں تا کہ دونوں ٹھنڈے دل سے سوچ کر فیصلہ کر سکیں کہ آخری قدم اٹھانے سے پہلے اصلاح احوال کا کوئی امکان ہے یا نہیں۔ یہاں گھر سے نکلنے سے مراد وہ نکلنا نہیں ہے جو معمول

کے مطابق اپنی ضروریات کے لیے ہوا کرتا ہے، بلکہ وہ نکلنا ہے جو کسی گھر کو خیر باد کہنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ (تدبر قرآن۔ ج۸، ص:۴۳۵ تا ۴۳۷)

6860

آیت نمبر (4تا7)

ترجمہ

وَالّٰٓـِٔيْ	يَئِسْنَ	مِنَ الْمَحِيْضِ	مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ	اِنِ ارْتَبْتُمْ
اور وہ عورتیں جو	مایوس ہوئیں	حیض سے	تمہاری عورتوں میں سے	(ان کے بارے میں) اگر تم لوگ شک میں ہو

فَعِدَّتُهُنَّ	ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ	وَّالّٰٓـِٔيْ	لَمْ يَحِضْنَ ؕ	وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ	اَجَلُهُنَّ
تو (جان لو کہ) ان کی عدت	تین مہینے ہے	اور ان کی (بھی) جن کو	حیض ہوا ہی نہیں	اور حملوں والیاں	ان کی مدت ہے

اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ	وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ	يَجْعَلْ لَّهٗ	مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝۴
کہ وہ رکھ دیں اپنا بوجھ (بچہ جن لیں)	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ بنا دے گا اس کے لیے	اس کے معاملہ میں آسانی

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ	اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ	وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ	يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ
یہ اللہ کا حکم ہے	اس نے اتارا اس (حکم) کو تمہاری طرف	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ کا	تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو

وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝۵	اَسْكِنُوْهُنَّ	مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ	مِّنْ وُّجْدِكُمْ
اور وہ عظیم کرے گا اس کے لیے اجر کو	تم لوگ سکونت دو ان خواتین کو	وہاں جہاں تم نے سکونت اختیار کی	اپنی صلاحیت میں سے

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ	لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ	وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ	فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ
اور تکلیف مت دو ان کو	تاکہ تم لوگ تنگی کرو ان پر	اور اگر وہ ہوں حمل والیاں	تو تم لوگ خرچ کرو ان پر

حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ	فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ	فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ
یہاں تک کہ وہ جنیں اپنا بچہ	پھر اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو) تمہارے لیے	تو تم لوگ دو ان کی اجرتیں

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ	وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ	فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ	اُخْرٰى ۝۶
اور مشورہ کرو آپس میں کسی بھلائی کا	اور اگر باہم ضد کرو گے	تو دودھ پلائے گی اس کے لیے	کوئی دوسری (عورت)

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ	مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ	وَمَنْ	قُدِرَ عَلَيْهِ	رِزْقُهٗ
چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا	اپنی وسعت میں سے	اور وہ	ناپا تولا گیا جس پر	اس کے رزق کو

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ	اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ	لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
تو چاہیے کہ وہ خرچ کرے اس میں سے جو	دیا اس کو اللہ نے	ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ کسی جان پر

اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ	سَيَجْعَلُ اللّٰهُ	بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷ ع
سوائے اس کے جو اس نے دیا اس کو	بنا دے گا اللہ	تنگی کے بعد آسانی

نوٹ:1

عدّتِ طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں، جس کا بیان سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ لیکن وہ عورتیں جن کو عمر زیادہ ہونے یا کسی بیماری کے سبب سے حیض آنا بند ہو چکا ہو یا وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب سے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، تو ان کی عدت آیت۔4۔ میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرما دی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے چاہے وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔ اس آیت میں اِنِ ارْتَبْتُمْ (اگر تمہیں شک ہو) سے مراد یہ ہے کہ اصل عدت حیض سے شمار ہوتی ہے اور اِن عورتوں کا حیض بند ہے تو پھر عدت شمار کیسے ہوگی۔ یہ تردد مراد ہے۔ (معارف القران)

نوٹ:2

زیر مطالعہ آیات۔ ۲ تا ۵ میں تقویٰ کے فضائل و برکات کا بیان آیا ہے۔ اس کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لیے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتا ہے جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ تیسرے یہ کہ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ پانچویں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ انفال کی آیت۔29۔ میں تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے حق و باطل کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (8 تا 12)

ترکیب

آیت۔10) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے دو امکان ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ سے متعلق مانا جائے ایسی صورت میں اس پر جملہ ختم ہوگا اور قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے نیا جملہ شروع ہوگا اور مطلب ہوگا اے وہم و جذبات سے پاک عقل والو جو ایمان لائے ہو۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ پہلا جملہ یٰۤاُولِی الْاَلْبَاب پر ختم کر کے اَلَّذِیْنَ سے نیا جملہ شروع کیا جائے۔ ایسی صورت میں اَلَّذِیْنَ سے پہلے حرفِ ندا یٰۤاَیُّهَا محذوف ماننا ہوگا اور مطلب ہوگا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ نازل کر چکا ہے۔ ترجمہ میں ہم پہلی صورت کو ترجیح دیں گے۔ (آیت۔ 11) رَسُوْلًا کی نصب کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ اس کو سابقہ آیت میں ذِکْرًا کا بدل مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ وہ ذکر خود رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ رَسُوْلًا کو کسی فعل محذوف کا مفعول مانا جائے۔ ترجمہ میں ہم دوسری رائے کو ترجیح دیں گے اور رَسُوْلًا سے پہلے وَقَدْ اَرْسَلَ محذوف مانیں گے۔ (آیت۔12) مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَ کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ خَلَقَ کا مفعول ہے۔ اس کے ساتھ جمع مؤنث کی ضمیر هُنَّ آئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضمیر اَلْاَرْضِ کے لیے نہیں ہے بلکہ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ	عَتَتْ	عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا	وَرُسُلِهٖ	فَحَاسَبْنٰهَا
اور کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے	جنہوں نے سرکشی کی	اپنے رب کے حکم سے	اور اس کے رسولوں سے	تو ہم نے حساب لیا ان سے

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ	وَّعَذَّبْنٰهَا	عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸	فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا
جیسے سخت حساب لینے کا حق ہے	اور ہم نے عذاب دیا ان کو	جیسے بُرا عذاب دینے کا حق ہے	پھر انہوں نے چکھی اپنے کیے کی سزا

وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا	خُسْرًا ۝۹	اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ	عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ
اور ہے ان کے کام کا انجام	گھاٹا	تیار کیا اللہ نے ان کے لیے	ایک سخت عذاب

فَاتَّقُوا اللّٰهَ	يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ
تو تقویٰ اختیار کرو	اے خالص عقل والو جو ایمان لائے	اتار دیا ہے اللہ نے

اِلَيْكُمْ	ذِكْرًا ۙ﴿۱۰﴾	رَّسُوْلًا	يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ	اٰيٰتِ اللّٰهِ	مُبَيِّنٰتٍ
تمہاری طرف	ایک یاددہانی (قرآن)	(اور بھیج دیا ہے) ایک ایسا رسول جو	پڑھ کر سناتا ہے تم لوگوں کو	اللہ کی آیتیں	واضح ہوتے ہوئے

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ	وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
تاکہ وہ نکالیں ان لوگوں کو جو	ایمان لائے اور عمل کیے نیکیوں کے	اندھیروں سے نور کی طرف	اور جو ایمان لائے گا اللہ پر

وَيَعْمَلْ صَالِحًا	يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ	خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ
اور عمل کرے گا نیکی کا	تو وہ داخل کرے گا اس کو ایسے باغات میں	بہتی ہیں جن کے دامن سے	نہریں	رہنے والے ہوتے ہوئے ان میں ہمیشہ

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ	رِزْقًا ﴿۱۱﴾	اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ
خوبی دی ہے اللہ نے ان کے لیے	رزق میں	اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے	سات آسمان	اور زمین سے ان (آسمانوں) جیسی بھی (پیدا کیں)

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ	لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ
اترتے ہیں تمام احکام ان کے مابین	تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ	ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ	بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع
اور یہ کہ اللہ نے احاطہ کیا ہوا ہے	ہر چیز کا بلحاظ علم کے

نوٹ:1

يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ کے بعد اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ عقل اور ایمان میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ جو شخص عاقل ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایمان سے بہرہ ور ہو۔ اگر کوئی شخص ایمان سے بہرہ ور نہیں ہے تو آسمان وزمین کا طول وعرض ناپنے میں وہ خواہ کتنا ہی ماہر ہو لیکن اس کی عقل میں بہت بڑا فتور ہے۔ (تدبر قرآن)۔ مولانا اصلاحی مرحوم کی اس بات کو سمجھنے کے لیے آیت نمبر۔2/البقرۃ:179) کی لغت میں مادہ ''ل ب ب'' کو دوبارہ دیکھ لیں۔ لُبّ جس کی جمع الباب ہے، خالص عقل کو کہتے ہیں، یعنی ایسی عقل جو ہر طرح کے تعصّبات، توہمات، جذبات اور ایسی دوسری آلائشوں سے پاک ہو۔ ایسی عقل میں اور ایمان میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے۔ لیکن اگر کسی عقل میں مذکورہ آلائشوں میں سے کوئی آلائش یا کچھ آلائشیں داخل ہو جائیں تو پھر ایسی عقل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذہن میں Blind Spots آجاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس کی عقل کچھ چیزوں کو سمجھنے میں پوری طرح کام کرتی ہے لیکن کچھ چیزوں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتی ہے یا اگر سمجھتی ہے تو یہ آلائشیں اسے ان کا اعتراف اور اقرار کرنے سے روک دیتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں اولی العقل کے بجائے ایمان لانے والوں کو اولی الالباب کہا گیا ہے۔ (مرتب)

نوٹ:2

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کا مطلب یہ ہے کہ جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنی میں نکال لائے۔ اس ارشاد کی پوری اہمیت اُس وقت سمجھ میں آتی ہے جب انسان طلاق، عدت اور نفقات کے متعلق دنیا کے دوسرے قدیم اور جدید عائلی قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کی تبدیلیوں اور نت نئی قانون سازیوں کے باوجود آج تک کسی قوم کو ایسا معقول اور فطری اور معاشرے کے لیے فطری

قانون میسر نہیں آسکا جیسا اس کتاب اور اس کے لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ہم کو دیا تھا۔ یہاں اس تقابلی بحث کا موقع نہیں ہے۔ اس کا محض ایک مختصر سا نمونہ ہم نے اپنی کتاب ''حقوق الزوجین'' کے آخری حصہ میں درج کیا ہے۔ (تفہیم القرآن)۔ 6860

نوٹ:3

مِثْلَهُنَّ (انہی کی مانند) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اتنی ہی زمینیں بھی بنائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں۔ وَمِنَ الْاَرْضِ (اور زمین کی قسم سے) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں، اپنی موجودات کے لیے فرش اور گہوارہ بنی ہوئی ہے، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی تیار کر رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لیے فرش اور گہوارہ ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو قرآن میں یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات صرف زمین ہی پر نہیں ہیں بلکہ عالمِ بالا میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ شوریٰ آیت۔ 29۔ بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ویران نہیں ہیں بلکہ زمین کی طرح ان میں بھی بکثرت ایسے ہیں جن میں دنیائیں آباد ہیں۔

قدیم مفسرین میں صرف ابن عباسؓ ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اُس دور میں اِس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور تک کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا کہ کائنات میں اس زمین کے سوا کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے۔ آج اس زمانے کے سائنس دانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے، کجا کہ چودہ سو برس پہلے کے لوگ اسے باور کر سکتے۔ اسی لیے ابن عباسؓ عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ان کی تفسیر یہ ہے ''اُن میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبیؐ جیسا اور آدم ہے تمہارے آدمؑ جیسا اور نوح ہے تمہارے نوحؑ جیسا اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیمؑ جیسا اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰؑ جیسا۔'' امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے البتہ اسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہے اس لیے یہ ایک شاذ روایت ہے۔ (وجہ ظاہر ہے ابن عباسؓ اسے عام طور پر بیان نہیں کرتے تھے۔ اور اغلباً سننے والے بھی اس قول کو نقل کرنے سے گریز کرتے ہوں گے۔ مرتب) بعض دوسرے علماء نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس قول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔ مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں حضرت آدمؑ کی طرف راجع ہوتے ہیں ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے ہاں دوسروں کی بہ نسبت اُسی طرح ممتاز ہیں جیسے ہمارے ہاں نوحؑ اور ابراہیمؑ ممتاز ہیں۔'' آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں ''ممکن ہے کہ زمینیں سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی سات ہی نہ ہوں۔ سات کے عدد پر، جو عددِ تام ہے، اکتفا کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو۔'' پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی مسافت جو پانچ پانچ سو برس بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ موصوف کہتے ہیں کہ اس سے مراد ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امریکہ کے رانڈ کارپوریشن نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس گلیکسی میں واقع ہے صرف اُسی کے اندر تقریباً ساٹھ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں اور امکان ہے کہ ان کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہو۔ اکانومسٹ لندن۔ مورخہ۔ ۲۶۔ جولائی ۱۹۶۹ء۔ (تفہیم القرآن)۔

اوپر جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ایک Visionary صحابی تھے۔ ان کے اِس Vision کی تصدیق ان کے ایک دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے۔ سورۂ فاتحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں واحد لفظ عالم کے بجائے جمع عالمین آیا ہے۔ اس کے متعلق ان کا قول ہے کہ اللہ رب ہے اس عالَم کا بھی جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا جنہیں ہم نہیں جانتے۔ (مرتب)

6860

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ التحریم (66)

آیت نمبر (1 تا 5)

ترکیب

آیت۔3) نَبَّاتْ کا فاعل اس میں شامل ھِیْ کی ضمیر سے جو بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ کے لیے ہے۔اس کا مفعول یہاں مذکور نہیں ہے جبکہ بِہٖ کی ضمیر راز والی بات کے لیے ہے۔اَظْھَرَ کے ساتھ ہٗ کی ضمیر مفعولی نبیؐ کے لیے ہے اور عَلَیْہِ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔عَرَّفَ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو نبیؐ کے لیے ہے۔بَعْضَہٗ کی ضمیر اللہ کی دی ہوئی آگاہی کے لیے ہے۔فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ میں نَبَّاَ کا فاعل ھُوَ کی ضمیر ہے جو نبیؐ کے لیے ہے۔اس کے ساتھ ھَا کی ضمیر مفعولی بَعْضِ اَزْوَاجٍ کے لیے ہے اور بِہٖ کی ضمیر راز فاش کرنے والی بات کے لیے ہے۔(آیت۔4) اِنْ تَتُوْبَا شرط ہے اور فَقَدْ صَغَتْ جواب شرط ہے۔ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ میں تَظٰھَرَ باب تفاعل میں فعل ماضی کے تثنیہ مذکر غائب کا صیغہ نہیں ہے۔بلکہ یہ مضارع کے تثنیہ مؤنث غائب کا صیغہ تَتَظٰھَرَانِ ہے۔باب تفعل اور تفاعل کے مضارع کے جن صیغوں میں دو 'تا' آجاتی ہیں وہاں ایک تا کو گرا دینا جائز ہے۔اس لیے یہاں ایک تا گری ہوئی ہے اور اِنْ شرطیہ کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔(آیت۔5) یُبْدِلَہٗ میں لَہٗ پر حرف جارّہ والا لام نہیں ہے بلکہ یہ فعل کے مادہ 'ب دل' والا لام ہے۔یعنی یہ دراصل یُبْدِلَ ہٗ ہے۔مُسْلِمٰتٍ سے سٰٓئِحٰتٍ تک کی صفات کے درمیان میں کہیں بھی واؤ نہیں آئی ہے لیکن ثَیِّبٰتٍ اور اَبْکَارًا کے درمیان واؤ لائی گئی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مُسْلِمٰتٍ سے سٰٓئِحٰتٍ تک کی تمام صفات کسی ایک خاتون میں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی خاتون ایک ہی وقت میں ثَیِّبٰتٍ میں سے بھی ہو اور اَبْکَارًا میں سے بھی۔اس توجیہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح قرآن کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی چھان پھٹک کی ہے اور تدبرِ قرآن کا حق ادا کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی عرق ریزیوں سے کما حقہ استفادہ کریں۔

ترجمہ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ	مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ	تَبْتَغِیْ	مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ
اے نبیؐ آپؐ کیوں حرام کرتے ہیں	اس کو جسے حلال کیا اللہ نے آپؐ کے لیے	آپ جستجو کرتے ہیں	اپنی ازواج کے راضی ہونے کی

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①	قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ	تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ	وَاللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ
اور اللہ بے انتہا بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	فرض کر دیا ہے اللہ نے آپؐ لوگوں کے لیے	اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو	اور اللہ ہی آپؐ لوگوں کا کارساز ہے

وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ②	وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ	اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ	حَدِیْثًا ۚ
اور وہ ہی جاننے والا ہے حکمت والا ہے	اور جب راز دارانہ بتائی نبیؐ نے	اپنی ازواج کی کسی کو	ایک بات

فَلَمَّا نَبَّاَتْ	بِهٖ	وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ	عَلَيْهِ
پھر جب انہوںؓ (زوجہ) نے بتادیا (کسی کو)	اس (راز) کے بارے میں	اور آگاہ کیا ان کو اللہ نے	اس (راز فاش ہونے) پر

عَرَّفَ	بَعْضَهٗ	وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ
تو آپؐ نے بتایا	اس (آگاہی) کے بعض کو	اور اعراض کیا بعض سے

فَلَمَّا نَبَّاَهَا	بِهٖ	قَالَتْ	مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ
پھر جب آپؐ نے جتلایا انؓ (زوجہ) کو	اس کے بارے میں	تو انہوں (زوجہ) نے کہا	کس نے خبر دی آپؐ کو اس کی

قَالَ نَبَّاَنِيَ	الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۳	اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ	فَقَدْ صَغَتْ
آپؐ نے کہا بتلایا مجھ کو	اُس علیم خبیر (ہستی) نے	اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ کی طرف	تو مائل تو ہو چکے ہیں

قُلُوْبُكُمَا ۚ	وَاِنْ تَظٰهَرَا	عَلَيْهِ	فَاِنَّ اللّٰهَ
تم دونوں کے دل	اور اگر تم دونوں باہم مدد کرو گی	اِن (نبیؐ) کے خلاف	تو بیشک اللہ (جو) ہے

هُوَ مَوْلٰىهُ	وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	بَعْدَ ذٰلِكَ
وہ ہے ان کا کارساز	اور جبریلؑ اور مومنوں کا صالح (بھی)	اور فرشتے	اس کے بعد

ظَهِيْرٌ ۝۴	عَسٰى رَبُّهٗۤ	اِنْ طَلَّقَكُنَّ	اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ
مددگار ہیں	قریب ہے ان کا رب	اگر وہ طلاق دیں تم عورتوں کو	کہ وہ بدلہ میں دے ان کو

اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ	مُسْلِمٰتٍ	مُّؤْمِنٰتٍ	قٰنِتٰتٍ	تٰٓئِبٰتٍ
ایسی بیویاں جو بہتر ہوں گی تم سے	حق کو قبول کرنے والیاں	ایمان لانے والیاں	اطاعت کو لازم کرنے والیاں	توبہ کرنے والیاں

عٰبِدٰتٍ	سٰٓئِحٰتٍ	ثَيِّبٰتٍ	وَّاَبْكَارًا ۝۵
عبادت کرنے والیاں	روزے دار ہونے والیاں	شوہر آشنا ہونے والیاں ہوتے ہوئے	اور (یا) کنواریاں ہوتے ہوئے

نوٹ: 1

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے پاس چکر لگاتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپؐ حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے، کیونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور آپ وہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو اس پر رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپؐ آئیں وہ آپؐ سے یہ کہے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس میں کچھ بساند ہوتی ہے اور اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرے تو اس کے اندر بھی اس بساند کا اثر آجاتا ہے۔ جب متعدد بیویوں نے یہ کہا تو آپؐ نے عہد کرلیا اب یہ شہد استعمال نہیں کریں گے۔ (تفہیم القرآن)۔ آیت۔1 میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نوٹ: 2

اوپر کی آیت میں خطاب صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا جبکہ آیت۔2 میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹوکنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ اس کے سبب سے اُمت کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کرنے کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ نے اس کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے۔ اور کفارہ کا حکم المائدہ کی آیت۔89 میں بیان ہو چکا ہے۔ (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3

آیت۔3۔ میں قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا راز کی بت کہی اور کس بیوی سے کہی۔ قرآن نے اس کو پردے ہی میں رکھا ہے۔ اس وجہ سے ہم اس راز کے درپے ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہمارے لیے ماؤں کی منزلت میں ہیں۔ بیٹوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی ماؤں کے رازوں کے کھوج میں لگیں۔ بالخصوص جب کہ اس راز کے انکشاف سے اس آیت کے فہم میں کوئی مدد بھی نہ مل رہی ہو۔ یہاں راز کو فاش کرنے پر ہی تنبیہہ کی گئی ہے۔ اب اگر ہم اس کے درپے ہوں گے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے، ہم نے اسی کا ارتکاب کیا۔ (تدبر قرآن)۔

راز ظاہر کرنے پر یہاں اس لیے ٹوکا گیا ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات بلکہ مسلم معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کی بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی تربیت دی جائے۔ آیت میں اس سوال کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ جس راز کی بات کو افشا کیا گیا تھا وہ کوئی اہمیت رکھتی ہے یا نہیں اور اس کے افشا سے کسی نقصان کا خطرہ تھا یا نہیں۔ گرفت اس امر پر کی گئی ہے کہ راز کی بات کو دوسرے سے بیان کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ذمہ دار ہستی کے گھر والوں میں اگر یہ کمزوری موجود ہو تو آج ایک غیر اہم راز افشا ہوا ہے، کل کوئی اہم راز افشا ہوسکتا ہے۔ کسی وقت بھی یہ کمزوری کسی بڑے خطرے کا سبب بن سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (6تا9)

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	قُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا	وَّقُوْدُهَا
اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ بچاؤ	اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو ایک ایسی آگ سے	جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ	غِلَاظٌ شِدَادٌ	لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ
انسان اور پتھر ہیں	اس (آگ) پر ایسے فرشتے (مقرر) ہیں جو	انتہائی سخت ہیں	وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی

مَآ اَمَرَهُمْ	وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ
اس میں جو اس نے حکم دیا ان کو	اور کرتے ہیں وہ (ہی) جو انہیں حکم دیا گیا	اے لوگو جنہوں نے انکار کیا	تم لوگ بہانے مت گھڑو آج کے دن

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
تم کو تو بس بدلہ دیا جاتا ہے وہی جو	تم لوگ کیا کرتے تھے	اے لوگو جو ایمان لائے	تم لوگ توبہ کرو اللہ سے

تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ	عَسٰى رَبُّكُمْ	اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ	سَيِّاٰتِكُمْ	وَيُدْخِلَكُمْ	جَنّٰتٍ
انتہائی خالص توبہ	قریب ہے تمہارا رب	کہ وہ دور کر دے تم سے	تمہاری برائیوں کو	اور وہ داخل کر دے تم کو	ایسے باغات میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ	يَوْمَ	لَا يُخْزِي اللّٰهُ	النَّبِيَّ	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ
بہتی ہیں جن کے دامن سے نہریں	اس دن جب	رسوا نہیں کرے گا اللہ	اِن نبیؐ کو	اور ان کو جو ایمان لائے انؐ کے ساتھ

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى	بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ	يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ	اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا 6860
ان کا نور دوڑتا ہوگا	ان کے آگے اور ان کے داہنی جانب	وہ لوگ کہتے ہوں گے اے ہمارے رب	تو پورا کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ	اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٨	يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ	الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
اور تو بخش ہمارے لیے (ہمارے گناہوں کو)	بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے	اے نبیؐ آپ جہاد کریں	کافروں اور منافقوں سے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ	وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ	وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٩
اور آپ سختی کریں ان پر	اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے	اور کتنی بری ہے (وہ) لوٹنے کی جگہ

نوٹ: 1

آیت۔7) بتا رہی ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ نظامِ فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا بار اس پر ڈالا ہے اس کو بھی وہ اپنی حدِ استطاعت تک ایسی تعلیم و تربیت دے جس سے وہ خدا کے پسندیدہ انسان بنیں اور اگر وہ جہنم کی راہ پر جا رہے ہوں تو جہاں تک بھی اس کے بس میں ہو، ان کو اس سے روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے بچے دنیا میں خوشحال ہوں، بلکہ اس سے بڑھ کر اسے یہ فکر ہونی چاہیے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''تم میں سے ہر ایک راعی (چرواہا) ہے اور ہر ایک اپنی رعیت (گلے) کے بارے میں جوابدہ ہے۔ حکمراں راعی ہے اور وہ اپنی رعیت رعایا) کے معاملہ میں جوابدہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔'' (تفہیم القرآن)۔

نوٹ: 2

تَوْبَةً نَصُوْحًا کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوفِ عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر توبہ کی ہو۔ حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہوں ان کی قضا (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔ (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (۵) آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے دیکھا، اسی طرح اب وہ اسے اللہ کی اطاعت کرتے دیکھ لے۔ حضرت علیؓ نے جو توبہ کی شرائط بیان کی ہیں وہ سب کے ہی نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر اور بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (10 تا 12)

ترکیب

(آیت۔10) ضَرَبَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے مَثَلًا حالت نصب میں ہے، جبکہ اِمْرَاَتَ کی نصب مَثَلًا کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک نوٹ کرنے والی بات یہ ہے ان آیات زیر مطالعہ میں تینوں جگہ اِمْرَاَةَ کو گول تے سے لکھنے کے بجائے لمبی تے سے اِمْرَاَتْ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کوئی۔ 16۔17۔ مقامات پر اس کو لمبی تے سے لکھا گیا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن قاری حضرات کا کہنا ہے کہ قراءت میں فرق پڑتا ہے۔ جہاں یہ لفظ گول تے سے لکھا ہے وہاں اگر سانس ٹوٹنے کی وجہ سے وقف کرنا ہو تو چھوٹی ہا کی آواز کے ساتھ اِمْرَاَهْ کہ کر وقف کریں گے۔ اور جہاں یہ لمبی تے سے لکھا ہے وہاں تا کی آواز کے ساتھ امرات کہہ کر وقف کریں گے پھر پیچھے سے ملا کر پڑھنا شروع کر دیں گے۔

لیکن حال ہی میں اس کی ایک اور وجہ سامنے آئی ہے۔ اسلام سے پانچ سو سال قبل کی نبطیوں کی Inscrptions (کندہ تحریریں) دریافت ہوئی ہیں، جہاں سے عربی رسم الخط آیا ہے۔ ان کے ہاں گول تے (ۃ) کو لمبی ت (ت) سے لکھنا ثابت ہے۔ اس لیے عربی زبان کے عبوری دور میں لمبی اور گول تا میں تمیز کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بعد میں کوفہ اور بصرہ میں جب عربی گرامر مرتب کرنے کا کام ہوا، اس وقت یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے ان کے بھی قاعدے طے کیے گئے۔ 6860

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ صَالِحِيْنَ (جمع کا صیغہ) نہیں ایا ہے بلکہ صَالِحَيْنِ (تثنیہ کا صیغہ) آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عِبَادَنَا کی صفت نہیں ہے بلکہ عَبْدَيْنِ کی صفت ہے۔ يُغْنِيَا میں شامل هُمَا کی ضمیر فاعلی عَبْدَيْنِ کے لیے ہے جبکہ عَنْهُمَا کی ضمیر دونوں خواتین کے لیے ہے۔ آیت۔ 11) رَبِ ابْنِ میں لفظ اِبْنٌ (بیٹا نہیں ہے بلکہ یہ مادہ ''ب ن ی'' کا فعل امر ہے۔ اس کی اصل شکل اِبْنِیْ ہے۔ قاعدے کے مطابق مجزوم ہونے کی وجہ سے یا گر جاتی ہے تو اِبْنِ استعمال ہوتا ہے۔ (آیت۔12) كَانَتْ مؤنث ہے اس لحاظ سے اس کی خبر مِنَ الْقٰنِتٰتِ آنی چاہیے تھی مگر مذکر قَانِتِيْنَ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قَانِتُوْنَ کے لفظ میں مرد اور عورت سب شامل ہیں اس لیے قَانِتِيْنَ لانا بھی جائز ہے۔ (حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن کیسٹ سے ماخوذ۔ اِن کیسٹوں کی ریکارڈنگ ۱۹۸۷ یا ۱۹۸۸ء میں ہوئی تھی)

ترجمہ

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا	لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا	امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ	كَانَتَا
بیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا	نوحؑ کی عورت (بیوی) اور لوطؑ کی عورت (بیوی) کی	وہ دونوں تھیں

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ	فَخَانَتٰهُمَا
ہمارے بندوں مین سے دو نیک بندوں کے تحت	پھر ان دونوں (خواتین) نے خیانت کی ان دونوں (بندوں) سے

فَلَمْ يُغْنِيَا	عَنْهُمَا	مِنَ اللّٰهِ	شَيْـًٔا	وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ
تو وہ دونوں (بندے) کام نہ آئے	ان دونوں (خواتین) کے	اللہ سے (چھڑانے میں)	کچھ بھی	اور کہا گیا تم دونوں داخل ہو آگ میں

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾	وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا	لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ
داخل ہونے والوں کے ساتھ	اور ربیان کرتا ہے اللہ ایک مثال	ان کے لیے جو ایمان لائے	فرعون کی عورت (بیوی) کی

اِذْ قَالَتْ رَبِّ	ابْنِ لِيْ	عِنْدَكَ	بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ
جب اس (خاتون) نے کہا اے میرے رب	تو تعمیر کر دے میرے لیے	اپنے پاس	ایک گھر جنت میں

وَنَجِّنِيْ	مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ	وَنَجِّنِيْ	مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾
اور تو نجات دے مجھ کو	فرعون اور اس کے عمل سے	اور تو نجات دے مجھ کو	اِس ظالم قوم سے

وَمَرْيَمَ	ابْنَتَ عِمْرٰنَ	الَّتِيْ	اَحْصَنَتْ
اور مریم کی (مثال)	جو عمران کی بیٹی تھیں	وہ (بیٹی) جنہوں نے	حفاظت کی

فَرْجَهَا	فَنَفَخْنَا فِيْهِ	مِنْ رُّوْحِنَا	وَصَدَّقَتْ	بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا
اپنی عصمت کی	تو ہم نے پھونکا اس میں	اپنی روح میں سے	اور انہوں نے تصدیق کی	اپنے رب کے فرمانوں کی

وَكُتُبِهٖ	وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾
اوراس کی کتابوں کی	اوروہ تھیں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے

6860

نوٹ:1

آیت۔10 میں خیانت اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھیں بلکہ اس معنی میں ہے کہ انہوں نے ایمان کی راہ میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کا ساتھ نہ دیا بلکہ ان کے مقابلہ میں دشمنانِ دین کا ساتھ دیتی رہیں۔(تفہیم القرآن)۔

اس آیت میں مثال پیش کی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی چیز آدمی کا اپنا عمل ہے۔جس کے پاس حسنِ عمل کی پونجی ہوگی اس کو کسی بڑے سے بڑے کی نسبت بھی کچھ نفع پہنچانے والی نہیں بن سکے گی۔آخرت کی جوابدہی سے سب سے زیادہ بے پرواہی اہل مذاہب کے اندراس وہم نے پیدا کی کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ اللہ کے محبوبوں اور برگزیدہ لوگوں کی اولاد ہیں،اس وجہ سے دوزخ کی آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔یہود اور نصاریٰ اسی فتنہ میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوئے۔اس کے ساتھ ہی زیر مطالعہ آیات میں یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ برائی کی مثال کے لیے بھی عورتوں ہی کا انتخاب کیا ہے اور بھلائی کی مثال کے لیے بھی انہی کے نام لیے ہیں۔اس سے مقصود اس عام غلط فہمی کو رفع کرنا ہے کہ تمام برائی کا سرچشمہ عورت ہی ہے۔اپنی خلقت کے اعتبار سے عورت بھی خیر وشر دونوں صلاحیتوں کی حامل ہے۔اس کا انحصار اس کے ارادہ اور اختیار کے استعمال پر ہے۔(تدبر قرآن)۔

نوٹ:2

یہ سورہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں چند واقعات کی طرف اشارہ کر کے چند اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ ایک یہ کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔عام انسان تو درکنار،خود اللہ کے نبی ﷺ کی طرف بھی اس کا کوئی حصہ منتقل نہیں کیا گیا۔

2۔ دوسرے یہ کہ انسانی معاشرہ میں نبی کا مقام انتہائی نازک مقام ہے۔ایک معمولی سی بات جو کسی دوسرے انسان کی زندگی میں چنداں اہمیت نہیں رکھتی، نبی کی زندگی میں اگر پیش آجائے تو وہ قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی زندگی پر کڑی نگرانی رکھی گئی ہے کہ ان کا کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشاء الٰہی سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ایسا کوئی فعل اگر نبی سے کبھی صادر ہوا ہے تو اس کی اصلاح کر دی گئی ہے تاکہ اسلامی قانون اور اس کے اصول اپنی بالکل صحیح صورت میں نہ صرف خدا کی کتاب بلکہ نبی کے اُسوہ کی صورت میں بھی خدا کے بندوں تک پہنچ جائیں۔

3۔ تیسری بات جو مذکورہ بالا نکتہ سے خود بخود نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ذرا سی بات پر جب نبی ﷺ کو ٹوک دیا گیا اور نہ صرف اس کی اصلاح کی گئی بلکہ اسے ریکارڈ پر بھی لے آیا گیا،تو یہ چیز ہمارے دل میں قطعی طور پر یہ اطمینان پیدا کر دیتی ہے کہ حیات طیبہ میں جو اعمال وافعال اور جو احکام وہدایات ہمیں اب ملتے ہیں،اور جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت یا اصلاح ریکارڈ پر موجود نہیں ہے وہ سراسر اللہ کی مرضی سے پوری مطابقت رکھتے ہیں۔

4۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جس رسولِ مقدس کی عزت وحرمت کو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کے حق میں لازمۂ ایمان قرار دیتا ہے اور جن ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ خود اہلِ ایمان کی ماں قرار دیتا ہے،انہی کو اس نے اس سورہ میں تنبیہہ فرمائی ہے اور پھر یہ خفیہ طور پر نہیں کی گئی بلکہ اُس کتاب میں درج کر دی گئی جسے تمام اُمت کو ہمیشہ تلاوت کرنا ہے۔ظاہر ہے کہ کتاب اللہ میں اس کا ذکر کا منشا یہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور امہات المؤمنین کو اہلِ ایمان کی نگاہوں میں گرا دینا چاہتا تھا۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی یہ سورۂ پڑھ کر کسی مسلمان کے دل سے ان کا احترام اٹھ نہیں گیا۔اب قرآن میں یہ ذکر لانے کی مصلحت اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے بزرگوں کے احترام کی صحیح حدود سے آشنا کرنا چاہتا ہے۔نبی کا احترام اس بنا پر نہیں ہے کہ اس سے لغزش کا صدور ناممکن ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ وہ مرضیٔ الٰہی کا مکمل نمائندہ

ہے۔اسی طرح سے صحابۂ کرامؓ ہوں یا ازواج مطہرات، یہ سب انسان تھے،فرشتے یا فوق البشر نہ تھے۔ان سے غلطیوں کا صدور ہوسکتا تھا۔ ان کو جو مرتبہ بھی حاصل ہوا اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اللہ کی رہنمائی اور اللہ کے رسول کی تربیت نے ان کو انسانیت کا بہترین نمونہ بنا دیا تھا۔اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ یا ازواج مطہرات سے بشریت کی بنا پر جب بھی کسی غلطی کا صدور ہوا،تو اس پر ٹوکا گیا۔ان کی بعض غلطیوں کی اصلاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی جن کا ذکر احادیث میں بکثرت آیا ہے اور بعض غلطیوں کا ذکر قرآن مجید میں کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کی اصلاح کی تا کہ مسلمان بھی بزرگوں کے احترام کا کوئی ایسا مبالغہ آمیز تصور نہ قائم کر لیں جو انہیں انسانیت کے مقام سے اٹھا کر دیویوں اور دیوتاؤں کے مقام پر پہنچا دیں۔

5۔ پانچویں بات جو اس سورہ میں کھول کر بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین بالکل بے لاگ ہے۔اس میں ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کا وہ اپنے ایمان واعمال کے لحاظ سے مستحق ہو۔کسی بڑی سے بڑی ہستی کے ساتھ نسبت بھی اس کے لیے قطعاً نافع نہیں ہے اور کسی بری سے بری ہستی کے ساتھ نسبت بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔اس معاملہ میں تین قسم کی عورتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ایک مثال حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی ہے۔انبیاء کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی مستحق ہوئیں۔دوسری مثال فرعون کی بیوی کی ہے، جو اگرچہ ایک بدترین دشمن خدا کی بیوی تھیں لیکن اُس جیسے کافر کی بیوی ہونا بھی ان کے لیے کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کا مستحق بنا دیا۔تیسری مثال حضرت مریم کی ہے جنہیں یہ مرتبۂ عظیم اس لیے ملا کہ اللہ نے جس شدید آزمائش میں انہیں ڈالنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے لیے انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔اور ایک سچی مومنہ کی حیثیت سے وہ سب کچھ برداشت کرنا قبول کر لیا جو اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لیے برداشت کرنا ناگزیر تھا۔تب اللہ نے ان کو سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ فِی الْجَنَّۃِ کے مرتبۂ عالی پر سرفراز فرمایا۔

ان امور کے علاوہ ایک اور اہم حقیقت جو اس سورہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف وہی علم نہیں آتا تھا جو قرآن مجید میں درج ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے دوسری باتوں کا علم بھی دیا جاتا تھا جو قرآن میں درج نہیں کیا گیا ہے۔اس کی صریح دلیل اس سورہ کی آیت 3۔ ہے۔اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کو بتایا کہ راز فاش کرنے کی خبر ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں وہ آیت کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی تھی۔ اگر ایسی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے تو یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔اس سے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کوئی وحی نہیں آتی تھی۔

(تفہیم القرآن، ج۶۔ص۱۰ تا ۱۴ سے ماخوذ)

6860

6860

6860

6860

6860

انڈیکس برائے لغت (حصہ ششم)

4

پ

مادہ	آیت نمبر
ء	
1۔ء ز ف	40/مومن:18
2۔ء س ن	47/محمد:15
3۔ ء ش ر	54/القمر:25
4۔ ء ف ق	41/حم السجدہ:53
5۔ ء ل ت	52/الطور:21
ب	
1۔ ب ر م	43/الزخرف:79
2۔ ب س س	56/الواقعہ:5
3۔ ب س ق	50/ق:10
ت	
1۔ ت ع س	47/محمد:8
ث	
1۔ ث ل ل	56/الواقعہ:13
ج	
1۔ ج س س	49/الحجرات:12
2۔ ج ل ل	55/الرحمٰن:27
ح	
1۔ ح ب ک	51/الذریات:7
2۔ ح ق ف	46/الاحقاف:21
3۔ ح ی د	50/ق:19
خ	
1۔ خ ض د	56/الواقعہ:28
2۔ خ ی م	55/الرحمٰن:72
د	
1۔ د خ ن	41/حم السجدہ:11

مادہ	آیت نمبر
2۔ د س ر	54/القمر:13
3۔ د ع ع	52/الطور:13
4۔ د ھ ر	45/الجاثیہ:24
5۔ د ھ م	55/الرحمٰن:64
6۔ د ھ ی	54/القمر:46
ر	
1۔ ر ج ج	56/الواقعہ:4
2۔ ر ص ص	61/الصّف:4
3۔ ر ف ف	55/الرحمٰن:76
4۔ ر ق ق	52/الطور:3
5- ر ك د	42/الشوریٰ:33
6-ر ھ و	44/الدخان:24
س	
1۔ س ج ر	40/مومن:72
2۔ س ق ر	54/القمر:48
3۔ س ك ب	56/الواقعہ:31
4۔س ل س ل	40/مومن:71
5۔ س م د	53/النجم:61
6۔ س ن د	63/المنافقون:4
7۔ س ھ و	51/الذریات:11
ش	
1۔ ش ء م	56/الواقعہ:9

مادہ	آیت نمبر
2۔ ش ر ط	47/محمد:18
3۔ ش و ظ	55/الرحمٰن:35
ص	
1۔ ص ک ک	51/الذریات:29
ض	
1۔ ض غ ن	47/محمد:29
2۔ ض ی ز	53/النجم:22
ط	
1۔ ط م ث	55/الرحمٰن:56
ع	
1۔ ع ت ل	44/الدخان:47
2۔ ع س ل	47/محمد:15
3۔ ع ی ی	46/الاحقاف:33
غ	
1۔ غ ب ن	46/الاحقاف:9
2۔ غ ل ی	44/الدخان:45
ف	
1۔ ف س ح	58/المجادلہ:11
2۔ ف ن ن	55/الرحمٰن:48
3۔ ف ن ی	55/الرحمٰن:26
4۔ ف و ض	40/مومن:44
ق	
1۔ ق ع ر	54/القمر:20

مادہ	آیت نمبر
2۔ق ن ی	53/النجم:48
3۔ق و ب	53/النجم:9
4۔ق و س	53/النجم:9
5۔ق ی ض	41/حم السجدہ:25

ک

1۔ک د ی	53/النجم:34
2۔ک م م	41/حم السجدہ:47
3۔ک و ب	43/الزخرف:71
4۔ک ھ ن	52/الطور:29

ل

1۔ل ح ن	47/محمد:30
2۔ل د ی	40/مومن:18
3۔ل ف ظ	50/ق:18
4۔ل ق ب	49/الحجرات:11
5۔ل م م	53/النجم:32
6۔ل ی ت	49/الحجرات:14

م

1۔م ج د	50/ق:1
2۔م ح ن	49/الحجرات:3
3۔م ز ن	56/الواقعہ:69
4۔م و ر	52/الطور:9

ن

1۔ن ب ز	49/الحجرات:11
2۔ن ح س	41/حم السجدہ:16

مادہ	آیت نمبر
3۔ن ض خ	55/الرحمٰن:66

و

1۔و ج ف	59/الحشر:6
2۔و ض ن	56/الواقعہ:15

ھ

1۔ھ ج ع	51/الذریات:17
2۔ھ م ر	54/القمر:11

مادہ	آیت نمبر

انڈیکس برائے قواعد و موضوعات

4

قواعد و موضوعات	حوالہ
ع	
1۔ آخرت پر ایمان کے مراحل	40/مومن:57،نوٹ۔1
2۔ آداب مجالس	58/المجادلہ:11،نوٹ۔1
3۔ اللہ تعالیٰ کا طبقاتی نظام	43/الزخرف:32،نوٹ۔2
4۔ انسان کی برتری کی بنیاد	49/الحجرات:13،نوٹ۔1
5۔انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کی تردید	64/التغابن:2،نوٹ۔2
6۔انصاراللہ کا مطلب	61/الصّف:14،نوٹ۔1
7۔انفاق کی اہمیت	57/الحدید:12،نوٹ۔2
8۔اولی الالباب اور اولی العقل کا فرق	65/الطلاق:10،نوٹ۔1
9۔ایصال ثاب کا مسئلہ	53/النجم:39،نوٹ۔2
10۔ایمان واسلام کا باہمی ربط	49/الحجرات:14،نوٹ۔2
ب	
1۔بیوی بچوں کے ساتھ درست رویہ	64/التغابن:14،نوٹ۔3
ت	
1۔تبلیغ کرنے والوں کے لیے رہنمائی	51/الذاریات:54،نوٹ۔3 42/الشوریٰ:8،نوٹ۔1
2۔ تثنہ کی یائے ساکن کو آگے ملانا	49/الحجرات:1،ترکیب
3۔ تفرقہ اور اختلاف کا فرق	42/الشوریٰ:13،نوٹ۔3
4۔ تقدیر کو نہ ماننے والوں کی حیثیت	54/القمر:49،نوٹ۔4
5۔ تقدیری اور اختیاری معاملات میں ہدایت	64/التغابن:12،نوٹ۔2
6۔تقویٰ کی برکات	65/الطلاق:2،نوٹ۔2

قواعد و موضوعات	حوالہ
ج	
1۔جاسوس کی سزا	60/الممتحنہ:1،نوٹ۔1
2۔ جرم کا قرآنی مفہوم	55/الرحمٰن:41،نوٹ۔2
3۔ جمعہ کے دن پر ایک نوٹ	62/الجمعہ:9،نوٹ۔1
4۔جنتی لوگوں کی جسمانی کیفیت	56/الواقعہ:37،نوٹ۔3
5۔جنگی قیدیوں کے لیے ہدایات	47/محمد:،4نوٹ۔2
6۔جنوں اور انسانوں کی حقیقت	55/الرحمٰن:14،نوٹ۔4
ح	
1۔حاکمیت کا صحیح تصور	57/الحدید:1،نوٹ۔2
2۔حوروں اور دنیاوی عورتوں کا فرق	55/الرحمٰن:72،نوٹ۔2
خ	
1۔خود احتسابی کی اہمیت	59/الحشر:18،نوٹ۔2
د	
1۔درجات کی بلندی کا فارمولا	57/الحدید:10،نوٹ۔1 تا3
2۔دعا پر ایک نوٹ	40/المومن:،60نوٹ۔2
3۔دوقومی نظریہ قرآن میں	64/التغابن:2،نوٹ۔1
ر	
1۔رسول اللہ ﷺ کا علم غیب	46/الاحقاف:9،نوٹ۔1
2۔ رسول اللہ ﷺ کیا جنوں کے بھی رسول تھے	46/الاحقاف:29،نوٹ۔2
3۔ روایات میں تطبیق کا انداز	46/الاحقاف:10،نوٹ۔2
4۔ رہبانیت کی حقیقت	57/الحدید:27،نوٹ۔1

قواعد وموضوعات	حوالہ
س	
1۔سائنسی علوم کی پہنچ	53/النجم:32،نوٹ۔1
2۔ سات زمینوں کی وضاحت	65/الطلاق:12،نوٹ۔3
3۔ سورۃ التحریم کی اہمیت	66/التحریم:13،نوٹ۔2
4۔سورۃ الطلاق کا پس منظر	65/الطلاق:1،نوٹ۔1
ش	
1۔شرک کی سب سے زیادہ رائج شکل	42/الشوریٰ:22،نوٹ۔1
2۔ شریعت دین سے الگ نہیں	42/الشوریٰ:12،نوٹ۔2
3۔ شقِ قمر کا واقعہ	54/القمر:1،نوٹ۔1
ص	
1۔صحابہ کرام jکے فضائل	48/الفتح:29،نوٹ۔2
2۔ صحابہ کرام jمعصوم نہیں تھے	49/الحجرات:6،نوٹ۔4
3۔ صدیقین کے رتبہ تک رسائی	57/الحدید:16،نوٹ۔1۔2
4۔صلح حدیبیہ کا تاریخی پس منظر	48/الفتح:1،نوٹ۔1
5۔صلہ رحمی کی تاکید	47/محمد:22،نوٹ۔2
ع	
1۔ عبادت کا مفہوم	51/الذاریات:56،نوٹ۔4
2۔ عذاب قبر کی سند	40/مومن:46،نوٹ۔1
غ	
1۔غم اور خوشی میں صحیح طرز عمل	57/الحدید:22،نوٹ۔1
2۔ غیبت کے احکام	49/الحجرات:12،نوٹ۔3
ق	
1۔قرآن کا ذکر کے لیے آسان ہونا	54/القمر:15،نوٹ۔2

قواعد وموضوعات	حوالہ
2۔ قرآن کی ایک اور پیشینگوئی	54/القمر:45،نوٹ۔3
3۔ قرآن کے برحق ہونے کی دلیل	41/حم السجدہ:53،نوٹ۔2
4۔قرآن کے بعض مقامات کا گرامر کے خلاف ہونا	48/الفتح:10،نوٹ۔2
5۔قرآن کے چیلنج کا جواب کیوں نہیں آیا	52/الطور:34،نوٹ۔1
6۔قرآن کے کلام اللہ ہونے کا ثبوت	46/الاحقاف:2،نوٹ۔1
7۔قرآن کا باہمی ربط	59/الحشر:6،نوٹ۔2
8۔قیامت میں یہی جسم ملے گا	51/الذاریات:4،نوٹ۔1
م	
1۔مالِ فَے کی وضاحت	59/الحشر:6،نوٹ۔1۔4
2۔ مدینہ کے منافقوں کی تاریخ	63/المنافقون:1،نوٹ۔1
3۔ مدینہ کے یہودیوں کی تاریخ	59/الحشر:2،نوٹ۔1
4۔مسرت کا اظہار	40/مومن:75،نوٹ۔1
5۔مشکلات سے نکلنے کی راہ	58/المجادلہ:1،نوٹ۔2
6۔مصیبت کے وقت ایمان باللہ کی افادیت	64/التغابن:11،نوٹ۔1
7۔منافقین کے نور کی کیفیت	57/الحدید:13،نوٹ۔3
8۔منیب کا مطلب	50/ق:33،نوٹ۔1
9۔موتی کا کھارے پانی سے نکلنے کا افسانہ	55/الرحمٰن:22،نوٹ۔2
10۔میدان حشر میں نور کی کیفیت	57/الحدید:12،نوٹ۔1
ن	
1۔نشست سے اٹھتے وقت کی دعا	50/ق:32،نوٹ۔1
2۔ نظریۂ آخرت کا عقلی خاکہ	45/الجاثیہ:69،نوٹ۔1
3۔ نماز کے بعد ذکر کی ہدایت	50/ق:40،نوٹ۔2